DDUR102DCT

مطالعہ نظم

ڈپلوما اِن اردو

(پہلا سمسٹر)

(دوسرا پرچہ)

مرکز برائے فاصلاتی و آن لائن تعلیم

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی

حیدرآباد۔500032، تلنگانہ، بھارت

© Maulana Azad National Urdu University, Hyderabad
Course: Mutala-e-Nazm
ISBN: 978-81-994387-3-6
First Edition: October 2025

Publisher	:	Registrar, Maulana Azad National Urdu University, Hyderabad
Publication	:	2025
Copies	:	1000
Price	:	200/- (The price of the book is included in admission fees of distance mode students)
Copy Editing	:	Dr. Md Nehal Afroz, CDOE, MANUU
Cover Designing	:	Dr. Mohd. Akmal Khan, CDOE, MANUU
Printer	:	Print Time & Business Enterprises, Hyderabad

Mutala-e-Nazm

Paper - 2

Diploma in Urdu 1st Semester

Centre for Distance and Online Education
Maulana Azad National Urdu University
Gachibowli, Hyderabad-500032 (TG), India
*Director:*dir.dde@manuu.edu.in*Publication:*ddepublication@manuu.edu.in
Phone number: 040-23008314 Website: manuu.edu.in

© All rights reserved. No part of this publication may be reproduced or transmitted in any form or by any means, electronically or mechanically, including photocopying, recording or any information storage or retrieval system, without prior permission from the publisher (registrar@manuu.edu.in)

مدیر

پروفیسر نکہت جہاں

مرکز برائے فاصلاتی و آن لائن تعلیم

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد

معاون مدیر

پروفیسر محمد نسیم الدین فریس

سابق ڈین اسکول آف لینگویجز و صدر شعبہ اردو

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد

مجلس اِدارت

پروفیسر نکہت جہاں

مرکز برائے فاصلاتی و آن لائن تعلیم

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد

پروفیسر محمد نسیم الدین فریس

سابق ڈین اسکول آف لینگویجز و صدر شعبہ اردو

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد

ڈاکٹر ارشاد احمد

اسسٹنٹ پروفیسر، اردو

مرکز برائے فاصلاتی و آن لائن تعلیم

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد

ڈاکٹر محمد نہال افروز

اسسٹنٹ پروفیسر (کانٹریکچول) / گیسٹ فیکلٹی

مرکز برائے فاصلاتی و آن لائن تعلیم

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد

ڈاکٹر محمد اکمل خان

اسسٹنٹ پروفیسر (کانٹریکچول) / گیسٹ فیکلٹی

مرکز برائے فاصلاتی و آن لائن تعلیم

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد

ڈاکٹر محمد جعفر

اسسٹنٹ پروفیسر (کانٹریکچول) / گیسٹ فیکلٹی

مرکز برائے فاصلاتی و آن لائن تعلیم

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد

کورس کوآرڈی نیٹر

پروفیسر نکہت جہاں، مرکز برائے فاصلاتی و آن لائن تعلیم، مانو، حیدرآباد

مصنفین	اکائی نمبر
ڈاکٹر محمد نہال افروز، مرکز برائے فاصلاتی و آن لائن تعلیم، مانو، حیدر آباد	اکائی 1,8,9,10,11,12
پروفیسر حبیب احمد، شعبہ عربی، فارسی اور اردو، مدراس یونیورسٹی، چنئی /	
ڈاکٹر محمد اکمل خان، مرکز برائے فاصلاتی و آن لائن تعلیم، مانو، حیدر آباد	اکائی 2
ڈاکٹر محمد اکمل خان، مرکز برائے فاصلاتی و آن لائن تعلیم، مانو، حیدر آباد	اکائی 3,6,7
پروفیسر سرورالہدیٰ، شعبہ اردو جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی /	
ڈاکٹر محمد اکمل خان، مرکز برائے فاصلاتی و آن لائن تعلیم، مانو، حیدر آباد	اکائی 4
ڈاکٹر محمد جعفر، مرکز برائے فاصلاتی و آن لائن تعلیم، مانو، حیدر آباد	اکائی 5
پروفیسر محمد نسیم الدین فریس / ڈاکٹر محمد نہال افرزو، سی ڈی او ای، مانو، حیدر آباد	اکائی 13
ڈاکٹر طلعت جہاں، صدر شعبہ اردو و وائس پرنسپل، شادان ڈگری کالج فارِ من، حیدرآباد	اکائی 14,15
پروفیسر نکہت جہاں، مرکز برائے فاصلاتی وآن لائن تعلیم، مانو، حیدر آباد	اکائی 16

فہرست

کورس کا تعارف		کورس کو آرڈی نیٹر		07
بلاک I				
اکائی 1: نظم	:	نظم کے اوصاف اور اقسام		09
اکائی 2: مثنوی	:	اقتباسات: دریائے عشق (میر تقی میر)، گلزار نسیم (دیا شنکر نسیم)		30
اکائی 3: مثنوی	:	اقتباسات: امن نامہ (جاں نثار اختر)، شاہ نامہ اسلام (حفیظ جالندھری)		49
اکائی :4 قصیدہ	:	تضحیک روز گار	(سودا)	62
		ہیں مرے آبلہ دل کے تماشا گوہر	(ذوق)	
بلاک II				
اکائی 5: مرثیہ	:	حضرت حرؓ کی شہادت	(انیس)	81
		اسیری اہل حرم	(دبیر)	
		مرثیہ غالب	(حالی)	
اکائی :6 غزل	:	ولی دکنی، میر تقی میر، میر درد، آتش		96
		کیا مجھ عشق نے ظالم کوں آب آہستہ آہستہ	(ولی)	
		فقیرانہ آئے صدا کر چلے	(میر)	
		تہمتیں چند اپنے ذمے دھر چلے	(درد)	
		سن تو سہی جہاں میں ہے تیرا فسانہ کیا	(آتش)	

پیغام

پروفیسر سید عین الحسن
شیخ الجامعہ (مانو)

گزشتہ چند برسوں کے دوران یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ غیر اردوداں طبقے میں اردو سیکھنے کا رجحان بڑھتا جارہا ہے جس کے نتیجے میں شائقین کی تعداد میں بھی اضافہ ہوا ہے۔ نئی نسل اردو ادب سے بالخصوص اردو شاعری سے دلچسپی رکھتی ہے۔ آج اردو شاعری کو بہتر انداز سے سمجھنے اور اس سے پوری طرح لطف اندوز ہونے کے لیے نوجوان اور باذوق لوگ اردو سیکھنا چاہتے ہیں۔ اردو کی وہ نئی نسل، جس نے انگلش میڈیم اسکولوں میں تعلیم حاصل کی ہے لیکن اردو نہیں جانتی، وہ بھی اردو سیکھنا چاہتی ہے۔ اردو زبان کے شائقین اور اردو سیکھنے کے خواہشمند افراد کی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کے سینٹر فار ڈسٹنس اینڈ آن لائن ایجوکیشن نے "ڈپلوما ان اردو" کا نصاب ترتیب دیا ہے۔ یہ ایک فاصلاتی طرز کا پروگرام ہے جسے اساتذہ نے بہ حسن خوبی انجام دیا ہے۔

مجھے خوشی ہے کہ CDOE کے معاونین کی انتھک اور مخلصانہ کاوشوں کی بدولت "ڈپلوما ان اردو" کا اکتسابی مواد تیار ہو سکا۔ میں ان سب کو دلی مبارک باد دیتا ہوں، ساتھ ہی اردو سیکھنے کے شائقین کو دعوت دیتا ہوں کہ آیئے مانو کے اس فاصلاتی پروگرام کے ذریعے اردو زبان سیکھیے اور اردو کے اس نصاب کے مدِ نظر اپنے ذوق سلیم کی تربیت کیجیے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ اکتسابی مواد اردو زبان سیکھنے میں معاون ثابت ہوگا۔ مزید یہ کہ اس حوالے سے آپ نہ صرف اردو زبان سے واقف ہوں گے بلکہ اردو کے علمی، ادبی اور ثقافتی ورثے سے بھی شناسائی حاصل کریں گے جس کی روح ہندوستانی ہے۔

پیغام

پروفیسر محمد رضاء اللہ خاں

ڈائرکٹر CDOE(مانو)

دور حاضر میں فاصلاتی طرز تعلیم کو ساری دنیا میں ایک نہایت کارآمد اور مفید طریقہ تعلیم کی حیثیت سے تسلیم کیا گیا ہے۔ بڑی تعداد میں لوگ اس طریقہ تعلیم سے استفادہ کر رہے ہیں۔ اردو آبادی کی تعلیمی صورتِ حال کے پیش نظر مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی نے اپنے قیام کے روز اول ہی سے اس طرزِ تعلیم کو اپنایا۔ چنانچہ مانو کے مرکز برائے فاصلاتی وآن لائن تعلیم (سنٹر فار ڈسٹنس اینڈ آن لائن ایجوکیشن) کے تحت یو.جی، پی.جی، بی.ایڈ، ڈپلوما اور سرٹیفکٹ کورسوں پر مبنی جملہ (19) پروگرام نہایت کامیابی سے چلائے جارہے ہیں۔ جن کی تعداد میں سال بہ سال اضافہ ہو رہا ہے۔ مانو کے مرکز برائے فاصلاتی وآن لائن تعلیم کے تحت پیش کیا جانے والا نیا تعلیمی پروگرام "ڈپلوما ان اردو" ہے۔ اس کا آغاز اسی سال (2025) سے ہو رہا ہے۔

یہ پروگرام بنیادی طور پر غیر اردو داں طبقے کے لیے شروع کیا گیا ہے۔ اس لیے اس کا خود اکتسابی مواد تیار کرنے والے ماہرین نے غیر اردو داں طبقے کے ذہن ومزاج اور اکتسابی دشواریوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے پیش نظر اکتسابی مواد تیار کیا ہے تاکہ غیر اردو داں افراد کو اردو سیکھنے میں دقت نہ ہو اور وہ آسانی سے اردو زبان سیکھ لیں۔ میں اکتسابی میں مواد لکھنے والے اساتذہ اور ماہرین کو صمیم قلب سے مبارکباد دیتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ یہ تدریسی مواد، اردو زبان سیکھنے کے خواہشمند افراد میں اردو کی لسانی مہارتوں (سمجھنا، بولنا، پڑھنا اور لکھنا) کو فروغ دینے میں مددگار ثابت ہوگا۔

اکائی 7: غزل	:	ذوق، غالب، فیض، پروین شاکر	111
		لائی حیات آئے، قضا لے چلی چلے (ذوق)	
		ابن مریم ہوا کرے کوئی (غالب)	
		گلوں میں رنگ بھرے بادِ نو بہار چلے (فیض)	
		کُو بہ کُو پھیل گئی بات شناسائی کی (پروین شاکر)	

بلاک III

اکائی 8 : نظم	:	مناجات (محمد قلی قطب شاہ) آدمی نامہ، روٹیاں (نظیر اکبر آبادی)	125
اکائی 9 : نظم	:	مٹی کا دیا (حالی)، چاند تارے (اقبال)، صبح کی آمد (اسماعیل میرٹھی)	140
اکائی 10: نظم	:	اردو (سردار جعفری)، آم نامہ (اکبر الہ آبادی)، چاند تاروں کا بن (مخدوم محی الدین)	157
اکائی 11: رباعیات	:	قلی قطب شاہ، ولی، حالی، انیس، دبیر، جوش، اکبر، امجد اور رواں کی رباعیات	173
اکائی 12: گیت	:	حفیظ جالندھری، ، شاد عارفی، احسان دانش، ساحر لدھیانوی، قتیل شفائی اور زبیر رضوی کے گیت	190
اکائی13: ترانہ	:	ترانہ ہندی (اقبال)، ترانہ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی (سید عین الحسن عابدی)	208

بلاک IV

اکائی :14 دوہا، ماہیا، قطعہ	221
اکائی :15 پہیلیاں، کہہ مکرنیاں، دوسخنے	239
اکائی :16 پیروڈی	255
نمونہ امتحانی پرچہ	269

کورس کا تعارف

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی (مانو)ہندوستان کی ایک اہم مرکزی یونیورسٹی ہے جس کا قیام 1998 میں پارلیمنٹ کے ایک خصوصی ایکٹ کے ذریعے عمل میں آیا۔مانو کو ملک کی دیگر جامعات کے مقابلے میں یہ امتیاز حاصل ہے کہ یہ یونیورسٹی اردو ذریعہ تعلیم (اردو میڈیم)کی یونیورسٹی ہے جو اردو زبان میں روایتی اور فاصلاتی طرز پر اردو آبادی کو اعلیٰ پیشہ ورانہ اور تکنیکی تعلیم فراہم کررہی ہے۔اس یونیورسٹی کو جو مینڈیٹ(Mandate) دیا گیا ہے اس کے تحت اس کے قیام کے بنیادی مقاصد میں سے ایک اہم مقصد اردو زبان کی ترویج وترقی ہے۔

مانو کے تمام روایتی اور فاصلاتی طرز کے پروگراموں اور کورسوں میں یہ مقصد زیریں لہر کی طرح کار فرما ہے۔یہ بات محتاج وضاحت نہیں کہ عہد حاضر میں مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی اردو زبان کو ادب کے علاوہ سوشل سائنس اور سائنس کی مختلف شاخوں، کامرس اور بزنس مینجمنٹ کمپیوٹر سائنس اور انجینئرنگ، قانون اور صحافت جیسے عصری علوم سے جوڑنے میں نہایت طاقتور اور متحرک کردار ادا کررہی ہے۔اس میں باقاعدہ روایتی طرز تعلیم کے شعبوں کے ساتھ مانو کے مرکز برائے فاصلاتی وآن لائن تعلیم کے پروگرام بھی برابر کے شریک ہیں۔

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کے مرکز برائے فاصلاتی وآن لائن تعلیم کے تحت مختلف شعبہ ہائے علم میں مختلف سطحوں کے متعدد پروگرام پیش کیے جاتے ہیں جن کے ذریعہ اردو داں طبقے کی ایک بڑی تعداد استفادہ کررہی ہے۔مانو کے شیخ الجامعہ پروفیسر سید عین الحسن عابدی ہمیشہ یونیورسٹی کی ترقی وتوسیع ، تعلیمی معیار کی بلندی اور اردو زبان کے فروغ واستحکام کے لیے نئے نئے منصوبوں پر غور کرتے رہتے ہیں،ان کے ذہن رسا نے یہ سوچا کہ اردو زبان کا ایک ایسا ڈپلوما پروگرام متعارف کرانا چاہیے جس کے ذریعے غیر اردو داں افراد کو اردو زبان سیکھنے میں سہولت ہو اور وہ اردو میں نوشت وخواند کی استعداد کے حامل ہوسکیں و نیز ان میں اردو ادب اور اردو کی گنگا جمنی ثقافت کی اہمیت اور عظمت کا شعور بھی پیدا ہو۔ شیخ الجامعہ کی ایما اور پروفیسر محمد رضاءاللہ خاں،ڈائرکٹر مرکز برائے فاصلاتی وآن لائن تعلیم کی رہنمائی میں اردو کے ایک ڈپلوما پروگرام کا خاکہ تیار کیا گیا۔ ماہرین کے مشوروں سے اس کا نصاب ترتیب دیا گیا اور فاصلاتی طرز تعلیم کے تقاضوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے مرتبہ نصاب کے مطابق اس ڈپلوما پروگرام کا خود اکتسابی مواد اور کتابیں تیار کی گئیں۔اور اب یونیورسٹی کے ارباب مجاز کی منظوری سے یہ پروگرام جسے ڈپلوما اِن اردو(Diploma in Urdu)کے نام سے موسوم کیا گیا ہے،مانو کے مرکز برائے فاصلاتی وآن لائن تعلیم کے تحت اردو زبان سیکھنے کے خواہش مندوں کے لیے پیش کیا جارہا ہے۔

موجودہ زمانے میں اردو زبان کی مقبولیت میں روز بروز اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ برصغیر ہندوپاک کے علاوہ اردو زبان خلیجی ممالک شرق اوسط، وسطی ایشیا، مشرق بعید یورپ اور امریکہ کے کئی شہروں میں بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ اردو زبان دستور ہند کے آٹھویں شیڈول میں درج بڑی ہندستانی زبانوں میں شامل ہے۔ ملک کی کچھ ریاستوں میں اسے دوسری سرکاری زبان کا درجہ حاصل ہے۔ ایک اندازے کے مطابق ہندی کے ساتھ مل کر اردو دنیا کی تیسری سب سے زیادہ بولی جانے والی زبان ہے۔

ہندوستانی فلموں کے مکالموں اور نغموں میں اردو استعمال کی جاتی ہے۔ اردو زبان کے مشاعرے، غزل اور قوالی کے پروگرام بڑے ذوق وشوق سے سنے جاتے ہیں۔ ان پروگراموں سے پوری طرح لطف اندوز ہونے کے لیے غیر اردوداں سامعین اردو سیکھنا چاہتے ہیں۔ گلوکار فلمی اداکار، اسٹیج پر مظاہرہ کرنے والے فن کار اور الیکٹرانک میڈیا سے وابستہ اینکر اور خبریں نشر کرانے والے وغیرہ سب صحیح تلفظ اور خوبصورت لہجے میں بات کرنے کے لیے اکثر اردو سیکھنے کی خواہش کا اظہار کرتے ہیں۔ ان کے علاوہ اعلیٰ تعلیم یافتہ اور باذوق افراد بھی جو اردو زبان کی شیرینی، نفاست اور شائستگی کے دلدادہ ہیں اردو سیکھنا چاہتے ہیں، یہ پروگرام ان تمام افراد کی ضرورت کی تکمیل کر سکتا ہے۔ علاوہ ازیں یہ پروگرام مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کرنے میں بھی معاون ثابت ہوگا جہاں ذریعہ تعلیم اردو ہے۔ یہ پروگرام ان افراد کے لیے بھی مددگار ثابت ہوگا جو اردو زبان کے بیش بہا اور رنگارنگ ادبی سرمائے تک رسائی حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

ڈپلوما اِن اردو پروگرام دو سمسٹروں پر مبنی ہے جس کے پہلے اور دوسرے سمسٹر میں تین، تین پرچے ہوں گے۔ ہر پرچے میں سولہ اکائیاں ہیں جنھیں چار بلاکوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ہر پرچے کے ذریعے طلبا کو موضوع سے متعلق ڈپلوما کی سطح کے مطابق تمام ضروری معلومات پہنچانے کی ممکنہ کوشش کی گئی ہے۔ ہر سمسٹر میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے طلبا کو تینوں پرچوں کے امتحانات میں کامیابی حاصل کرنے کے علاوہ تفویضات (Assignments) کی تکمیل بھی لازمی طور پر کرنا ہے۔ تبھی وہ اس پروگرام میں کامیاب اور ڈپلوما ان اردو کے اہل قرار پائیں گے۔

ہمیں خوشی ہے کہ ہم ڈپلوما اِن اردو پروگرام کے دوسرے پرچے کی یہ کتاب پیش کر رہے ہیں جس کا عنوان "مطالعہ نظم" ہے۔ اس میں طلبا کو اردو شاعری کی اہم اصناف مثنوی، قصیدہ، مرثیہ، غزل، نظم اور رباعیات کے علاوہ گیت، دوہا، ماہیا، قطعہ، پہیلی، کہہ مکرنی، دوسخنے اور پیروڈی سے بھی متعارف کرایا گیا ہے۔ ابتدا میں نظم (یعنی شاعری) کی اہم خصوصیات پر روشنی ڈالی گئی ہے، پھر ہر صنف کے نمونے دیے گئے ہیں تاکہ طلبا ان اصناف کے متن کا مطالعہ کریں۔ اس سلسلے میں ہر صنف کی سادہ اور آسان تعریف اور شاعر کا سرسری تعارف اور دیے گئے متن کا مختصر خلاصہ بھی دیا گیا ہے۔ اس کتاب کا مقصد طلبا میں مختلف اصناف کی شناخت کی صلاحیت اور شاعری کی تحسین کا ذوق پیدا کرنا ہے۔

پروفیسر نکہت جہاں
کورس کو آرڈی نیٹر

بلاک I

اکائی 1: نظم کے اوصاف اور اقسام

اکائی کے اجزا

1.0 تمہید
1.1 مقاصد
1.2 قدیم نظم کے اوصاف اور اقسام
1.2.1 مثنوی
1.2.2 قصیدہ
1.2.3 غزل
1.2.4 مرثیہ
1.2.5 رباعی
1.2.6 قطعہ
1.2.7 شہر آشوب
1.2.8 ریختی
1.3 متفرق نظم کے اوصاف اور اقسام
1.3.1 پابند نظم
1.3.2 آزاد نظم
1.3.3 معریٰ نظم
1.3.4 نثری نظم

1.3.5 گیت
1.3.6 دوہا
1.3.7 ترانہ
1.3.8 ماہیا
1.3.9 سانیٹ
1.3.10 ترائیلے
1.3.11 ہائیکو
1.4 اکتسابی نتائج
1.5 مشکل الفاظ
1.6 مشقیں
1.7 نمونہ امتحانی سوالات

1.0 تمہید

نظم عربی زبان کا لفظ ہے، جو فارسی کے توسط سے اردو میں داخل ہوئی۔ نظم کے لغوی معنی پرونا، موتیوں کو تاگے میں پرونا وغیرہ کے ہیں۔ نظم شاعری کی ایک ایسی قسم ہے، جو کسی ایک عنوان کے تحت کسی ایک موضوع پر لکھی جاتی ہے۔ نظم کی ایک خاص بات یہ ہے کہ اس میں ہیئت (شکل) کی کوئی قید نہیں ہے۔ یہ بحر اور قافیہ کی پابند بھی ہوتی ہے اور ان سے آزاد بھی۔ نظم میں مضامین کی وسعت ہوتی ہے اور یہ زندگی کے کسی بھی موضوع پر کہی جا سکتی ہے۔ نظم کی بہت سی قسمیں ہوتی ہیں، جن میں کچھ قدیم اور کچھ الگ الگ (متفرق) قسم کی ہوتی ہیں۔ اس اکائی میں آپ نظم کے اوصاف کے ساتھ نظم کی قدیم اور متفرق اقسام کا مطالعہ کریں گے۔

1.1 مقاصد

اس اکائی کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- نظم کے معنی و مفہوم سے واقف ہو سکیں۔
- قدیم نظم کے اوصاف اور اس کی اقسام کو سمجھ سکیں۔
- متفرق نظم کے اوصاف اور اس کی اقسام کو بیان کر سکیں۔
- مختلف موضوعاتی اور ہیئتی نظموں سے واقف ہو سکیں

1.2 قدیم نظم کے اوصاف اور اقسام

قدیم نظم سے مراد وہ تمام کلاسیکی اصناف شاعری ہے، جس میں مثنوی، قصیدہ، غزل، مرثیہ، رباعی، قطعہ، شہر آشوب، ریختی، ترکیب بند، ترجیع بند وغیرہ شامل ہیں۔ ذیل میں ان میں سے چند اہم شعری اصناف کے تعلق سے گفتگو کی گئی ہے۔

1.2.1 مثنوی:

مثنوی اردو کی مشہور صنف سخن ہے۔ اسے ایک کارآمد صنف سخن سمجھا گیا اور اس کو غیر معمولی مقبولیت بھی حاصل ہوئی۔ یہ ایرانیوں کی ایجاد ہے۔ عربی میں یہ صنف نہیں پائی جاتی۔ اس میں موضوع کی کوئی قید نہیں ہے اور نہ ہی ابیات کی تعداد مقرر ہے۔ یہ چند ابیات پر بھی مشتمل ہوسکتی ہے اور ہزاروں ابیات پر بھی۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ تمام اشعار آپس میں مربوط ہوں۔

مثنوی عربی زبان کا لفظ ہے یہ لفظ مثنیٰ سے مشتق ہے جس کے لغوی معنی "دو دو کیا گیا" یا "دو دو" کے ہیں۔ اس کے ہر شعر کے دونوں مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں اور ہر شعر کا قافیہ باقی دوسرے اشعار کے قافیے سے مختلف ہوتا ہے۔ مثنوی کے تمام اشعار ایک ہی بحر میں ہوتے ہیں۔ چونکہ ہر شعر کا قافیہ دوسرے اشعار کے قافیے سے مختلف ہوتا ہے اور ہر شعر میں دونوں مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں اس لیے اسے مثنوی کا نام دیا گیا۔ مثنوی کی ہیئت کو سمجھنے کے لیے مثنوی "گلزار نسیم" کے چند شعر پڑھیے۔

پورب میں ایک تھا شہنشاہ
سلطان زین الملوک' ذی جاہ
لشکر کش و تاجدار تھا وہ
دشمن کش و شہریار تھا وہ
خالق نے دیے تھے چار فرزند
دانا' عاقل' ذکی' خرد مند
امید کے نخل نے دیا بار
خورشید حمل ہوا نمودار

پہلے شعر میں قافیے ہیں شہنشاہ و ذی جاہ' دوسرے شعر میں تاجدار و شہریار' تیسرے شعر میں فرزند وخردمند اور

چوتھے شعر میں بار و نمودار۔اس سے آپ کو معلوم ہوجائے گا کہ مثنوی کے ہر شعر کے دونوں مصرعے ہم قافیہ ہیں اور ہر شعر کا قافیہ پچھلے شعر کے قافیے سے مختلف ہے۔مثنوی میں ردیف کا بھی استعمال ہوتا ہے مگر بہت کم ہوتا ہے۔دوسرے شعر میں ردیف کا استعمال ہوا ہے یعنی "تھا وہ" ردیف ہے' تاجدار اور شہر یار قافیے ہیں۔

1.2.2 قصیدہ:

قصیدہ اصل میں عربی زبان کا لفظ ہے، جس کے لغوی معنی "مغز غلیظ و سِطَبر" کے ہیں،یعنی ایسا گودا جو گاڑھا اور دَل دار ہو،لیکن اصطلاح میں قصیدہ اس مسلسل اور نسبتاً طویل نظم کو کہتے ہیں،جس میں کسی کی مدح یا ہجو بیان کی گئی ہو۔قصیدے میں وعظ ونصیحت کے علاوہ دنیا اور زمانے کی شکایت وغیرہ کے مضامین بھی بیان کیے جاتے رہے ہیں۔لیکن ان موضوعات کے باوجود قصیدے کی عام شناخت مدحیہ شاعری کی حیثیت سے قائم اور مشہورہے۔یہی سبب ہے کہ ہماری زبان میں جب کسی شخص کی بہت بڑھا چڑھا کر تعریف وتوصیف کی جاتی ہے تو کہا جاتا ہے کہ اس شخص کا قصیدہ پڑھا جا رہا ہے۔اس لحاظ سے قصیدے کو عام طور پر مدحیہ شاعری کی ایک مشہور صنف کی حیثیت سے ہی جانا اور پہچانا جاتا ہے۔

خارجی ہیئت کے لحاظ سے قصیدہ اور غزل میں بڑی حد تک یکسانیت ہے۔جس طرح غزل کے پہلے شعریعنی مطلع کے دونوں مصرعے اور بعد کے تمام اشعار کے دوسرے مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں، بالکل وہی صورت قصیدے میں بھی ہوتی ہے۔البتہ قافیے کے لحاظ سے قصیدے کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس کے درمیان میں بھی مزید مطلع لائے جا سکتے ہیں، جب کہ غزل کی صنف میں ایسا ممکن نہیں ہوتا۔جیسا کہ ہم جانتے ہیں، غزل میں پہلے مطلع کے فوراً بعددوسرا مطلع یا تواتر سے کئی مطلع شامل کیے جا سکتے ہیں،لیکن یہ ممکن نہیں کہ پہلے مطلع کے بعد کچھ شعرہوں اور ان کے بعد غزل کے بیچ میں پھر سے ایک یا ایک سے زیادہ مطلع کہے جا سکیں۔اس کے برعکس قصیدے کے درمیان میں ایک سے زیادہ مطلع کہنے کا رواج رہا ہے۔اردو قصیدہ کے اجزائے ترکیبی میں تشبیب، گریز، مدح، مدعااور دعاشامل ہیں۔

1.2.3 غزل:

'غزل' عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی عشق و رومان کی باتیں کرنا ہے۔لغت میں غزل کے معنی یوں درج ہیں، عورتوں سے باتیں کرنا، عورتوں کے حُسن و جمال کی تعریف کرنا، نظم کی ایک صنف جس میں عشق و محبت کا ذکر ہوتا ہے۔ غزل کی ایک پہچان یہ ہے کہ یہ نظم کی طرح مسلسل نہیں ہوتی۔بلکہ غزل کا ہر شعر مضمون کے لحاظ سے مختلف اور اپنی جگہ مکمل ہوتا ہے۔اختصار اور تہہ داری غزل کی خوبی ہے۔یہ بات بھی سچ ہے کہ غزل کسی بھی زمانے میں اپنے لفظی معنی کی پابند نہیں رہی۔ہر عہد میں شاعروں نے مختلف مضامین کو غزل کا موضوع بنایا ہے۔شعرا نے زندگی کے ہر رنگ کو غزل میں پیش کیا ہے۔غزل کا ہر شعر مکمل مضمون رکھتا ہے اور دوسرے شعر سے آزاد ہوتا ہے۔غزل اردو کی سب سے مقبول صنف

سخن ہے۔غزل کو اردو شاعری کی آبرو کہا گیا ہے۔عہد میر و سودا ہو یا عہد غالب، غزل کی محبوبیت اور مقبولیت میں ہمیشہ اضافہ ہی ہوتا رہا ہے۔غزل کا ہر شعر ایک مکمل اکائی ہوتا ہے۔غزل کے شعر میں کوئی مضمون یا خیال مسلسل نہیں ادا کیا جاتا۔غزل گو بڑے سے بڑے خیال کو دو مصرعوں میں ادا کرتا ہے۔ غزل کم سے کم الفاظ میں زیادہ سے زیادہ مطالب ادا کرنے کا فن ہے۔ غزل میں کم سے کم پانچ شعر اور زیادہ سے زیادہ اکیس شعر ہوتے ہیں۔میر تقی میر کے یہاں طویل غزلیں کافی ملتی ہیں جب کہ غالب کے یہاں مختصر غزلوں کا رجحان پایا جاتا ہے۔

1.2.4 مرثیہ:

مرثیہ عربی لفظ "رثا" سے مشتق ہے۔اس کے معنی ہیں "مرنے والے کا بیان"۔عرب میں یہ دستور تھا کہ شعرا اپنے عزیز و اقارب اور دوست و احباب کی موت پر ان کے بارے میں اپنے جذبات و احساسات نظم کرتے تھے۔مرنے والے کی برائیوں کا عام طور پر بیان نہیں ہوتا تھا، اس لیے خوبیاں یاد کی جاتیں۔مرثیہ اردو ادب کی ایک مقبول اور سنجیدہ صنفِ شاعری ہے، جس کا بنیادی موضوع کسی شخصیت کی وفات پر غم، رنج و الم اور ہمدردی کا اظہار ہوتا ہے۔یہ صنف خاص طور پر اسلامی تاریخ کے عظیم سانحے "واقعۂ کربلا" سے جڑی ہوئی ہے۔مرثیے میں صرف مرنے والے کا ذکر ہی نہیں ہوتا، بلکہ اس کے اوصافِ حمیدہ، کردار کی بلندی، اخلاقی خوبیوں، اور زندگی کے اہم واقعات کو بھی نہایت سلیقے اور جذباتی انداز میں پیش کیا جاتا ہے۔

اردو میں مرثیہ نگاری کا اصل مرکز امام حسین علیہ السلام اور ان کے وفادار ساتھیوں کی شہادت ہے، جنہوں نے حق و باطل کی جنگ میں جان دے کر اسلام کے اصل پیغام کو زندہ رکھا۔مرثیہ نگار اس عظیم قربانی کو شعری قالب میں ڈھال کر نہ صرف سانحے کی منظر کشی کرتے ہیں، بلکہ سننے والوں یا پڑھنے والوں کے دل میں غم، عقیدت اور جذبۂ حق پرستی پیدا کرتے ہیں۔مرثیہ صرف ایک ادبی اظہار نہیں بلکہ اس میں ایک مذہبی، تاریخی اور اخلاقی پیغام بھی ہوتا ہے، جو سامعین و قارئین کو یہ سکھاتا ہے کہ ظلم کے خلاف ڈٹ جانا، صبر کا دامن نہ چھوڑنا اور حق کی راہ پر چلنا کتنا اہم اور باوقار عمل ہے۔

ابتدا میں مرثیے قصیدے کی ہیئت میں لکھے گئے۔آگے چل کر مربع، مخمس اور مسدس میں بھی لکھے گئے۔مسدس کا سانچہ مرثیے کے لیے مقبولیت حاصل کیا۔مرثیے کے مخصوص ارکان یا اجزا آٹھ ہیں:

1۔چہرہ	2۔سراپا	3۔رخصت	4۔آمد
5۔رجز	6۔جنگ	7۔شہادت	8۔بین

1.2.5 رباعی:

'رباعی' عربی لفظ ہے جو ربع سے مشتق ہے۔ربع کے معنی ہیں چار۔چوں کہ یہ چار مصرعوں پر یا دو بیتوں پر مشتمل ہوتی ہے۔اس لیے رباعی کہلاتی ہے۔دو بیتوں کی وجہ سے اسے "دو بیتی" بھی کہا جاتا ہے۔قدیم زمانے میں اسے ترانہ بھی کہتے

تھے۔لیکن یاد رہے' دو بیتی اور "ترانہ" رباعی کے موجودہ اور مروج اوزان میں نہیں لکھے جاتے تھے۔

اصطلاحاً رباعی اس مختصر نظم کو کہتے ہیں جو صرف چار مصرعوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ جس کا پہلا'دوسرا اور چوتھا مصرع ہم قافیہ ہوتا ہے اور جو مخصوص اوزان میں لکھی جاتی ہے۔رباعی میں کسی بھی موضوع کو اس طرح پیش کیا جاتا ہے کہ مصرع بہ مصرع خیال کا تسلسل و ارتقا پایا جاتا ہے اور چوتھے مصرع میں خیال اپنی تکمیل کو پہنچتا ہے۔ گویا چوتھا مصرع رباعی کا خلاصہ ہوتا ہے۔

خود کو گم کردہ راہ کرکے چھوڑا
حوا کو بھی تباہ کرکے چھوڑا
کیا کیا نہ کیے خدا نے جنت میں جتن
آدم نے' مگر گناہ کرکے چھوڑا

ہر رات اذیت وہ نئی لاتا ہے
آ آ کے قریں' پیاس بڑھا جاتا ہے
پھرتا ہوں' پکڑنے کو میں دیوانہ وار
سایہ ہے کہ پنجے سے نکل جاتا ہے

ان دونوں رباعیوں کے آخری مصرعے اگر نکال دیے جائیں تو رباعیاں نہ صرف ادھوری رہ جائیں گی بلکہ بے معنی و بے اثر ہوجائیں گی۔ گویا چوتھے مصرعوں ہی پر ان کی معنویت کی تکمیل اور ان کی اثر انگیزی منحصر ہے۔اس لیے اکثر ماہرین نے تاکید کی ہے کہ رباعی کا چوتھا مصرع زوردار ہو۔

1.2.6 قطعہ:

"قطعہ " کے لغوی معنی ٹکڑا، حصہ یا جزو کے ہیں۔ اصطلاح میں یہ نظم کی وہ قسم ہے جس میں کوئی ایک واقعہ یا مکمل خیال کم از کم دو اشعار میں پیش کیا جاتا ہے۔ ہیئت کے اعتبار سے یہ قصیدہ اور غزل کی طرح مسلسل ہوتا ہے، لیکن اس میں مطلع نہیں ہوتا۔ قطعہ میں کم سے کم دو شعر ہونے ضروری ہیں اور زیادہ سے زیادہ کوئی حد نہیں ہے۔ قطعہ کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کے تمام اشعار ایک ہی بحر میں ہوں اور ہم قافیہ ہوں۔ قطعہ میں مضمون یا موضوع کی پابندی نہیں ہوتی۔ رباعی اور قطعہ میں فرق یہ ہے کہ رباعی کے مخصوص اوزان ہیں اور یہ دو شعر میں سمٹ جاتی ہے اور اس میں مطلع بھی ہوتا ہے جب کہ قطعہ کسی بھی بحر میں لکھا جاسکتا ہے اور اس میں مطلع نہیں ہوتا۔ مثال کے طور پر ایک قطعہ ملاحظہ ہو:

کل پاؤں ایک کاسئہ سر پر جو آگیا
یکسر وہ استخواں شکستوں سے چور تھا
کہنے لگا کہ دیکھ کے چل راہ بے خبر
میں بھی کبھی کسو کا سرِپُر غرور تھا

1.2.7 شہر آشوب:

"شہر آشوب" کے لغوی معنی "بربادی، بگاڑ، فتنہ وفساد" کے ہیں۔ کسی شہر، بستی یا ملک میں رونما ہونے والے فتنہ وفساد یا طوائف الملوکی جیسے حالات سے پیدا ہونے والی مصیبتوں اور مسائل کے ذکر پر مشتمل نظم کو "شہر آشوب" کہتے ہیں۔ اس کے لیے کوئی ہیئت متعین نہیں۔ یہ مسمط کی کسی بھی ہیئت میں لکھی جا سکتی ہے۔

اردو میں "شاہ حاتم" کو شہر آشوب کا پہلا شاعر قرار دیا جاتا ہے۔ حاتم کے معاصر شاکر ناجی نے بھی شہر آشوب کہے ہیں۔ سودا نے بھی اپنے قصیدوں میں شہر آشوب کہے ہیں۔ میر تقی میر نے اپنے شہر آشوب میں لشکر کی ہجو اور سپاہیوں کی مفلسی کو موضوع بنایا ہے۔ اس کے علاوہ بھی بہت سارے شعرا نے شہر آشوب کہے ہیں۔ شہر آشوب کے عمومی موضوعات نظموں میں جا بجا ملتے ہیں، لیکن باقاعدہ طور پر بہ حیثیت ایک صنف کے شہر آشوب اب کم ہی لکھے جاتے ہیں۔ جدید دور میں خلیل الرحمٰن اعظمی اور شمس الرحمٰن فاروقی نے نئے طرز کے شہر آشوب لکھے ہیں۔ مرزا محمد رفیع سودا کے "شہر آشوب" کا پہلا بند ملاحظہ کیجیے، جس میں ناقدریِ زمانہ اور دلی میں بے روزگاری کا گلہ کیا گیا ہے:

کہا میں آج یہ سودا سے کیوں تو ڈانواں ڈول
پھرے ہے جا کہیں نوکر ہو، لے کے گھوڑا مول
لگا وہ کہنے یہ اس کے جواب میں دو بول
جو میں کہوں گا تو سمجھے گا تو کہ ہے یہ ٹھٹھول
بتا کہ نوکری بکتی ہے ڈھیریوں یا تول

1.2.8 ریختی:

ریختی بھی اردو نظم کی ایک قسم ہے۔ اس میں عورتوں کے جذبات کا اظہار خود عورتوں کی زبان میں ہوتا ہے۔ انشا اور رنگین اس صنف کے موجد ہیں۔ آگے چل کر مرزا جان جاناں نے بھی اس کے ذخیرے میں بہت اضافہ کیا۔ ریختی اردو شاعری میں ایک اہم اضافہ ہے۔ دراصل ریختی مردوں کے ذریعے عورتوں کی مخصوص زبان، محاورے اور روز مرہ میں عورتوں کے باہمی معاملات اور جذبات کے اظہار پر مبنی شاعری ہے، جو غزل کی ہیئت میں لکھی جاتی ہے۔ مثال کے طور پر ریختی کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

بے اختیار مجھ کو اک پھول کی کلی کا   مرجھا گیا دل اپنا تو نقشہ یاد آیا
کیا کہوں تھم نہیں سکتا مرا اندر والا   تھام تھام آپ کو رکھتی ہوں بہت سا لیکن

نہ برا مانے تو لوں نوچ کوئی مٹھی بھر | بیگما ہے تری کیاری میں ہرا ساگ لگا
اوڑھنی مجھ سے جو بدلی تو اجی باجی جان | وہ بھی اک دیجے جو ہو بھاری سے بھاری انگیا
مت اجڑ گئی سی پڑ اور غش نہ کھا کھا گر | بے کلی نہ کر، آخر چین لے زری ،کم بخت

(انشااللہ خاں انشاؔ)

1.3 متفرق نظم کے اوصاف اور اقسام

اردو میں اصناف سخن کی شناخت اور درجہ بندی کے لیے کوئی منطقی اصول نہیں ہے۔ اکثر اصناف نظم اپنی مخصوص شعری ہیئت کی بنا پر اپنی شناخت رکھتی ہیں۔ متفرق نظم کی بہت سی قسمیں ہیں۔ کچھ ہیئت کے لحاظ سے ،کچھ مصرعوں کی تعداد کے لحاظ سے اور کچھ موضوع کے اعتبار سے۔ ہیئت کے لحاظ سے نظم کی جو قسمیں ہیں وہ اس طرح ہیں: پابند نظم، آزاد نظم، معریٰ نظم، نثری نظم، نظم ثلاثی، گیت، دوہا، ماہیہ، سانیٹ، ترائیلے، ہائیکو وغیرہ۔ ذیل میں ان میں سے چند اہم شعری اصناف کے تعلق سے گفتگو کی گئی ہے۔

1.3.1 پابند نظم:

پابند نظم اس نظم کو کہتے ہیں جس میں ردیف، قافیہ اور بحر کے مقررہ اوزان کی پابندی کی جاتی ہے۔ پابند نظم میں نہ موضوعات کی قید ہوتی ہے اور نہ اشعار کی تعداد کی۔ شاعر کسی بھی موضوع پر اور جتنی چاہے تعداد میں اشعار کہہ سکتا ہے۔ بعض شاعروں نے چار چھ اشعار پر مشتمل پابند نظمیں بھی کہی ہیں۔ اردو شاعری کا بڑا حصہ پابند نظموں پر مشتمل ہے۔ ابتدا سے لے کر تاحال تقریباً تمام شاعروں نے پابند نظم نگاری کی ہے اور آج بھی آزاد اور معریٰ نظموں کے باوجود پابند نظم نگاری بھی چلن میں ہے۔ مثال کے طور پر پابند نظم کا نمونہ ملاحظہ ہو:

خورشید وہ دیکھو ڈوب گیا، ظلمت کا نشاں لہرانے لگا
مہتاب وہ ہلکے بادل سے چاندی کے ورق برسانے لگا

وہ سانولے پن پر میداں کے، ہلکی سی صباحت دوڑ چلی
تھوڑا سا ابھر کر بادل سے، وہ چاند جبیں جھلکانے لگا

1.3.2 آزاد نظم:

آزاد نظم بھی مغرب سے لی گئی ہیئت ہے اور اردو میں یہ ہیئت بے حد قبولیت رکھتی ہے۔ اس میں قافیہ ردیف کی پابندی نہیں ہوتی، بحر کی بھی پابندی نہیں لیکن ایسا نہیں کہ اس میں بحر نہیں ہوتی۔ بحر کے ارکان اور اس کے اوزان یا صوتی بندشوں کی پابندی ہوتی ہے۔ فرق صرف یہ ہوتا ہے کہ معریٰ نظم میں بحر کے مقررہ اوزان استعمال ہوتے ہیں یعنی اگر پہلے مصرعہ میں بحر کے چار ارکان استعمال ہوئے ہیں تو

اس کی پابندی نظم کے ہر مصرعے میں ہوتی ہے جب کہ آزاد نظم میں ارکان بحر کی تعداد ہر مصرعے میں متعین نہیں ہوتی جس کی وجہ سے مصرعے چھوٹے بڑے ہو جاتے ہیں مخدوم محی الدین کی نظم " سناٹا" ملاحظہ ہو:

کوئی دھڑکن
نہ کوئی چاپ
نہ سنچل
نہ کوئی موج
نہ ہلچل
نہ کسی سانس کی گرمی
نہ بدن
ایسے سناٹے میں اک آدھ تو پتا کھڑکے

1.3.3 معریٰ نظم:

معریٰ نظم ایسی نظم کو کہتے ہیں جس میں وزن بھی ہوتا ہے اور ارکان بحر کی پابندی بھی کی جاتی ہے۔ البتہ اس میں قافیہ اور ردیف سے کام نہیں لیا جاتا۔ چوں کہ یہ قافیے سے عاری ہوتی ہے اس لیے ابتداً اس کو غیر مقفی کہا گیا لیکن بعد میں معریٰ نظم کی اصطلاح کو سب نے تسلیم کر لیا۔ اردو میں پہلی بار 1875ء میں لاہور میں انجمن پنجاب کے تحت ایسا مشاعرہ منعقد ہوا جس میں طرحی مصرعہ دینے کے بجائے موضوع دیا گیا اور قافیہ ردیف کی پابندی ختم کر دی گئی۔ اردو میں معریٰ شاعری کا پہلا نمونہ مولانا محمد حسین آزاد کے یہاں ملتا ہے۔ بعد میں ترقی پسند شاعروں نے بھی ردیف اور قافیوں کا استعمال ترک کیا اور معریٰ نظمیں کہنے لگے۔ اور پھر تو یہ ایک مزاج' ایک رواج سا بن گیا۔ اردو میں معریٰ نظم کا سرمایہ اتنا زیادہ نہ سہی لیکن خاطر خواہ ضرور ہے۔ ہمارے ممتاز اور صف اول کے شاعروں نے بھی اس ہئیت کو اختیار کیا۔ اختر الایمان کی یہ نظم " کل کی بات" کا اقتباس ملاحظہ ہو، جو نظم معریٰ کی ہیئت میں ہے :

ایسے بیٹھے تھے ادھر بھیا تھے دائیں جانب
ان کے نزدیک بڑی آپا شبانہ کو لیے
اپنی سسرال کے کچھ قصے' لطیفے' باتیں
یوں سناتی تھیں ہنسے پڑتے تھے سب
سامنے اماں وہیں کھولے پٹاری اپنی
منھ بھرے پان سے سمدھن کی انہی باتوں پر

1.3.4 نثری نظم:

نثری نظم انگریزی کی Prose Poem کی تقلید ہے۔ نثری نظم میں ردیف' قافیہ' وزن اور بحر کسی کی قید نہیں۔ ہاں ایک آہنگ ضروری ہے جس سے نثری شاعری پر رنگ آتا ہے۔ بعض اوقات غیر ارادی طور پر مصرعے اوزان کے تحت آجاتے ہیں لیکن یہ ضروری نہیں۔ ہاں شعریت اور غنائیت ضروری ہے اور یہ شاعر کے شعری رویے پر منحصر ہوتی ہے۔ اردو میں نثری شاعری پر یوں تو کئی لکھنے والوں نے توجہ دی لیکن میر علی زیدی' سجاد ظہیر اور خورشید الاسلام کے نام نمایاں ہیں جن کے مجموعے علی الترتیب "پگھلا نیلم "، "کاسہ ٔروح" اور "جستہ جستہ "ہیں۔ سید علی زیدی ایک تخلیق دیکھیے:

ننگوں

اور بھوکوں کا

یہ انسانی کوڑا کرکٹ

سڑک پر

کس نے بکھیرا ہے؟

1.3.5 گیت:

گیت ہندی کی صنف شاعری ہے۔ اردو پر ہندی کے جو اثرات ترتیب پاتے ہیں اس کا ایک نتیجہ گیت بھی ہے جس کو اردو میں مقبولیت حاصل ہو چکی ہے۔ اردو میں گیت ہندی بحروں ہی میں لکھے جاتے ہیں۔ نظم کی طرح گیت میں کسی موضوع کی کوئی پابندی نہیں۔ اس میں ہر نوع کے موضوع پر طبع آزمائی کی جاسکتی ہے۔ گیت میں محبت اور نغمگی کے عناصر کی آمیزش ہوتی ہے اور اس کا مزاج ان عناصر سے تشکیل پاتا ہے جن میں نسائیت ہوتی ہے۔ غنائیت' گیت کے لیے لازمی ہے اور ترنم' جھنکار اور تھاپ اس کی خصوصیات ہیں۔ اس کا اپنا ایک تہذیبی مزاج ہے۔ مجموعی طور پر کہا جاسکتا ہے کہ یہ پڑھنے کی نہیں سننے کی چیز ہے۔ یہی سبب ہے کہ نظموں کے مقابلہ میں گیت زیادہ گائے جاتے ہیں۔ پروفیسر مسعود حسین خان کا یہ گیت دیکھیے:

چاند ستارو جاؤ

میرا سویرا لاؤ

رات کے اس کالے آنچل سے

رتنوں کے اس شیش محل سے

ڈھونڈ کے لاؤ مت شرماؤ

جاؤ ستارو جاؤ

میرا سویرا لاؤ

چاند سے بھی کہہ دینا دیکھے

لیکن تم آنا سنگ لے کے
رات نگوڑی لاکھ چھپائے
آنچل دھیرے سے سرکاؤ

جاؤ ستارو جاؤ
میرا سویرا لاؤ

1.3.6 دوہا:

دوہا بھی ہندی شاعری کی ممتاز اور مقبول صنف ہے جو زمانہ قدیم سے تاحال اعتبار رکھتی ہے۔ اس کا آغاز ساتویں اور آٹھویں صدی کا زمانہ بتایا جاتا ہے۔ دوہرا اور دوپد اس کے دوسرے نام ہیں۔ دوہے کے دونوں مصرعے مقفیٰ ہوتے ہیں۔ اس کے ہر مصرعے میں چوبیس ماترائیں ہوتی ہیں۔ مصرعے کے پہلے جزو میں تیرہ ماترائیں پھر وقفہ اور دوسرے جزو میں گیارہ ماترائیں۔ دوہا' دو مصرعوں کی اپنی مختصر ترین ہیئت کی وجہ سے انفرادی حیثیت کا حامل ہے۔ مختصر ہیئت کے باعث اس میں الفاظ اور ان کی نشست برمحل ہونی چاہیے۔ اسی طرح مضمون میں بھی دلکشی اور ندرت ضروری ہے ورنہ دوہے میں تاثر پیدا نہیں ہوتا۔ دوہے میں لے کی بھی اہمیت ہے۔ معنوی تہہ داری اور برجستہ کلامی سے دوہے میں بانکپن پیدا ہوتا ہے۔ اردو میں دوہا نگاری میں فی زمانہ جو نام ملتے ہیں ان میں سے چند ہیں: جمیل الدین عالی' ندا فاضلی' بھگوان داس اعجاز' اور پرتو روہیلہ۔ ندا فاضلی کے دو' دوہے درج ذیل ہیں:

سیدھا سادھا ڈاکیہ ' جادو کرے مہان
ایک ہی تھیلے میں بھرے ' آنسو اور مسکان

برکھا سب کو دان دے جس کی جتنی پیاس
موتی سی یہ سیپ میں' مٹی میں یہ گھاس

1.3.7 ترانہ:

ترانہ نظم ہی کی ایک شکل ہے۔ جس میں کسی قوم، ملک، جماعت، ادارے، تحریک یا نظریے کے لیے عقیدت، وفاداری، فخر اور جوش و جذبے کا اظہار کیا جاتا ہے۔ ترانہ عام طور پر موسیقی کے ساتھ گایا جاتا ہے اور اس کا مقصد سامعین کے اندر کوئی خاص جذبہ ابھارنا ہوتا ہے، خصوصاً حب الوطنی، قربانی، اتحاد، یا کسی نظریے سے وابستگی کا جذبہ۔ ترانہ نہ صرف جذبات کی عکاسی کرتا ہے بلکہ سامعین کو کسی اجتماعی مقصد کی طرف متوجہ بھی کرتا ہے۔ یہ قومی تقریبات، اداروں کے اجلاس، اسکولوں، کالجوں، افواج، یا تحریکات میں جوش و ولولے کو بڑھانے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

ترانے کی مختلف قسمیں ہوتی ہیں، جیسے قومی ترانہ، تنظیمی ترانہ، انقلابی ترانہ، مذہبی ترانہ وغیرہ۔ قومی ترانہ کسی ملک کی قومی شناخت کی علامت ہوتا ہے۔ تنظیمی ترانہ کسی جماعت، اسکول، کالج یا ادارے کے لیے لکھا جاتا ہے تاکہ اس کے مشن اور نظریات کو فروغ دیا جا سکے۔ انقلابی ترانہ کسی تحریک، جدوجہد یا جنگ کے دوران لوگوں میں جوش پیدا کرنے کے لیے لکھا جاتا ہے، جیسے آزادی کے لیے لکھی گئی نظمیں۔ مذہبی ترانہ دینی جذبات ابھارنے والا کلام، جیسے نعت یا حمد کی شکل میں۔

ترانہ روایتی نظموں سے مختلف ہوتا ہے، جو مختصر اور جامع ہوتا ہے تاکہ آسانی سے یاد رکھا جا سکے۔ اس میں پُرجوش اور ولولہ انگیز الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں۔ اس کے اشعار اس طرح ہوتے ہیں کہ موسیقی کے ساتھ گائے جا سکیں۔ ترانہ اجتماعی طور پر پڑھا یا گایا جاتا ہے تاکہ اتحاد اور یکجہتی کا احساس پیدا ہو۔ مثال کے طور پر علامہ اقبال کے ترانے "ترانہ ہندی" کا مطلع ملاحظہ ہو:

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمار
ہم بلبلیں ہیں اس کی یہ گلستاں ہمارا

1.3.8 ماہیا:

ماہیا' پنجابی شاعری کی صنف اور پنجابی تہذیب کا حصہ ہے۔" ماہیے" بھی گائے جاتے ہیں۔ اردو میں ماہیوں کی روایت 1939ء سے ملتی ہے۔ ہمت رائے شرما' ساحر لدھیانوی ' قمر جلال آبادی ابتدائی ماہیا نگار ہیں۔ قمر ساحری' نذیر فتح پوری' ناوک حمزہ پوری' شاہد ناز اور افضل عاقل نے ادھر خوب ماہیے لکھے ہیں۔ ذیل کے تین ماہیے ملاحظہ ہوں۔

دل لے کے دغا دیں گے
یار ہیں مطلب کے
یہ دیں گے تو کیا دیں گے

(ساحر لدھیانوی)

بارود پہ بیٹھی ہے
میرے زمانے کی
یہ فاختہ کیسی ہے

(نذیر فتح پوری)

1.3.9 سانیٹ:

سانیٹ مغرب کی ایک قدیم صنف ہے۔ یہ چودہ (14) مصرعوں کی ایک ایسی نظم ہے، جس میں ایک بنیادی جذبہ یا خیال کو دو بندوں میں پیش کیا جاتا ہے۔ اس کے پہلے بند میں آٹھ اور دوسرے بند میں چھ مصرعے ہوتے ہیں۔ پہلے بند میں خیال کا پھیلاؤ ہوتا ہے اور

دوسرے میں اس کی تکمیل کی جاتی ہے۔ کہیں کہیں پہلا بند 12 مصرعوں پر اور دوسرا بند 2 مصرعوں پر مشتمل ہوتا ہے مگر کل مصرعوں کی تعداد 14 سے زیادہ نہیں ہوتی۔ سانیٹ میں قافیہ کی پابندی ہے، مگر قافیوں کی یہ ترتیب بدلتی رہتی ہے۔ سانیٹ میں بحر کی پابندی نہیں لیکن اطالوی اور انگریزی شعرا نے خصوصاً ایسی بحریں استعمال کی ہیں جو نہ طویل ہیں اور نہ مختصر۔ کیوں کہ چھوٹی بحروں میں خیال کا ارتقا دشوار ہو جاتا ہے تو طویل بحروں میں تعقید یا تکرار کے پیدا ہونے کا اندیشہ رہتا ہے۔ اردو میں عظمت اللہ خاں، اختر شیرانی، راشد اور میراجی وغیرہ نے اس طرف توجہ دی۔ عزیز تمنائی بھی اہم نام ہے جن کے سانیٹوں کا مجموعہ ''برگ نوخیز'' شائع ہو چکا ہے۔ ''برگ نوخیز'' میں ''ٹیگور'' کے زیر عنوان یہ سانیٹ شامل ہے:

سفید ریش مسافر نے گیت گائے تھے
سرائے دہر کے اک پر بہار گوشے میں
تصورات کے افسوں طراز سایے میں
بیک نگاہ، فسانے کئی سنائے تھے
لرزتے ہاتھ میں مضرابِ شاخ گل لے کر
وفور شوق میں سازِ حیات چھیڑا تھا
حریم ناز کا اک ایک راز کھولا تھا
پروئے سلک تخیل میں تابدار گہر
نہ جانے کونسی بستی کو چل دیا راہی
ابھی بہاروں کے ہونٹوں پہ اس کے نغمے ہیں
کلی کلی کے تبسم میں شوخ جلوے ہیں
چمن چمن ہے اسی کی صدائے صبح گہی
سرائے دہر میں ہر ایک سمت گونجیں گے
سفید ریش مسافر کے سرمدی نغمے

1.3.10 ترائیلے:

ترائیلے فرانسیسی شاعری کی مقبول صنف ہے۔ یہ ایک طرح کا بند ہے اور اس ایک بند میں ہی نظم مکمل ہو جاتی ہے۔ ترائیلے صرف آٹھ مصرعوں پر مشتمل نظم ہوتی ہے اور اس میں صرف دو قافیے استعمال ہوتے ہیں اور وہ بھی ایک خاص ترتیب سے۔ یہ ترتیب کچھ ایسی ہوتی ہے۔ الف، ب، الف الف الف، ب، الف، ب۔ اس ترتیب سے ہم قافیہ مصرعوں کی یہ صورت سامنے آتی ہے۔ پہلا، تیسرا، چوتھا، پانچواں، ساتواں مصرع ہم قافیہ ہوتا ہے اور دوسرا، چھٹا، آٹھواں مصرع ہم قافیہ ہوتا ہے۔ اردو میں ترائیلے کو خاص مقبولیت حاصل نہیں

ہو سکی۔ رؤف خیر کا یہ ترائیلہ ہے، جس کا عنوان " پس و پیش " ہے، ملاحظہ کیجیے :

مجھے گھر لوٹ جانا چاہیے تھا
(مگر اب لوٹ کر بھی کیا کروں گا؟)
یہی نا' آب و دوانہ چاہیے تھا
مجھے گھر لوٹ جانا چاہیے تھا
تھکن میں کچھ ٹھکانہ چاہیے تھا
کہیں سائے میں رک جایا کروں گا
مجھے گھر لوٹ جانا چاہیے تھا
(مگر اب لوٹ کر بھی کیا کروں گا؟)

1.3.11 ہائیکو:

ہائیکو ایک قدیم جاپانی صنف ہے لیکن یہ اردو میں انگریزی کے توسط ہی سے آئی۔ یہ صرف تین مصرعوں پر مشتمل ہوتی ہے اور شرط یہ ہے کہ تینوں مصرعوں کے جملہ 17 ارکان (Syllable) ہوں اور ان کی ترتیب 5+7+5 ہو۔ بعض نے ارکان کی ترتیب 4+8+5 بھی قرار دی ہے۔ اختصار کے باوجود ہائیکو میں ایسا لفظی پیکر پیش کیا جاتا ہے کہ دیکھی ہوئی یا محسوس کی ہوئی کوئی شئے نظر کے سامنے آجاتی ہے۔ جہاں تک مواد اور موضوع کا تعلق ہے ہائیکو ابتدا ہی سے فطرت' مظاہر فطرت اور مشاہدہ فطرت سے جڑی ہوئی ہے۔ اردو میں علیم صبانویدی' اظہر ادیب' محمد امین' بشیر سیفی اور نصیر احمد ناصر کے ہائیکو پڑھنے کو ملتے ہیں۔ علیم صبانویدی کے دو ہائیکو پڑھیے:

روشنی میں سیاہیوں کا سفر
آسمانوں پہ لاش سورج کی
وقت کے ہاتھ میں کھلا خنجر

آنگن آنگن خلوص کے چہرے
گھر کی دہلیز تک وفا کی بات
اور بازار میں غلط چہرے

1.4 اکتسابی نتائج

اس اکائی کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ نے درج ذیل باتیں سیکھیں:

- نظم عربی زبان کا لفظ ہے، جو فارسی کے توسط سے اردو میں داخل ہوئی۔ دوسرا نقطہ نظم کے لغوی معنی پرونا، موتیوں کو تاگے

میں پرونا، سلک وغیرہ کے ہیں۔ تیسرا نقطہ نظم شاعری کی ایک ایسی قسم ہے، جو کسی ایک عنوان کے تحت کسی ایک موضوع پر لکھی جاتی ہے۔

- قدیم نظم سے مراد تمام کلاسیکی اصناف شاعری ہیں، جس میں مثنوی، قصیدہ، غزل، مرثیہ، رباعی، قطعہ، شہر آشوب، ریختی، ترکیب بند، ترجیع بند وغیرہ شامل ہیں۔
- مثنوی اردو کی مشہور صنف سخن ہے۔ مثنوی عربی زبان کا لفظ ہے یہ لفظ مثنیٰ سے مشتق ہے جس کے لغوی معنی "دو دو کیا گیا" یا "دو دو" کے ہیں۔ مثنوی کے ہر شعر کے دونوں مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں اور ہر شعر کا قافیہ بقیہ اشعار کے قافیے سے مختلف ہوتا ہے۔
- قصیدہ اصل میں عربی زبان کا لفظ ہے، جس کے لغوی معنی "مغز غلیظ و سِطَبر" کے ہیں، یعنی ایسا گودا جو گاڑھا اور دَل دار ہو۔
- اصطلاح میں قصیدہ اس مسلسل اور طویل نظم کو کہتے ہیں، جس میں کسی کی مدح یا ہجو بیان کی گئی ہو۔
- 'غزل' عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی عشق و رومان کی باتیں کرنا ہے۔
- لغت میں غزل کے معنی عورتوں سے باتیں کرنا، عورتوں کے حُسن و جمال کی تعریف کرنا ہے۔
- مرثیہ عربی لفظ "رثا" سے مشتق ہے۔ اس کے معنی ہیں "مرنے والے کا بیان"۔
- مرثیہ اردو ادب کی ایک مقبول اور سنجیدہ صنفِ شاعری ہے، جس کا بنیادی موضوع کسی شخصیت کی وفات پر غم، رنج و الم اور ہمدردی کا اظہار ہوتا ہے۔
- مرثیہ خاص طور پر اسلامی تاریخ کے عظیم سانحے "واقعۂ کربلا" سے جڑا ہوا ہے۔
- مرثیے میں صرف مرنے والے کا ذکر ہی نہیں ہوتا، بلکہ اس کے اوصافِ حمیدہ، کردار کی بلندی، اخلاقی خوبیوں اور زندگی کے اہم واقعات کو بھی نہایت سلیقے اور جذباتی انداز میں پیش کیا جاتا ہے۔
- 'رباعی' عربی لفظ ہے جو ربع سے مشتق ہے۔ ربع کے معنی ہیں چار۔ رباعی چوں کہ یہ چار مصرعوں پر یا دو بیتوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ اس لیے رباعی کہلاتی ہے۔ دو بیتوں کی وجہ سے اسے "دو بیتی" بھی کہا جاتا ہے۔
- "قطعہ" کی لغوی معنی ٹکڑا، حصہ یا جزو کے ہیں۔ اصطلاح میں یہ نظم کی وہ قسم ہے جس میں کوئی ایک واقعہ یا مکمل خیال کم از کم دو اشعار میں پیش کیا جاتا ہے۔
- ہیئت کے اعتبار سے یہ قصیدہ اور غزل کی طرح مسلسل ہوتا ہے، لیکن اس میں مطلع نہیں ہوتا۔ قطعہ میں کم سے کم دو شعر ہونے ضروری ہیں اور زیادہ سے زیادہ کوئی حد نہیں ہے۔
- "شہر آشوب" کے لغوی معنی "بربادی، بگاڑ، فتنہ وفساد" کے ہیں۔
- کسی شہر، بستی یا ملک میں رونما ہونے والے فتنہ وفساد یا طوائف الملوکی جیسے حالات سے پیدا ہونے والی مصیبتوں اور مسائل کے ذکر پر مشتمل نظم کو "شہر آشوب" کہتے ہیں۔

- ریختی بھی اردو نظم کی ایک قسم ہے۔اس میں عورتوں کے جذبات کا اظہار خود عورتوں کی زبان میں ہوتا ہے۔ریختی اردو شاعری میں ایک اہم اضافہ ہے۔
- پابند نظم اس نظم کو کہتے ہیں جس میں ردیف، قافیہ اور بحر کے مقررہ اوزان کی پابندی کی جاتی ہے۔پابند نظم میں نہ موضوعات کی قید ہوتی ہے اور نہ اشعار کی تعداد کی۔شاعر کسی بھی موضوع پر اور جتنی چاہے تعداد میں اشعار کہہ سکتا ہے۔
- آزاد نظم بھی مغرب سے لی گئی ہیئت ہے اور اردو میں یہ ہیئت بے حد قبولیت رکھتی ہے۔ آزاد نظم میں قافیہ ردیف کی پابندی نہیں ہوتی، بحر کی بھی تحدید نہیں لیکن ایسا نہیں کہ اس میں بحر نہیں ہوتی۔بحر کے ارکان اور اس کے اوزان کی پابندی ہوتی ہے۔
- معریٰ نظم ایسی نظم کو کہتے ہیں جس میں وزن بھی ہوتا ہے اور ارکان بحر کی پابندی بھی کی جاتی ہے۔البتہ اس میں قافیہ اور ردیف سے کام نہیں لیا جاتا۔چوں کہ معریٰ نظم قافیے سے عاری ہوتی ہے اس لیے ابتداً اس کو غیر مقفٰی کہا گیا لیکن بعد میں معریٰ نظم کی اصطلاح کو سب نے تسلیم کر لیا۔
- نثری نظم انگریزی کی Prose Poem کی تقلید ہے۔نثری نظم میں ردیف، قافیہ، وزن اور بحر کسی کی قید نہیں۔ہاں ایک آہنگ ضروری ہے جس سے نثری شاعری پر رنگ آتا ہے۔
- گیت ہندی کی صنف شاعری ہے۔اردو پر ہندی کے جو اثرات ہیں اس کا ایک نتیجہ گیت بھی ہے جس کو اردو میں مقبولیت حاصل ہو چکی ہے۔اردو میں گیت ہندی بحروں ہی میں لکھے جاتے ہیں۔
- دوہا بھی ہندی شاعری کی ممتاز اور مقبول صنف ہے جو زمانہ قدیم سے تاحال اعتبار رکھتی ہے۔
- دوہے کے دونوں مصرعے مقفیٰ ہوتے ہیں۔اس کے ہر مصرعے میں چوبیس ماترائیں ہوتی ہیں۔ مصرعے کے پہلے جزو میں تیرہ ماترائیں پھر وقفہ اور دوسرے جزو میں گیارہ ماترائیں ہوتی ہیں۔
- ترانہ نظم ہی کی ایک شکل ہے۔ ترانہ میں کسی قوم، ملک، جماعت، ادارے، تحریک یا نظریے کے لیے عقیدت، وفاداری، فخر اور جوش و جذبے کا اظہار کیا جاتا ہے۔ترانہ عام طور پر موسیقی کے ساتھ گایا جاتا ہے۔
- سانیٹ مغرب کی ایک قدیم صنف ہے۔ یہ چودہ (14) مصرعوں کی ایک ایسی نظم ہے جس میں ایک بنیادی جذبہ یا خیال کو دو بندوں میں پیش کیا جاتا ہے۔
- ترائیلے فرانسیسی شاعری کی مقبول صنف ہے۔یہ ایک طرح کا بند ہے اور اس ایک بند میں ہی نظم مکمل ہو جاتی ہے۔ترائیلے صرف آٹھ مصرعوں پر مشتمل نظم ہوتی ہے اور اس میں صرف دو قافیے استعمال ہوتے ہیں۔
- ہائیکو ایک قدیم جاپانی صنف ہے لیکن یہ اردو میں انگریزی کے توسط ہی سے آئی۔

- ہائیکو صرف تین مصرعوں پر مشتمل ہوتی ہے اور شرط یہ ہے کہ تینوں مصرعوں کے جملہ 17 ارکان (Syllable) ہوں اور ان کی ترتیب 5+7+5 ہو۔ بعض نے ارکان کی ترتیب 4+8+5 بھی قرار دی ہے۔

1.5 مشکل الفاظ

الفاظ	معنی	
متفرق	مختلف، الگ الگ	Various, Miscellaneous
متعین	مقرر، تعین کیا گیا	Appointed, Designated, Specified
موجد	ایجاد کرنے والا، بانی	Inventor, Founder, Creator
ذخیرہ	کوئی چیز جمع کرنا، جمع پونجی	Collection, Stock, Treasure, Reserve
اوصافِ حمیدہ	تعریف کے قابل، خوبیاں	Praiseworthy Qualities, Virtues
محبوبیت	پیارا پن، دل پسند	Loveliness, Charm, Popularity
اختراع	نئی بات نکالنا، ایجاد کرنا	Invention, Innovation
اوصاف	خوبیاں، ہنر	Qualities, Attributes, Skills
وعظ	پند و نصیحت، مذہبی درس	Sermon, Religious Preaching, Moral Advice
توصیف	تعریف، خوبی بیان کرنا	Praise, Commendation
شہر آشوب	بربادی، بگاڑ، فتنہ و فساد؛ وہ مدح یا ذم جو شعرا کسی شہر کی نسبت لکھیں	Chaos, Ruin, Turmoil; Poetic Satire Or Praise Of A City
طوائف الملوکی	ایسی حالت جس میں کسی خاص حکمران کا حکم نہ چلے	Feudalism; Condition Without A Central Ruler
مسمط	لڑی میں پروئے ہوئے موتی	String Of Pearls; A Poetic Form With Connected Verses
تقلید	پیروی، نقل، کسی کے قدم بہ قدم چلنا	Imitation, Following, Adherence
طبع آزمائی	اپنے فن کے جوہر دکھانا	Trial Of Talent, Literary/Artistic Attempt
قومی یکجہتی	قومی اتحاد، قومی دوستی	National Unity, Solidarity
توسط	درمیان کا راستہ، میانہ روی	Mediation, Moderation, Middle Path

مخمس	پانچ بند پر مشتمل نظم	A Stanza Of Five Lines (Five-Lined Poem)
مدح	تعریف، کسی کی خوبیوں یا اچھائیوں کا بیان	Praise, Eulogy
ہجو	کسی کی برائی یا عیب بیان	Satire, Lampoon, Ridicule
استخواں	ہڈی	Bone
حق و باطل	سچ اور جھوٹ؛ حق یعنی سچائی، باطل یعنی ناحق یا جھوٹ	Truth And Falsehood
کسو	کوئی، کسی	Someone, Anyone
ٹھٹھول	ہنسی مذاق کا رویہ، چھیڑ چھاڑ	Mockery, Jesting, Joking
ظلمت	اندھیرا، تاریکی	Darkness, Gloom
مہتاب	چاند، خاص طور پر چودھویں کے چاند کے لیے	Moon, Especially The Full Moon
صباحت	خوبصورتی، گوراپن	White Beauty, Especially Facial Charm
غنائیت	نغمگی، خوش آوازی، موسیقیت	Melody, Musicality, Tunefulness
سرائے دہر	فانی دنیا، جہاں سب آتے اور چلے جاتے ہیں	The Transient World, Mortal World, Ephemeral Life
افسوں طرز	جادو جیسا انداز، دل کو مسحور کرنے والی طرز	Enchanting Style, Magical Manner, Captivating Mode
مضراب	وہ چیز جس سے ساز کو چھیڑا جاتا ہے، جیسے ستار یا رباب پر لگائی جاتی ہے	Plectrum (A Tool Used To Play Stringed Instruments Like Sitar Or Rabab)
حریم ناز	محبوب یا محبوبہ کا خاص مقام، جہاں دوسروں کا پہنچنا مشکل ہو	The Private Domain Of The Beloved, An Exclusive Place Of Beauty And Grace
سلکِ تخیل	خیال کی لڑی، تخیل یا تصور کی ربط دار زنجیر	Chain Of Imagination, Thread Of Fancy, Sequence Of Thoughts
سرمدی	دائمی، ابدی، ہمیشہ رہنے والا	Eternal, Everlasting, Perpetual
ریش	داڑھی، رخساروں اور ٹھوڑی پر اگنے والے بال	Beard, Facial Hair On Cheeks And Chin

1.6 مشقیں

مشق 1: درج ذیل اصناف کے لغوی معنی لکھیے۔

1۔ مثنوی ....

2۔ مرثیہ ....

3۔ قصیدہ ....

4۔ شہر آشوب ....

5۔ قطعہ ....

مشق 2: خالی جگہ کو پُر کیجیے۔

1۔ گیت.................................صنف شاعری ہے۔

2۔ ماہیا........................شاعری کی صنف اور پنجابی تہذیب کا حصہ ہے۔

3۔ ترائیلے..........................فرانسیسی شاعری کی مقبول صنف ہے۔

4۔ سانیٹ مغرب کی ایک قدیم صنف ہے، جو...................... مصرعوں کی نظم ہوتی ہے۔

5۔ ہائیکو ایک قدیم جاپانی صنف ہے، جو صرف...................... مصرعوں پر مشتمل ہوتی ہے۔

مشق 3: درج ذیل الفاظ کو جملوں میں استعمال کیجیے۔

1۔ صنف سخن ....

2۔ اوصاف ....

3۔ متفرق ....

4۔ تقلید ....

5۔ طبع آزمائی ....

1.7 نمونہ امتحانی سوالات

1.7.1 معروضی سوالات:

1۔ مثنوی کس زبان کا لفظ ہے؟

(a)اردو (b)ہندی (c)فارسی (d)عربی

2۔ قصیدہ کس صنف کے سب سے زیادہ قریب ہے؟

(a)غزل (b)مثنوی (c)مرثیہ (d)رباعی

3۔ مرثیہ کے اجزائے ترکیبی کتنے ہیں؟

(a) دس (b)آٹھ (c)چھ (d)چار

4۔ رباعی میں کتنے مصرعے ہوتے ہیں؟

(a)دو (b)تین (c)چار (d)پانچ

5۔ غزل کے لغوی معنی کیا ہیں؟

(a) عورتوں سے باتیں کرنا (b)گنگنانا (c)راز کی باتیں کرنا (d)مردوں کی باتیں کرنا

6۔ گیت بنیادی طور پر کس زبان کی شاعری ہے؟

(a) ہندی (b)اردو (c)انگریزی (d)پنجابی

7۔ ماہیا کس زبان کی صنف سخن ہے؟

(a) اردو (b)مراٹھی (c)پنجابی (d)سندھی

8۔ سانیٹ میں کتنے مصرعے ہوتے ہیں؟

14 (a) 16 (b) 18(c) 20(d)

9۔ ترائیلے کتنے مصرعوں پر مشتمل ہوتی ہے؟

(a)چار (b)چھ (c)آٹھ (d)دس

10۔ ہائیکو کس ملک کی صنف ہے؟

(a)فرانس (b)جاپان (c)چین (d)امریکہ

1.7.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات:

1۔ مثنوی کی تعریف بیان کیجیے۔

2۔ مرثیہ کسے کہتے ہیں؟ بیان کیجیے۔

3۔ قصیدے کے بارے میں چند الفاظ اپنی زبان میں لکھیے۔

4۔ شہر آشوب سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟ واضح کیجیے۔

5۔ ترانہ پر ایک نوٹ لکھیے۔

1.7.3 طویل جوابات کے حامل سوالات:

1۔ نظم کے چند قدیم اصناف کے بارے میں اظہار خیال کیجیے۔

2۔ آزاد نظم اور معریٰ نظم کے بارے میں لکھیے۔

3۔ سانیٹ، ہائیکو اور ترائیلے کی خوبیاں بیان کیجیے۔

1.7.1 کے جوابات:

1.7.1 کے جوابات:	1-d	2-a	3-b	4-c	5-a
	6-a	7-c	8-a	9-c	10-b

اکائی 2: مثنوی

اقتباسات: دریائے عشق (میر تقی میر)، گلزار نسیم (دیا شنکر نسیم)

اکائی کے اجزا

2.0 تمہید

2.1 مقاصد

2.2 دریائے عشق

2.2.1 دریائے عشق: متن (اقتباس)

2.2.2 خلاصہ

2.3 گلزار نسیم

2.3.1 گلزار نسیم: متن (اقتباس)

2.3.2 خلاصہ

2.4 اکتسابی نتائج

2.5 نمونہ امتحانی سوالات

2.0 تمہید

مثنوی اردو کی ایک اہم شعری صنف ہے۔ مولانا الطاف حسین حالیؔ نے اپنی معروف تصنیف 'مقدمہ شعر و شاعری' میں اس صنف کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار اس طرح کیا ہے کہ ''مثنوی اصناف سخن میں سب سے زیادہ مفید اور کارآمد صنف ہے۔'' مثنوی جہاں ایک طرف غزل اور قصیدہ جیسی اہم شعری اصناف کی خوبیوں سے آراستہ ہے وہیں دوسری جانب اس میں داستان جیسی نثری صنف کا افسانوی رنگ اور اس کی وسعت بیانی بھی موجود ہے۔ مثنوی میں کسی بھی موضوع کو جامع اور دلکش انداز میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ اس اکائی میں ہم میر تقی میر کی مثنوی "دریائے عشق" اور دیا شنکر نسیم کی مثنوی "گلزار نسیم" کا مطالعہ کریں گے۔

2.1 مقاصد

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- میر کی مثنوی 'دریائے عشق' سے واقف ہو سکیں۔
- 'دریائے عشق' کا خلاصہ بیان کر سکیں۔
- مثنوی گلزار نسیم سے واقفیت حاصل کر سکیں۔
- گلزار نسیم کے قصے سے متعلق گفتگو کر سکیں۔

2.2 دریائے عشق

میر کا شمار شمالی ہند کے مشہور مثنوی نگاروں میں ہوتا ہے۔ انہوں نے شمالی ہند میں اردو مثنوی کی روایت قائم کی۔ میر کی کئی مثنویاں اردو کی نمائندہ مثنویوں میں شمار ہوتی ہیں، جن کی مقبولیت آج بھی قائم و دائم ہے۔ میر کی عشقیہ مثنویاں زیادہ مشہور ہیں جن میں دریائے عشق بہت مقبول ہوئی۔ یہ ان کی شاہکار مثنویوں میں شمار ہوتی ہے۔ اس مثنوی میں ایک سیدھا سادہ عشقیہ قصہ ہے۔ یہ ایک سچے عاشق کا قصہ ہے جس نے اپنی محبت کی صداقت کا یقین دلانے کے لیے دریا میں ڈوب کر جان دے دی۔ میر نے اس مثنوی میں قصہ سے قبل تمہید میں حمد و منقبت کے بجائے عشق کی تعریف و توصیف کے اشعار پیش کیے ہیں۔ اس کا انجام الم ناک ہے۔

2.2.1 دریائے عشق: متن (اقتباس):

ایک جا اک جوان رعنا تھا
لالہ رخسار و سروبالا تھا

عشق رکھتا تھا اس کی چھاتی گرم
دل وہ رکھتا تھا موم سے بھی نرم

شوق تھا اس کو صورتِ خوش سے
اُنس رکھتا تھا وضع دل کش سے

تھا طرح دار آپ بھی لیکن
رہ نہ سکتا تھا اچھی صورت بن

کوئی ترکیب اگر نظر آتی
صورتِ حال اور ہو جاتی

دیکھتا گر وہ کوئی خوش پر کار
رہتا خمیازہ کش ہی لیل و نہار

زلف ہوتی کسو کی گر برہم
دیکھتے اس کے حال کو درہم

دیکھتا گر کہیں وہ چشم سیاہ
دل سے بے اختیار کرتا آہ

سر میں تھا شور، شوق دل میں تھا
عشق ہی اس کے آب و گِل میں تھا

الغرض وہ جوانِ خوش اسلوب
ناشکیبا رہے تھا بے محبوب

ایک دن بے کلی سے گھبرایا
سیر کرنے کو باغ میں آیا

کسو گل پاس وہ صنم ٹھہرا
کہیں سبزے میں ایک دم ٹھہرا

اک خیابان میں سے ہو نکلا
ایک سائے تلے سے رو نکلا

نہ تسلّی ہوا دل بیتاب
نہ تھا چشمِ تر سے خونِ ناب

دل کی واشد سے بے توقع ہو
ہر شجر کے تلے بہت سا رو

دیکھ گلشن کو نا امیدانہ
منھ کیا اُن کے جانب خانہ

دل کے رکنے کا اس کو اک غم تھا
راہ چلنے میں خیال درہم تھا

ناگہ اُس کوچہ سے گزرا ہوا
آفت تازہ سے دو چار ہوا

ایک غرفے سے ایک مہ پارہ
تھی طرف اس کے گرم نظارہ

پڑ گئی اس پہ اک نظر اس کی
پھر نہ آئی اسے خبر اس کی

تھی نظر یا کہ جی کی آفت تھی
وہ نظر ہی وداعِ طاقت تھی

ہوش جاتا رہا نگاہ کے ساتھ
صبر رخصت ہوا اک آہ کے ساتھ

بے قراری نے کج ادائی کی
تاب و طاقت نے بے وفائی کی

منھ جو اس کا طرف سے اس کے پھرا
مضطرب ہو کے خاک پر یہ گرا

وہ تو رکھتی نہ تھی خیال اس کا
بے طرح ہووے گو کہ حال اس کا

جھاڑ دامن کے تئیں وہ مہ پارہ
اُٹھ گئی سامنے سے یک بارہ

وہ گئی اس کے سر بلا آئی
خاک میں مل گئی وہ رعنائی

دل پہ کرنے لگا طپیدن ناز
رنگ چہرے سے کر چلا پرواز

ہاتھ جانے لگا گریباں تک
چاک کے پھیلے پاؤں داماں تک

طبع نے اک جنوں کیا پیدا
اشک نے رنگ خوں کیا پیدا

سوزش دل نے جی میں جاگہ کی
داغ نے آ جگر کو آتش دی

بستر خاک پر گرا وہ زار
درد کا گھر ہوا دل بیمار

خاطر افگار خار خار ہوئی
جاں تمنّا کشِ نگار ہوئی

اس کے منھ پر پڑی جو اس کی نگاہ
ناامیدی کے ساتھ ہی سر کی آہ

خو ہوئی نالۂ حزیں کے ساتھ	رابطہ آہِ آتشیں کے ساتھ
ہونٹھ سوکھے تو خون ناب ملا	خواب و خور دونوں کو جواب ملا
خلق اس کی ہوئی تماشائی	پر نہ وہ دیکھنے کبھو آئی
کچھ کہا گر کسو نے شفقت سے	رو دیا ان نے ایک حسرت سے
جا کے اس کے قریب در بیٹھا	قصد مرنے کا اپنے کر بیٹھا

2.2.2 خلاصہ:

ایک جگہ ایک خوبرو نوجوان رہتا تھا۔ وہ بلند قامت، حسین چہرہ، اور دلکش شخصیت کا مالک تھا۔ نرم دل ایسا کہ ذرا سی خوبصورتی دیکھ کر دل مچل اٹھتا۔ عشق اس کی فطرت میں یوں رچا بسا تھا کہ حسن کی تلاش ہی اس کی زندگی کا مقصد بن گئی تھی۔

اگر کبھی کوئی دلکش چہرہ نظر آجاتا، تو اس کی دنیا ہی بدل جاتی۔ آہیں بھرنا، خیالوں میں کھو جانا، اور عشق کی دھن میں سرشار رہنا اس کی عادت بن چکی تھی۔ محبت اس کے مزاج کا حصہ تھی اور وہ کسی ایسے محبوب کا متلاشی تھا جو اس کی بے قراری کو قرار دے سکے۔

ایک دن وہ اپنی بے چینی سے تنگ آکر باغ کی طرف نکل گیا۔ پھولوں کے قریب گیا، گھاس پر بیٹھا، درخت کے سائے میں ٹھہرا، مگر دل کی خلش کم نہ ہوئی۔ مایوس ہو کر واپس لوٹا، اور راستے میں اچانک ایک گلی سے گزرتے ہوئے اس کی نظر ایک دریچے پر پڑی۔ وہاں ایک دلکش حسینہ کھڑی تھی۔

اس حسینہ کی ایک جھلک نے ہی نوجوان کو بے خود کر دیا۔ ایک ہی نظر میں وہ اپنا دل، ہوش، اور صبر سب کھو بیٹھا۔ اس کی حالت دیکھ کر وہ حسینہ منھ پھیر کر چل دی، اور نوجوان بے اختیار زمین پر گر پڑا۔ اب وہ بالکل نڈھال ہو چکا تھا۔ نہ چہرے پر رونق رہی، نہ دل کو قرار۔ گریبان چاک کیا، آنکھوں سے خون کے آنسو بہنے لگے، اور دل میں عشق کی آگ بھڑک اٹھی۔ وہ دیوانہ سا ہو گیا، بھوک پیاس چھن گئی، نیند روٹھ گئی۔ ہر لمحہ آہیں اور نالے اس کی زندگی کا حصہ بن گئے۔ حسینہ دوبارہ کبھی نظر نہ آئی، اور نوجوان اس کی یاد میں تڑپتا رہا۔ آخر کار، مایوسی کے عالم میں وہ اس کے در پر جا بیٹھا، شاید وہ دیکھ لے، شاید کوئی کرم ہو جائے۔

مشکل الفاظ:

نمائندہ	نمائندگی کرنے والا، اہم	Representative, Prominent
قائم و دائم	ہمیشہ باقی، مستحکم	Everlasting, Enduring
عشقیہ	محبت سے متعلق	Romantic, Related To Love
شاہکار	اعلیٰ درجہ کا فن پارہ	Masterpiece

Preface, Introduction	ابتدائی حصہ، آغاز	تمہید
Praise Of God And Religious Saints	خدا کی تعریف اور بزرگانِ دین کی مدح	حمد و منقبت
Praise, Commendation	تعریف، ستائش	تعریف و توصیف
Handsome, Elegant	خوبرو، حسین	رعنا
Passionate Heart	دل میں جوش یا جذبہ	چھاتی گرم
Beautiful Face	خوبصورت چہرہ	صورتِ خوش
Stylish, Elegant	وضع دار، فیشن ایبل	طرح دار
Trick, Method	طریقہ، چال	ترکیب
Active, Charming	متحرک، پرکشش	پرکار
Disheveled Hair	بکھرے ہوئے بال	زلف برہم
Black Eyes	سیاہ آنکھیں	چشم سیاہ
Uproar, Intense Emotion	ہنگامہ، جذبات	شور
In Short	خلاصہ یہ کہ	الغرض
Restlessness	بے چینی	بے کلی
Garden	باغ، چمن	خیابان
Restless	بے قرار، مضطرب	بیتاب
Outpouring Of The Heart	دل کی کیفیت، کشادگی	واشد
Hopelessly	مایوسی سے	ناامیدانہ
Grief, Sorrow	دکھ، پریشانی	غم
Street	گلی	کوچہ
Chamber, Room With Window	کھڑکی والا کمرہ	غرفہ
Beautiful Girl (Moon-Faced)	چاند جیسی حسین لڑکی	مہ پارہ
To Catch Sight Of	اچانک دیکھنا	نظر پڑنا

نگاہ	نظر	Gaze
کج ادائی	نخرہ، ادا	Coquetry, Affectation
خیال رکھنا	دھیان دینا	To Care For
جھاڑنا	جھٹکنا	To Shake Off
سر بلا	مصیبت، آفت	Calamity
طپیدن	دھڑکن، بے چینی	Throbbing, Fluttering
طبع	مزاج	Nature, Temperament
سوزش	جلن، تپش	Burning Sensation
بسترِ خاک	زمین پر لیٹنا	Bed Of Dust (Falling To The Ground)
افگار	زخمی، دکھی	Injured, Hurt
نالۂ حزیں	غمگین فریاد	Sad Lament
خون ناب	خالص خون	Pure Blood
تماشائی	دیکھنے والے	Onlookers
شفقت	ہمدردی	Compassion
قصد	ارادہ	Intention

مشقیں:

مشق 1: ذیل میں دیے گئے جملوں میں صحیح اور غلط کی نشاندہی کیجیے۔

1۔ میر نے مثنوی میں ابتدا میں حمد و منقبت بیان کی ہے۔ (   )

2۔ نوجوان کو پہلی نظر میں ہی عشق ہو گیا۔ (   )

3۔ نوجوان کی حالت دیکھ کر حسینہ اس سے ملنے آئی۔ (   )

4۔ عشق کی شدت نے نوجوان کو نڈھال کر دیا۔ (   )

5۔ نوجوان نے عشق میں ناکامی پر خودکشی کا فیصلہ کر لیا۔ (   )

مشق 2: مندرجہ ذیل مصرعے مکمل کریں۔

1۔ عشق رکھتا تھا اس کی..

2۔ ہوش جاتا رہا نگاہ..

3۔ وہ تو رکھتی نہ تھی..

4۔ بستر خاک پر گرا..

5۔ جا کے اس کے قریب..

مشق 3: خالی جگہوں کو پر کیجیے۔

1۔ میر کی......................مثنویاں زیادہ مشہور ہیں جن میں دریائے عشق بہت مقبول ہوئی۔

2۔ نوجوان کو عشق کی ایسی.....................تھی کہ خوبصورتی دیکھ کر بے قرار ہو جاتا۔

3۔ ایک دن وہ اپنی بے کلی سے تنگ آ کر.....................کی طرف نکل گیا۔

4۔ دریچے سے ایک.....................نے اس پر نظر ڈالی اور وہ ہوش کھو بیٹھا۔

5۔ نوجوان نے عشق کی شدت سے.....................چاک کر دیا اور زمین پر گر پڑا۔

6۔ حسینہ نے نوجوان کی حالت دیکھ کر.....................پھیر لیا اور چل دی۔

7۔ نوجوان کی آنکھوں سے.....................کے آنسو بہنے لگے۔

8۔ درد کی شدت سے اس کا دل.....................بن گیا۔

9۔ محبوبہ کی یاد میں وہ ہر لمحہ.....................اور.....................کرتا رہا۔

10۔ آخر کار وہ حسینہ کے __________ پر جا بیٹھا، شاید وہ دیکھ لے۔

مشق 4: درج ذیل الفاظ کا جمع یا واحد لکھیے۔

1۔ چشم ....

2۔ غرفہ ....

3۔ آہ ....

4۔ نوجوان ....

5۔ اشعار ....

مشق 5: درست املا پہچان کر اس پر گول دائرہ بنائیے۔

مثنوی	مصنوی	مسنوی	مَثنُوِی
نالہ حزین	نالہ ٔحزیں	نالہِ حزیں	نالہ ءحزین
رعنائ	رعنای	رعنائی	رعنآئی
تمہید	تمھید	تَمحید	طمہید
اشاعار	عشعار	اشیعار	اشعار

پہلے مصرعے کے قافیہ کی مناسبت سے دوسرے مصرعے کا قافیہ مکمل کیجیے۔

عشق میں جو گرا وہ ہو گیا **زار**
دل میں اٹھنے لگا درد.................

مہ پارہ کی آنکھوں نے چھینا **قرار**
ہوش بھی لے گیا ایک................

اس کے لبوں کا تھا رنگِ **گلاب**
ہونٹھ سوکھے تو خونِ.....................

دیکھ کر حسن کا وہ **نظارہ**
دل میں پیدا ہوئی اک......................

خاک پر گرتے ہی چھوٹا **قرار**
درد بن کر اُبھر آیا....................

2.3 گلزار نسیم

اردو میں مثنوی ''سحر البیان'' کے بعد سب سے اہم اور مقبول ترین مثنوی کے طور پر مثنوی ''گلزار نسیم'' کا نام لیا جاتا ہے۔ دیا شنکر نسیم کو شاعری سے فطری لگاؤ تھا۔ انہوں نے نہال چند لاہوری کے نثری قصے ''مذہب عشق'' میں موجود گل بکاؤلی کے نثری قصے کو نظم کا جامہ پہنایا اور اپنے تخلص کی مناسبت سے "گلزار نسیم" نام رکھا۔ ''گلزار نسیم'' پہلی مثنوی ہے جس میں ہمیں دبستان لکھنو کا بھرپور رچاؤ ملتا ہے۔

گلزار نسیم کا سال تصنیف 1838 اور سال اشاعت 1844 ہے، جس وقت نسیم نے یہ مثنوی مکمل کی اس وقت ان کی عمر صرف 28/برس تھی۔ ابھی مثنوی کو شائع ہوئے ایک سال کا ہی زمانہ گزرا تھا کہ 1845 میں نسیم نے ہیضہ میں مبتلا ہو کر سفر آخرت اختیار کیا۔

”گلزار نسیم“ اپنے طرز کی پہلی اور دبستان لکھنو کی نمائندہ مثنوی ہے۔ اس مثنوی میں اصل داستان کے علاوہ حمد، نعت اور قلم کی تعریف میں چار اشعار، دعا کے گیارہ اور اختتام تصنیف کے دو شعر اور درمیان میں پانچ پانچ اشعار کی دو غزلیں شامل ہیں۔ پنڈت دیا شنکر نسیم کی یہ مثنوی 1521 اشعار پر مشتمل ہے۔

2.3.1 'گلزار نسیم': متن (اقتباس):

لانا زرِ گُل، جو ہے اِرم سے
یوں صفحے پہ نقش ہے قلم سے

وہ ریگِ رواں کا گردِ لشکر
غنی، تاج الملوکِ ابتر

حیران ہوا کہ یا الٰہی
لشکر پہ یہ کیا پڑی تباہی!

اٹھا کہ خبر تو لیجے چل کر
گزرا درِ باغ بیسوا پر

حیران تھا یہ بلند پایہ
نکلی اندر سے ایک دایہ

لڑکا کوئی کھو گیا تھا اس کا
ہم شکل یہ مہ لقا تھا اس کا

بولی وہ کہ نام کیا ہے تیرا؟
فرزند اسی شکل کا تھا میرا

بولا وہ کہ نام تو نہیں یاد
طفلی میں ہوا ہوں خانہ برباد

لیکن یہ میں جانتا ہوں دل گیر
مادر تھی مری بھی ایسی ہی پیر

بیٹا وہ سمجھ کے جی سے اس کو
گھر لائی ہنسی خوشی سے اس کو

چلتے تھے اُدھر سے دو جُواری
ایک ایک کی کر رہا تھا خواری

کہتے تھے فریب دو گے کیا تم!
شہ زادے نہ ہم، نہ بیسوا تم

ذِکر اپنے برادروں کا سُن کر
بولا وہ عزیز: سُن تو مادر!

کون ایسی کھلاڑی بیسوا ہے
شہ زادوں کو جس نے زِچ کیا ہے

بولی وہ کہ ہاں، جوا ہے بدکام
دلبر، اک بیسوا ہے خود کام

بلی پہ چراغ رکھ کے شب کو
چوسر میں وہ لُوٹتی ہے سب کو

پا سے کی ہے کل، چراغ کے ساتھ
وہ بلی کے سر، یہ چوہے کے ہاتھ

شہ زادے کہیں کے تھے بد اقبال
بندے ہوئے، ہار کر زر و مال

بھائی تھے، جوش خوں کہاں جائے　　دمہ ہوا، درد سے کہا، ہائے
پاسے کا چراغ کا اُلٹ پھیر　　سوجھا نہ انہیں؛ یہ دیکھو اندھیر
سوچا وہ کہ اب تو ہم ہیں آگاہ　　جیتے ہیں، تو جیت لیں گے ناگاہ
اک بلی جھپٹی، چوہے کو بھانپ　　نیولے نے بھگا دیا، دکھا سانپ
سمجھا وہ کہ شگوں نرالا　　نیولا پکڑ، آستیں میں پالا
چوسر ہی کے سیکھنے کو یکسر　　گھوما وہ بہ رنگِ نرد گھر گھر
اک روز اُسے مل گیا امیر ایک　　وہ صاحبِ جاہ، دل سے تھا نیک
اشراف سمجھ کے، لے گیا گھر　　بخشا اسے اسپ و جامہ و زر
اُس گُل کے جو ہاتھ میں زر آیا　　جاں بازی کو سوے دلبر آیا
ملتی تھی کھلاڑ، ڈنکے کی چوٹ　　نقارہ و چوب میں چلی چوٹ
آواز وہ سن کے در پر آئی　　ہمرہ اُسے لے کے، اندر آئی
کام اس کا تھا بس کہ کھیل کھانا　　چوسر کا جما وہ کارخانہ
وہ چشم و چراغ بیسوا کے　　کرنے لگے تاک جھانک آکے
نیولا وہ کہ مار آستیں تھا　　چٹکی کے بجاتے ہی، وہیں تھا
بلی تو چراغ پا تھی خاموش　　بِل، ہوگیا موش کو فراموش
ہنس ہنس کے، حریف نے رُلایا　　مانندِ چراغ اُسے جلایا
بارے، بہ ہزار بد دماغی　　لی خضر نے غُول سے چراغی
پاسے سے چلی نہ جعل سازی　　اُجڑی وہ، بسا بسا کے بازی
سب ہار کے نقد و جنس، بارے　　جیتے ہوئے بندے، بد کے ہارے
بُنیاد جو کچھ تھی، جب گنوائی　　تب خود وہ کھلاڑ مُہرے آئی
پھر پاسے نے کی نہ پاسداری　　ہمت کی طرح وہ دل سے ہاری
پاسے کی بدی ہے آشکارا　　راجہ نل، سلطنت ہے ہارا
دانا تو کرے کب اس طرف میل　　ہارا ہے جوئے کے نام سے بیل
بارے ، دیکھا جو بیسوا نے　　بندہ کیا غیر کا خدا نے

سوچی کہ نہ اب بھی چال رہیے / شادی کا مزہ نکال رہیے
بولی بہ ہزار عجز و زاری / تم جیتے میاں، میں تم سے ہاری
لونڈی ہوں، نہیں عدول مجکو / خدمت میں کرو قبول مجکو
بولا وہ کہ سُن، یہ ہتھکنڈے چھوڑ / نقارہ در کو چوب سے توڑ
یہ مال، یہ زر، یہ جیتے بندے / یونہیں یہیں رکھ بجِنس، چندے
بالفعل اِرم کو جاتے ہیں ہم / انشاء اللہ آتے ہیں ہم
بولی وہ سنو تو بندہ پرور! / گلزارِ ارم ہے پریوں کا گھر
انسان و پری کا سامنا کیا! / مُٹھی میں ہوا کا تھامنا کیا !
شہ زادہ ہنسا، کہا کہ دلبر! / کچھ بات نہیں، جو رکھیے دل پر
انسان کی عقل اگر نہ ہو گم / ہے چشمِ پری میں جاے مردُم
یہ کہہ کے اٹھا، کہا کہ لو جان! / جاتے ہیں، کہا خدا نِگہ بان
دولت تھی اگر چہ اختیاری / پا مردی سے اُس پہ لات ماری
جُز جیب، نہ مال پر پڑا ہاتھ / جُز سایہ ،نہ کوئی بھی لیا ساتھ
درویش تھا بندۂ خدا وہ / اللہ کے نام پر چلا وہ

2.3.2 خلاصہ:

گلزار نسیم اردو کی ایک مشہور طلسماتی داستان ہے جس میں عشق، قربانی، وفاداری، مہم جوئی اور ماورائی عناصر کا حسین امتزاج ملتا ہے۔ اس کہانی کا مرکزی کردار شہزادہ تاج الملوک ہے جو ایک نیک، بہادر اور باادب شہزادہ ہے۔ کہانی کا آغاز بادشاہ اور وزیر کے درمیان ایک لطیف مکالمے سے ہوتا ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ بادشاہ اپنے بیٹے کی شادی کے لیے بے قرار ہے۔ تاج الملوک خواب میں ایک حسین و جمیل عورت (بکاؤلی) کو دیکھتا ہے، جس پر اسے دل و جان سے محبت ہو جاتی ہے۔ اس عورت کی خوبصورتی اور مقام تک پہنچنے کی راہ طلسماتی اور دشوار گزار ہے، جس میں شہزادے کو مختلف آزمائشوں، جادوئی سرزمینوں، جنات، دیو، اور سازشی عناصر سے واسطہ پڑتا ہے۔

تاج الملوک کا سفر صرف محبت کے لیے نہیں، بلکہ ایک مقدس مشن بھی ہے۔ گل بکاؤلی نامی جادوئی پھول حاصل کرنا جو اس کے والد کی بینائی واپس لا سکتا ہے۔ اس مقصد کے لیے وہ اپنے سوتیلے بھائیوں کی چالاکیوں، بدخواہوں کی سازشوں اور طلسماتی دنیا کی دشواریوں کا سامنا کرتا ہے۔ راستے میں کئی دلچسپ کردار آتے ہیں، جیسے بھاگ بھری، مختلف جنات، پرندے، دیویاں اور محلوں کے دربان — جو کبھی مدد کرتے ہیں، کبھی راہ میں رکاوٹ بنتے ہیں۔

تاج الملوک کی ذہانت، شرافت، اور صبر سے وہ آخر کار گل بکاؤلی حاصل کرنے میں کامیاب ہوتا ہے اور بکاؤلی سے بھی ملتا ہے، جو نہ صرف اس کی محبت قبول کرتی ہے بلکہ اس کے ساتھ شادی پر بھی آمادہ ہو جاتی ہے۔ اس کامیابی کے بعد وہ اپنے والد کو شفا دیتا ہے، ملک میں خوشی کی لہر دوڑ جاتی ہے، اور ایک شاہانہ انجام کے ساتھ کہانی اختتام کو پہنچتی ہے۔

"گل بکاؤلی" دراصل ایک مثالی کہانی ہے جو قاری کو ایک جادوئی دنیا میں لے جاتی ہے جہاں خواب، قربانی، عشق اور نیکی بالآخر فتح یاب ہوتے ہیں۔ یہ داستان اردو داستانوی ادب کا قیمتی سرمایہ ہے، جس میں قدیم روایات، لوک داستانوں اور تخیل کی بلند پروازی جھلکتی ہے۔

اگر آپ اس کہانی کا تجزیہ، کرداروں کی فہرست، یا تعلیمی مقاصد کے لیے کوئی خاص انداز میں پیش کش چاہتے ہیں تو ضرور بتائیں۔

"گل بکاؤلی" کی اس داستان میں عشق، قربانی، تقدیر اور ماورائی عناصر ایک خوبصورت انداز میں گُندھے ہوئے ہیں۔ کہانی میں تاج الملوک اور پری بکاؤلی کے عشق کو مختلف آزمائشوں اور جادوی حادثات سے گزار کر کامیابی کی منزل تک پہنچایا جاتا ہے۔

پری کو ایک سازش کے تحت بت خانے میں پھینک دیا جاتا ہے جہاں اس کا نچلا دھڑ پتھر میں تبدیل ہو جاتا ہے، اور شہزادے کو صحرا میں بے یار و مددگار چھوڑ دیا جاتا ہے۔ صحرا میں شہزادہ پریوں سے مدد لے کر بت خانے میں پہنچتا ہے اور دونوں ایک دوسرے کو اپنی داستان سناتے ہیں۔ مگر بعد ازاں شہزادہ ایک اور محل میں چلا جاتا ہے جہاں شہزادی چتراوت اس پر عاشق ہو کر اس سے زبردستی شادی کر لیتی ہے۔ اس واقعے سے پری دل برداشتہ ہو جاتی ہے اور جب چتراوت کو شہزادے اور پری کے تعلق کا علم ہوتا ہے تو وہ بت خانے کو تباہ کر دیتی ہے، اور یوں پری غائب ہو جاتی ہے۔

پری ایک کسان کے گھر دوبارہ جنم لیتی ہے، مگر اپنی اصل حقیقت کو راز میں رکھتی ہے۔ جب شہزادے کو اس لڑکی کی خوبصورتی کا علم ہوتا ہے، تو وہ اسے دیکھنے آتا ہے اور پہچان جاتا ہے کہ یہی بکاؤلی ہے۔ آخر کار سمن پری آتی ہے، سب کو ساتھ لے جاتی ہے اور بکاؤلی اور تاج الملوک کا وصال کراتی ہے۔

داستان کا ایک اور رُخ روح افزا اور بہرام کی محبت کی شکل میں سامنے آتا ہے، جس میں بہرام ایک جادوی پنجرے میں قید ہو جاتا ہے۔ روح افزارات کو اسے انسان بنا کر اپنے پاس رکھتی ہے، مگر جب راز فاش ہوتا ہے تو اسے جلانے کا حکم دیا جاتا ہے۔ خوش قسمتی سے تاج الملوک اور بکاؤلی اسے بچا لیتے ہیں اور حسن آرا کو راضی کر کے بہرام اور روح افزا کی شادی کرا دیتے ہیں۔

متن کا خلاصہ:

چاروں شہزادے جادوئی پھول کی تلاش میں نکلتے ہیں۔ شہزادہ تاج الملوک بھی ساتھ ہو جاتا ہے۔ راستے میں دلبر نام کی ایک بیسوا کا محل ہے۔ وہ لوگوں کے ساتھ جوا کھیلتی ہے اور دھوکے سے انہیں ہرا کر مال و دولت چھین لیتی ہے اور ان کی پشت پر غلامی کی مہر لگا دیتی ہے۔ شامت کے مارے چاروں شہزادے بھی اس کے ساتھ جوا کھیلتے ہیں اور ہار کر ساری پونجی اس کے حوالے کرتے ہیں اور وہ چاروں کی پشت پر اپنی غلامی کی مہر لگا دیتی ہے مگر پانچواں شہزادہ تاج الملوک ان کے ساتھ شامل نہیں ہوتا۔ وہ حیران وہاں سے گزر رہا تھا کہ یکلخت ایک دایہ

کسی گھر سے نمودار ہوئی۔ تاج الملوک کو دیکھ کر اس کے قریب آئی اور اسے غور سے دیکھتے ہوئے بڑی شفقت سے نام پوچھا۔ تاج الملوک نے بڑی حسرت اور مایوسی سے جواب دیا کہ بچپن میں میرا گھر برباد ہوا ہے۔ مجھے اپنا نام یاد نہیں۔ ہاں اتنا یاد ہے کہ میری ماں بھی تیری ہی طرح شفقت و محبت سے پیش آتی تھی۔ اس عورت نے تاج الملوک کے ساتھ مادرانہ شفقت کا مظاہرہ کیا اور اسے اپنے گھر لائی۔ اس نے کہا کہ میرا بھی بیٹا بالکل تیری ہی شباہت کا تھا، جو کھو گیا ہے۔

تاج الملوک نے دیکھا کہ اس کے بھائی سب کچھ کھو کر خستہ حال دلبر بیسوا کی دسترس میں قید ہیں۔ ایک بیسوا نے شہزادوں کے ساتھ یہ فریب کیا ہے اور ایسا نازیبا سلوک کیا ہے۔ اپنے بھائیوں کی یہ خواری دیکھ کر تاج الملوک نہایت مضطرب ہوا اور اس نے دایہ سے دلبر بیسوا کا حال معلوم کیا۔ دایہ نے افشائے راز کرتے ہوئے بتایا کہ دلبر اپنے پالتو اور تربیت یافتہ جانوروں کی مدد سے پانسا الٹتی ہے اور کھلاڑیوں کی آنکھوں میں دھول جھونکتی ہے۔ وہ چراغ عمداً بلی کے سر رکھتی ہے۔ ایک خاص موڑ پر چوہا چھوڑا جاتا ہے، جسے دیکھ کر بلی اس پر جھپٹتی ہے۔ بلی اور چوہے کے کھیل میں چراغ گل ہو جاتا ہے۔ چال باز دلبر پانسے کا کل پلٹ دیتی ہے۔ کھیل اپنے موافق کر کے جیت جاتی ہے۔ اس بے ایمانی کی وجہ سے کوئی کھلاڑی اس سے جیت نہیں پاتا۔ وہ سب کو ہرا کر ان کا مال و دولت لوٹ لیتی ہے اور انہیں اپنا غلام بنا لیتی ہے۔ تاج الملوک کو اپنے بھائیوں کی اس مصیبت پر دکھ ہوا اور اس نے انہیں اس مصیبت سے نجات دلانے کی ٹھانی۔ اس نے دیکھا کہ ایک نیولے نے بلی کو بھگایا تو اس نے سمجھا کہ یہ میرے لیے اچھا شگون ہے۔ نیولے کے ذریعے دلبر کا فریب توڑا جا سکتا ہے۔ تو اس نے ایک نیولا پکڑا اور اس کی تربیت کرنے لگا۔ وہ نیولا اس کی آستین پر ہی ہمیشہ سوار رہنے لگا۔ تاج الملوک در در پھر کر لوگوں سے چوسر کے کھیل میں مہارت حاصل کرتا رہا۔

تاج الملوک کے لیے اب مصیبت یہ تھی کہ وہ بے سر و سامان تھا۔ دلبر کے ساتھ جوا کھیلنے کے لیے پونجی کی ضرورت تھی۔ یہ مشکل اس طرح آسان ہو گئی کہ ایک بار ایک امیر نے اسے دیکھ کر جانا کہ کوئی شریف آدمی ہے۔ پریشان ہے۔ اس کی دست گیری کرنی چاہیے۔ چنانچہ وہ تاج الملوک کو اپنے گھر لے گیا۔ اسے ایک گھوڑا، جامہ اور کچھ روپیہ پیسہ دیا اور رخصت کیا۔ اب تاج الملوک کے لیے دلبر بیسوا سے جوا کھیلنے کا جواز ہاتھ آ گیا تھا۔ وہ سیدھے دلبر کے محل گیا۔ پھاٹک پر ایک نقارہ اور چوب یعنی لکڑی رکھی گئی تھی۔ جس کو بھی دلبر سے ملنا ہوتا وہ اس نقارے پر چوب چلاتا۔ چنانچہ تاج الملوک نے بھی نقارے پر چوب سے چوٹ کی۔ آواز سن کر دلبر باہر آئی۔ تاج الملوک کو لے کر اندر گئی۔ چوسر کی بساط بچھائی گئی۔ تاج الملوک دلبر کے فریب سے واقف تھا۔ اس فریب کا توڑ کرنے کا اس نے سامان کر لیا تھا۔ اس کی آستین میں نیولا چھپا ہوا تھا۔ کھیل شروع ہوا۔ چراغ بلی کے سر رکھ دیا گیا۔ ایک موقع پر جعل سازی سے دلبر نے اپنے جانوروں کو اشارہ کیا۔ مگر نیولے کے ڈر سے یہ جانور دبکے بیٹھے رہے۔ دلبر کو پانسا الٹ کر تاج الملوک کو دھوکہ دینے کا موقع ہی نہیں ملا۔ وہ اپنی چال بازی میں ناکامی کے سبب پیچ و تاب کھاتی رہی۔ وہ جتنی چراغ پا ہوتی تاج الملوک اس سے اتنی ہی ہنسی مذاق اور دل جمعی کی گفتگو سے جلاتا جاتا۔ وہ کھسیانی ہو کر ہارتی جاتی تھی۔ مایوسی اور حسرت سے کڑھتی جاتی تھی۔

نئی نئی بازی لگائی جاتی تھی اور دلبر اپنا سب کچھ ہارتی جاتی تھی۔ کوئی سامان جب اس کے پاس باقی نہیں بچا تو خود کو بھی بازی پر لگا دیا۔ جب یہ آخری بازی بھی ہار گئی تو خود سپردگی کے عالم میں مایوسی کی باتیں کہتی ہے۔

دلبر جب دل شکستگی کا مظاہرہ کرتی ہے تو تاج الملوک اس کو سمجھاتا ہے اور نصیحت کرتا ہے کہ وہ کم از کم اب تو ان چالبازیوں اور جعل سازیوں سے باز آجائے۔ وہ نقارہ جو اس نے دروازے پر رکھ چھوڑا تھا جو اکھیلنے کے لیے آنے والوں کی آمد کا اعلان تھا۔ اسے تاج الملوک نے جس لکڑی سے وہ نقارہ پیٹا جاتا تھا اسی لکڑی سے اس کو توڑ دیا، جو کچھ مال و دولت تاج الملوک نے دلبر سے جوئے میں جیتا تھا سب اسی کے پاس چھوڑ کر کچھ ضروری زادراہ لے کر باغ ارم جانے کی تیاری کرتا ہے۔

تاج الملوک کی نیک دلی، شرافت اور جرأت مندی نے دلبر کو اس کا گرویدہ بنا دیا تھا۔ تاج الملوک کے باغ ارم روانگی کے ارادے کو جان کر دلبر نے تعجب کیا اور کسی قدر رنجیدہ بھی ہوئی۔ اس نے خدشات ظاہر کیے کہ " گلزار ارم" تو پریوں کی جگہ ہے۔ وہاں انسان کا کیا کام! انسان اور پری کا سامنا کیسے ہو سکتا ہے۔ بھلا تاج الملوک اس حوصلہ شکنی سے کب رکنے والا تھا۔ اس نے ہنس کر فلسفیانہ انداز سے جواب دیا کہ انسان کو بس اپنے حواس قابو میں رکھنا ہے۔ عقل کو استعمال کرنا ہے۔ پھر کچھ مشکل نہیں کہ وہ پری کی آنکھ میں اپنے لیے جگہ بنا لے۔ پھر تاج الملوک اپنی جیتی ہوئی ساری دولت کو چھوڑ چھاڑ کر گل بکاؤلی حاصل کرنے کی غرض سے "گلزار ارم" کے سفر پر روانہ ہوا۔

مشکل الفاظ:

دبستان	مکتب، ادبی یا فکری مدرسہ	School Of Thought/Literature
رچاؤ	بھرپور اظہار، گہرائی	Richness, Depth
نثری قصہ	نثر میں لکھا گیا افسانہ یا داستان	Prose Tale
تخلص	قلمی نام، شاعری میں استعمال ہونے والا نام	Pen Name (Nom De Plume)
بحر ہزج	عروض کی ایک بحر (وزن)	A Metrical Pattern In Urdu Poetry
مطبع	چھاپہ خانہ	Printing Press
گرد لشکر	لشکر کی گرد، دھول	Dust Of The Army
حیران	ششدر، تعجب میں	Amazed, Surprised
بلند پایہ	اعلیٰ درجے کا، عظیم	High-Ranking, Distinguished
فریب	دھوکہ	Deception
بیسوا	طوائف، کسبی عورت	Courtesan, Prostitute

چراغ پا	غصے میں، طیش میں	Enraged, Furious
پاسے	جوا کھیلنے کے نرد	Dice
جعل سازی	دھوکہ دہی، فریب کاری	Fraud, Trickery
اشراف	معزز، اعلیٰ خاندان کے لوگ	Noble, Aristocrat
موش	چوہا	Mouse
نیولا	ایک جانور جو سانپ کا دشمن ہوتا ہے	Mongoose
آستین	قمیص یا کپڑے کا بازو	Sleeve
چوسر	نرد کا کھیل	Game Of Dice (Pachisi Or Chaucer)
نقارہ	بڑا ڈھول جو اعلان یا جنگ میں بجایا جاتا ہے	Kettle Drum
چوب	لکڑی، ڈنڈا	Wooden Stick
چشم و چراغ	دل کا ٹکڑا، لاڈلا	Apple Of The Eye
شکستگی	ٹوٹ پھوٹ، ناکامی	Defeat, Despair
خودسپردگی	اپنے آپ کو حوالے کرنا	Surrender
گرویدہ	متاثر، عاشق	Captivated, Admirer
شگون	نیک یا بد فال، علامت	Omen
دسترس	اختیار، قابو	Control, Reach
خواری	ذلت، رسوائی	Humiliation
سوجھا	سمجھ میں آیا	Realized
پھاٹک	دروازہ	Gate
نیک دلی	اچھی نیت، خیر خواہ طبع	Goodwill, Benevolence
جرأت مندی	بہادری، حوصلہ	Courage, Bravery
زادراہ	سفر کا سامان	Travel Provisions
باغ ارم	خیالی یا جنت جیسا باغ	Paradise-Like Garden (Iram Garden)

مشقیں:

مشق 1: جملوں میں صحیح اور غلط کی نشاندہی کیجیے۔

1۔ مثنوی "گلزار نسیم" نثر میں لکھی گئی ہے۔ (   )

2۔ دبستان لکھنؤ میں فصاحت اور بلاغت پر زور دیا جاتا ہے۔ (   )

3۔ "چراغ پا" کا مطلب ہے روشنی سے بھرپور۔ (   )

4۔ "پاسے" کھیلنے کے لیے استعمال ہونے والی لکڑی کا نام ہے۔ (   )

5۔ "بیسوا" ایک معزز خاتون کے لیے بولا جاتا ہے۔ (   )

مشق 2: نیچے دیے گئے جملوں میں خالی جگہوں کو پُر کیجیے۔

1۔ دبستان لکھنؤ کو.................کی بنیاد پر جانا جاتا ہے۔

2۔ نسیم اپنی شکستگی کی وجہ سے................ہو گیا۔

3۔ بیسوا نے چالاکی سے بادشاہ کو...............میں رکھا۔

4۔ لشکر آتے ہی..............کا شور مچ گیا۔

5۔ شاعر نے اپنے تخلص کے طور پر.................کا انتخاب کیا۔

مشق 3: درست املا پہچان کر اس پر گول دائرہ بنائیے۔

1۔	فریب	پھریب	فریو	پھریو
2۔	لشکر	لسکر	لشقر	لسقر
3۔	آسطین	آستین	آصتین	عاصتین
4۔	شکست	شکشت	سکشت	شقسط
5۔	گربیدہ	گرویدہ	گربیدا	گرویدھ

پہلے مصرعے کے قافیہ کو دیکھ کر دوسرے مصرعے کا قافیہ مکمل کیجیے۔

بولا وہ کہ نام تو نہیں یاد

طفلی میں ہوا ہوں خانہ ....

بولی وہ کہ ہاں، جوا ہے بد کام
دلبر، اک بیسوا ہے خود ....

پا سے کی ہے کل،چراغ کے ساتھ
وہ بلی کے سر، یہ چوہے کے ....

کام اس کا تھا بس کہ کھیل کھانا
چوسر کا جما وہ کار ....

2.4 اکتسابی نتائج

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ نے درج ذیل باتیں سیکھیں:

- مثنوی 'مثنیٰ' سے منسوب ہے جس کے معنی دو دو کے ہیں۔اس کا ہر شعر ہم قافیہ ہوتا ہے،اور ہر ہر شعر میں ایک نیا قافیہ پیش کیا جاتا ہے۔
- حالی نے مثنوی کو شاعری کی سب سے کارآمد صنف بتایا ہے۔
- میر نے بہت سی مثنویاں لکھیں لیکن ان کی عشقیہ مثنویاں زیادہ مشہور ہیں جن میں دریائے عشق بہت مقبول ہوئی۔یہ ان کی شاہکار مثنویوں میں شمار ہوتی ہے۔
- میر نے اس مثنوی میں قصہ سے قبل تمہید میں حمد ومنقبت کے بجائے عشق کی تعریف وتوصیف کے اشعار پیش کیے ہیں۔
- دیاشنکر نسیم کو شاعری سے فطری لگاؤ تھا۔ دیاشنکر نسیم نے نہال چند لاہوری کے نثری قصے "مذہب عشق" میں موجود گل بکاؤلی کے نثری قصے کو نظم کا جامہ پہنایا اور اپنے تخلص کی مناسبت سے "گلزار نسیم" نام رکھا۔
- 1521 اشعار پر مشتمل مثنوی "گلزار نسیم" 1254ھ میں مکمل ہوئی۔

2.5 نمونہ امتحانی سوالات

2.5.1 معروضی سوالات:

1۔ 'دریائے عشق' کس صنفِ ادب سے تعلق رکھتی ہے؟

(a)غزل (b)افسانہ (c)مثنوی (d)مرثیہ

2۔ مثنوی 'دریائے عشق' کے مصنف کون ہیں؟

(a)غالب (b)امیر خسرو (c)میر تقی میر (d)مولانا الطاف حسین حالی

3۔ ’مہ پارہ‘ لفظ سے مراد ہے:

(a) چمکدار ستارہ (b) دل شکستہ شخص (c) باغ کا پھول (d) چاند جیسی حسین لڑکی

4۔ نوجوان نے عشق کی شدت میں کیا کیا؟

(a) باغ میں رہنے لگا (b) غزل لکھنے لگا (c) جنگل میں چلا گیا (d) گریباں چاک کیا اور زمین پر گر پڑا

5۔ مثنوی میں نوجوان نے محبوبہ کو پہلی بار کہاں دیکھا؟

(a) مسجد کے صحن میں (b) باغ کے دروازے پر (c) بازار کے بیچوں بیچ (d) ایک کوچے کے ایک دریچے میں

6۔ گلزار نسیم کے مصنف کون ہیں؟

(a)غالب (b)درد (c)میر (d)دیاشنکر نسیم

7۔ "جوہرِ اصلی" سے کیا مراد ہے؟

(a)سونا (b) کسی شخص کا نام (c) فطری صلاحیت (d) سونا چاندی

8۔ "آبِ حیات" کا مطلب کیا ہے؟

(a) پانی کا چشمہ (b) ہمیشہ کی جوانی دینے والا پانی (c)زم زم (d) پانی کا برتن

9۔ لفظ "تمنا" کا درست مطلب کیا ہے؟

(a)خواہش (b)دوستی (c)محبت (d)انسیت

10۔ "گلزار نسیم" کا تعلق اردو کی کس صنف شاعری سے ہے؟

(a)مرثیہ (b)غزل (c)مثنوی (d)قصیدہ

2.5.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات:

1۔ نوجوان کی شخصیت کے کون سے دو نمایاں اوصاف متن میں بیان کیے گئے ہیں؟

2۔ نوجوان کو محبوبہ کی ایک جھلک دیکھنے کے بعد کیا کیفیت لاحق ہوئی؟

3۔ مثنوی میں ’تمہید‘ سے کیا مراد ہے اور میر نے اس میں کیا پیش کیا؟

4۔ دلبر کھلاڑیوں کی آنکھوں میں کیسے دھول جھونکتی تھی؟

5۔ تاج الملوک نے دلبر کو اپنا گرویدہ کیسے بنایا؟

2.5.3 طویل جوابات کے حامل سوالات:

1۔ مثنوی سے متعلق اپنی معلومات کا اظہار کیجیے۔

2۔ مثنوی 'دریائے عشق' کے دیے گئے اقتباس کا خلاصہ اپنے الفاظ میں لکھیے۔

3۔ مثنوی 'گلزار نسیم' کا خلاصہ اپنے الفاظ میں لکھیے۔

2.5.1 کے جوابات:

1۔c	2۔c	3۔d	4۔d	5۔d
6۔d	7۔c	8۔b	9۔a	10۔c

اکائی 3: مثنوی

اقتباسات: امن نامہ (جاں نثار اختر)، شاہنامہ اسلام (حفیظ جالندھری)

اکائی کے اجزا

3.0 تمہید

3.1 مقاصد

3.2 امن نامہ (جاں نثار اختر)

3.2.1 امن نامہ: متن (اقتباس)

3.2.2 خلاصہ

3.3 شاہ نامہ اسلام (حفیظ جالندھری)

3.3.1 شاہ نامہ اسلام: متن (اقتباس)

3.3.2 خلاصہ

3.4 اکتسابی نتائج

3.5 نمونہ امتحانی سوالات

3.0 تمہید

اردو میں مثنوی کا تصور مافوق الفطری اور دیومالائی عناصر سے وابستہ ہے۔ اردو کی ابتدائی مثنویوں میں شاذ ہی کوئی ایسی مثنوی ہو گی جس کا قصہ جن اور پریوں کے تذکرے کے بغیر مکمل ہوا ہو۔ کدم راؤ پدم راؤ، قطب مشتری، میناستونتی، بھول بن، سحر البیان، گلزار نسیم میں اس کی مثالیں دیکھی جاسکتی ہیں۔ سحر البیان اور گلزار نسیم کی اشاعت سے قبل میر 'دریائے عشق' اور اسی قبیل کی چند اور مثنویں لکھ چکے تھے جو مافوق الفطری عناصر سے یکسر خالی ہیں۔ ان کے علاوہ میر اثر کی خواب وخیال، شوقؔ کی مثنوی زہر عشق کو بھی اسی زمرے میں رکھا جا سکتا ہے۔ دور جدید میں انگریزی تعلیم کے زیر اثر اردو مثنویوں نے اسلوب اور موضوع کے اعتبار سے تبدیلیاں رونما ہوئیں اور حالیؔ نے 'برکھا رت، چپ کی داد اور مناجات بیوہ جیسی مثنویاں تخلیق کیں۔ امن نامہ اور شاہنامہ اسلام بھی بیسویں صدی میں لکھی جانے والی مثنویاں ہیں جو

اپنے موضوع کے اعتبار سے ممتاز ہیں۔ اس اکائی میں ہم ان دونوں مثنویوں کا مطالعہ کریں گے۔

3.1 مقاصد

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- مثنوی 'امن نامہ' کے متن کا مطالعہ کر سکیں اور اس میں پوشیدہ انسان کی امن و امان اور اخوت کی خواہش کو سمجھ سکیں۔
- پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ کی شان میں لکھی گئی مثنوی شاہنامہ اسلام کا مطالعہ کر سکیں۔
- شاہنامہ اسلام کے حوالے سے سیرت اور تاریخ اسلام کو سمجھ سکیں۔

3.2 امن نامہ (جاں نثار اختر)

امن نامہ جان نثار اختر کی طویل نظم ہے جسے مثنوی کی ہیئت میں لکھا گیا ہے۔ اس میں اقبال کے ساقی نامہ کی طرح ساقی سے خطاب کرتے ہوئے سیاسی، سماجی اور معاشرتی مسائل پر گفتگو کی گئی ہے۔ مثنوی کے عنوان سے ہی ظاہر ہے کہ شاعر اس کے ذریعے دنیا میں عالمی جنگوں کی ہولناکی کے مقابلے امن و امان کا خواہاں ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ لوگ اب سوز واقعات کو بھلا کر امن کی طرف واپس آجائیں۔

3.2.1 امن نامہ: متن (اقتباس):

ادھر آ ادھر ساقی بے حواس — ذرا بیٹھ جا اپنے رندوں کے پاس
یہ کیسی نگاہیں ہیں کھوئی ہوئی — یہ کیا ہے کہ محفل ہے سوئی ہوئی
ڈھلکتا وہ شانے سے آنچل نہیں — وہ شوخی نہیں ہے وہ چھل بل نہیں
نہ آنکھوں میں اُمڈا ہوا وہ سُرور — کہ ہم بے پیے جس سے ہو جائیں چُور
نہ وہ مست و رنگیں لچکتا خرام — کہ موجوں پہ لہراکے بہتا ہو جام
نہ چشم عنایت نہ حسن عِتاب — تھکی سی ادا، مضمحل سا شباب
وہ طوفاں نہیں وہ روانی نہیں — کہ جیسے جوانی، جوانی نہیں
بجھا سا تبسّم ہے اور کچھ نہیں — دباتا تلاطم ہے اور کچھ نہیں
یہ آخر پریشاں خیالی ہے کیا؟ — ترا میکدہ آج خالی ہے کیا؟
نہیں یہ تو پھر ہائے اندھیر ہے — اُٹھا ساقیا جام کیا دیر ہے
کہاں فرصتِ عیش پاتے ہیں ہم — قسم ہے کہاں روز آتے ہیں ہم
چلے ساقیا دورِ ساغر چلے — کہ مینا کو بڑھ کر لگالیں گلے

ترے رِند کب تک رہیں تشنہ کام
بڑھا اپنے ہاتھوں سے گل رنگ جام

یہ کیا تیرے سچ مچ ہے ٹھنڈے ہیں ہات
بتا تو ہمیں ساقیا دل کی بات

اُڑا تیرے چہرے کا کیوں رنگ ہے
ارے تجھ کو بھی خطرہ جنگ ہے

کبھی کر تو ہم سے ٹھکانے کی بات
بتا دیں تجھے ہم زمانے کی بات

جہاں میں غلامی کا عنواں ہے جنگ
سراسر ہلاکت کا ساماں ہے جنگ

لئے برق و فولاد و آہن کا زور
مچاتی ہوئی قتل و غارت کا شور

دھمکتا یہ شعلہ دھدکتی یہ آگ
جلا جس میں دنیا کا صدیوں سہاگ

لگائی ہے اس نے گلستاں میں آگ
لگائی ہے اس نے بیاباں میں آگ

جلائی ہیں فصلیں، جلائے ہیں کھیت
لہو میں نہائی ہے ساحِل کی ریت

رچایا ہے پُرہَول خونی طِلسم
درختوں پہ بالوں سے ٹانگے ہیں جسم

اُٹھائے ہیں شعلے ،گرائے ہیں بم
مٹایا ہے انسانیت کا بھرم

مکانوں کی آہیں، مکینوں کی چیخ
فلک تک گئی ہے زمینوں کی چیخ

یہ سرمایہ داروں کی پالی ہوئی
سدا شہر یاروں کی پالی ہوئی

بھیانک ہنسی کھوکھلی سی نظر
کھڑی سرد لاشوں کے انبار پر

جو بس ہو تو دشمنِ نام و ننگ
یہ محبوبہ پیر زوالِ فرنگ

مٹادے زمانے کا نام و نشاں
بنادے زمیں کو فلک کا دُھواں

مگر زندگی ایک حکمِ دوام
امر ہیں، امر ہیں، امر ہیں عوام

نہ ہو میرے ساقی نہ ہو فکر مند
کہ ہے امن کا آج پرچم بلند

تنی گردنیں آج جھکنے لگیں
اٹھی آندھیاں آج رُکنے لگیں

سمٹنے لگے ابر چھائے ہوئے
فضاؤں سے غائب وہ سائے ہوئے

اندھیرے کا جی چھوٹ کر رہ گیا
"پلانوں" کا دم ٹوٹ کر رہ گیا

بُھلا دیں کہو، ہیروشیما کی بات
نہ دھونا پڑے اپنی جانوں سے ہات

ہر ایک شور و شر آج بے سُود ہے
کہ اب امن دنیا کا مقصود ہے

رہے امن ہر آدمی کے لئے
رہے امن محنت کشی کے لئے

رہے امن ہر انجمن کے لئے	رہے امن تہذیب و فن کے لئے
رہے امن علم وہنر کے لئے	رہے امن قلب و نظر کے لئے
رہے امن ہر رنگ و بو کے لئے	رہے امن جام و سُبو کے لئے
رہے امن جہدِ بقا کے لئے	رہے امن ہر ارتقا کے لئے
رہے امن سارے جہاں کے لئے	رہے امن ہندوستاں کے لئے

3.2.2 خلاصہ:

مثنوی ایک اداس اور بے جان محفل سے شروع ہوتی ہے جہاں ساقی، رند، جام، محفل، خمار جیسے کلاسیکی عناصر موجود تو ہیں، مگر اُن میں کوئی زندگی، شوخی یا سرور نہیں۔ شاعر اس خاموشی، اداسی اور پژمردگی کو دیکھ کر حیرت کا اظہار کرتا ہے اور سوال کرتا ہے کہ آخر یہ بے دلی اور تھکن کیوں ہے؟

اس نظم (مثنوی) میں شاعر جنگ کے خلاف نفرت اور امن کی خواہش کر رہا ہے۔ وہ عوامی بیداری، حوصلہ افزائی اور انقلابی جذبے کا بھی خواہش مند ہے۔ ساتھ ہی استعماری و سرمایہ دار قوتوں پر تنقید کرتا ہے، پرانی دنیا کے زوال اور نئی دنیا کی اُمید کرتا ہے اور انسانیت کی بقا کے لیے جدوجہد کی اہمیت پر زور دیتا ہے۔

پھر شاعر موجودہ عالمی حالات کی طرف اشارہ کرتا ہے—خاص طور پر جنگ، غلامی، سرمایہ داری، اور قتل و غارت گری کی طرف۔ وہ کہتا ہے کہ دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے، اس نے انسانیت کو تباہ کر دیا ہے: شعلے اٹھ رہے ہیں، بم برس رہے ہیں، کھیت جل رہے ہیں، انسانی لاشیں بکھری ہوئی ہیں۔ شاعر ان مظالم کو سرمایہ دارانہ نظام اور استعماری طاقتوں کی پالیسیوں کا نتیجہ قرار دیتا ہے اور کہتا ہے کہ جنگ صرف تباہی، خون، اور بربادی لاتی ہے۔ اس کے بعد شاعر امید کا پیغام دیتا ہے—وہ کہتا ہے کہ عوام امر ہیں، وہ زندہ رہیں گے، اور اب وقت ہے کہ دنیا امن کی طرف بڑھے۔ شاعر یہ دعا کرتا ہے کہ:

"رہے امن۔۔۔"

ہر انسان کے لیے، ہر علم و فن کے لیے، ہر تہذیب کے لیے، ہر ملک کے لیے اور خاص طور پر ہندوستان کے لیے۔

مشکل الفاظ:

ساقی	شراب پیش کرنے والا	Cupbearer / Wine server
بے حواس	ہوش و حواس سے خالی	Unconscious / Dazed
سُرور	نشہ، خوشی، وجد	Ecstasy / Intoxication

Graceful walk / Gait	چلنے کا انداز	خرام
Favor / Kindness	مہربانی، نوازش	عنایت
Anger / Rebuke	ناراضی، ڈانٹ	عتاب
Smile	مسکراہٹ	تبسم
Confused thoughts / Anxiety	الجھن والی سوچ	پریشاں خیالی
Circulation of wine / Round of wine	جام کے گردش کرنے کا وقت	دَورِ ساغر
Thirsty	پیاسا، طلب رکھنے والا	تشنہ کام
Iron	دھات، خاص طور پر لوہا	آہن
Garden / Rose garden	پھولوں کا باغ	گلستاں
Horrifying / Terrifying	دہشت ناک، خوفناک	پُرہَول
Magic / Enchantment	جادو، سحر	طِلسم
Dweller / Inhabitant	رہنے والا	مکین
Honour and dignity	عزت و وقار	نام و ننگ
Eternal / Everlasting	ہمیشہ رہنے والا	دوام
Faded / Withered	کمزور، پژمردہ	مضمحل
Turmoil / Commotion	جوش، اُبال، ہلچل	تلاطم
Tavern / Wine house	شراب خانہ	میکدہ
Decanter / Wine bottle	شراب کی بوتل	مینا
Rose-colored	گلابی رنگ	گل رنگ
The West / Europe	مغرب، یورپ	فرنگ
Immortal / Eternal	ابدی، نہ ختم ہونے والا	امر
Struggle for survival	زندہ رہنے کی کوشش	جہدِ بقا
Thought & emotion	دل و دماغ، سوچ و احساس	قلب و نظر
Cup and goblet	شراب اور اس کا برتن	جام و سبو

مشقیں:

مشق 1: طلبہ درج ذیل الفاظ کے معنی نظم ہی کے سیاق سے ڈھونڈ کر لکھیے۔

1۔ بے حواس ....

2۔ تشنہ کام ....

3۔ پریشاں خیالی ....

4۔ تلاطم ....

5۔ نام و ننگ ....

مشق 2: نظم کے الفاظ سے خالی جگہیں پُر کیجیے۔

1۔ ادھر آ ادھر.....................بے حواس

2۔ نہ آنکھوں میں اُڑا ہوا وہ ....

3۔ جلائی ہیں فصلیں، جلائے ہیں ....

4۔ اُٹھائے ہیں شعلے، گرائے ہیں...............

5۔ رہے امن ہر.....................کے لیے

مشق 3: ہر سوال کا مختصر (دو تا تین جملوں میں) جواب دیجیے۔

1۔ شاعر محفل کی کیفیت کو کس طرح بیان کرتا ہے؟

2۔ شاعر جنگ کے خلاف کیوں احتجاج کر رہا ہے؟

3۔ نظم میں امن کی کیا کیا علامتیں بیان ہوئی ہیں؟

4۔ نظم میں شاعر نے کن چیزوں کو جنگ سے متاثر ہوتے ہوئے دکھایا ہے؟

5۔ شاعر کا پیغام نظم کے آخر میں کیا ہے؟

مشق 4: ان تراکیب کا مفہوم اور تاثر واضح کیجیے۔

1۔ دورِ ساغر ....

2۔ جہد بقا ....

3۔ تشنہ کام ....

4۔ پریشاں خیالی ....

5۔ خونی طِلسم ....

مشق 5: نیچے پانچ مصرعے دیے گئے ہیں۔ ہر مصرعے میں کم از کم دو دو اسم (Nouns) تلاش کر کے لکھیے۔

1۔ "مکانوں کی آہیں، مکینوں کی چیخ" ....

2۔ "جلائی ہیں فصلیں، جلائے ہیں کھیت" ....

3۔ "لگائی ہے اس نے گلستاں میں آگ" ....

4۔ "درختوں پہ بالوں سے ٹانگے ہیں جسم" ....

5۔ "رہے امن علم و ہنر کے لیے" ....

مشق 6: صحیح یا غلط لکھیں اور غلط جملوں کو درست شکل میں بھی لکھیں۔

1۔ نظم میں ساقی خوش اور مطمئن ہے۔

2۔ شاعر نے جنگ کو ترقی اور خوشحالی کا ذریعہ قرار دیا ہے۔

3۔ شاعر نے محفل کو خاموش، سرد اور بے جان قرار دیا ہے۔

4۔ جہدِ بقا' کا مطلب ہے زندگی کی بقا کے لیے جد و جہد۔

5۔ نظم کے آخر میں شاعر نے نفرت اور انتقام کی تلقین کی ہے۔

3.3 شاہ نامہ اسلام (حفیظ جالندھری)

'شاہنامہ اسلام' حفیظ جالندھری کی مثنوی ہے۔ یہ چار جلدوں پر مشتمل ہے، جن میں تقریباً دس ہزار اشعار ہیں۔ اس کا نام فردوسی کے 'شاہنامہ' کے طرز پر 'شاہنامہ اسلام' رکھا گیا۔ یہ سرور کائنات شاہ دو جہاں حضور اکرم ﷺ کی شان میں لکھا گیا ہے۔ اس میں آپ ﷺ کی ولادت سے لے کر جنگ احزاب تک کے واقعات کو شعری جامہ پہنایا گیا ہے۔ 'شاہنامہ اسلام' کا دوسرا نام 'یاد ایام' بھی ہے۔

3.3.1 شاہ نامہ اسلام: متن (آقتباس):

خدا نے حضرت آدم کو دنیا کی خلافت دی
جہاں میں اپنا نائب کر کے بھیجا یہ سعادت دی

یہی مخلوق تھی فردوس سے جس کو نکالا تھا
اسی نے دانہ گندم پر سب کچھ بیچ ڈالا تھا

بظاہر اس تقرر سے نئے فتنوں کے ساماں تھے
زمین و آسمان جن و ملائک سخت حیراں تھے

لگے سرگوشیاں کرنے کہ انساں ہے بہت سادہ
ادھر شیطان کا لشکر شرارت پر ہے آمادہ

یہ بیچارہ دوبارہ دام شیطاں میں نہ آ جائے
کہ دانہ کھا چکا ہے اب کہیں دھوکہ نہ کھا جائے

دل مخلوق میں یوں راہ اندیشے نے جب پائی
تسلی کے لیے فوراً ندا جبریل کی آئی

کہ اے طاعت گزارو ذات باری کے پرستارو
بنام حضرت حق و امن و راحت کے طلبگارو

نگاہ غور سے دیکھو ذرا آدم کی پیشانی
نظر آتی نہیں کیا ایک خاص الخاص تابانی؟

یہی جلوہ ہے تخلیق جہاں کی علت غائی
اسی کی روشنی ہے دیدہ ہستی کی بینائی

یہی جلوہ ہے پہلے جس کو سجدہ کر چکے ہو تم
اسی نعمت سے دامان بصیرت بھر چکے ہو تم

ہوا ابلیس اسی کے سامنے جھکنے سے انکاری
یہی تھا امتیاز آدم کا جس سے جل گیا ناری

اسی سے دشمنی رکھنے کی کھائی ہے قسم اس نے
عبودیت کی چادر سے نکالا ہے قدم اس نے

اسی کی ضد پہ اس باغی کو ہیں ارمان شاہی کے
گیا ہے لے کے دنیا میں وہ منصوبے تباہی کے

مشیت ہے کہ اب طاقت کا وہ بھی امتحاں کر لے
مشیت کے مقابل خبث باطن کو عیاں کر لے

یہ ظاہر ہے کہ شیطاں اب بڑی طاقت دکھائے گا
زمانے میں قیامت ڈھائے گا فتنے اٹھائے گا

یہ سچ ہے مدتوں اولاد آدم راہ بھولے گی
وہاں ابلیس کی کھیتی پھلے گی اور پھولے گی

وہ دن بھی آئے گا جب آخری اک سامنا ہو گا
حق و باطل میں گویا فیصلہ کن معرکہ ہو گا

مشیت ہے کہ آدم ہی کرے گا اس کو پست آخر
یہی اقبال پیشانی اسے دے گا شکست آخر

یہی وہ نور ہے جس سے زمانہ جگمگائے گا
یہی آدم کا رتبہ عرش اعظم تک اٹھائے گا

ملے ابلیس سے کتنی ہی قوت اہل ظلمت کو
بجھا سکتا نہیں کوئی مگر شمعِ ہدایت کو

یہ جلوہ دم بہ دم دنیا کو راہِ حق دکھائے گا
یہی رہبر ہر اک گمراہ کو منزل پہ لائے گا

مسلسل منتقل ہوتا رہے گا نیک بندوں میں
خدا کے مرسلوں پیغمبروں میں حق پسندوں میں

نشان اسلام کا اللہ نے عالم میں رکھا ہے
کہ نور احمدی پیشانی آدم میں رکھا ہے

اسی کی بندگی ہے خاکیوں کے ناز کا باعث
اسی کا عکس ہے مٹی میں ہر اعجاز کا باعث

مقدر ہے اسی کو آخری پیغام دیں ہونا
مقدر ہے اسی کو رحمتہ للعالمیں ہونا

3.3.2 خلاصہ:

یہ نظم انسانی عظمت، اللہ تعالیٰ کی مشیت، اور شیطان کی مخالفت جیسے بڑے دینی اور فکری موضوعات پر مبنی ہے۔ شاعر سب سے پہلے اس بنیادی نکتہ کی طرف توجہ دلاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو دنیا میں اپنی خلافت (نائب) عطا فرمائی۔ یہ فیصلہ بظاہر بہت بڑا اور غیر متوقع تھا، کیونکہ آدمؑ کی ذات جنت سے نکالے جانے کی پہچان رکھتی تھی۔ ان کے انتخاب پر مخلوقات، خصوصاً فرشتے اور

جنات، حیرت اور فکر مندی میں مبتلا ہو گئے۔ سوالات اور سر گوشیاں ہونے لگیں کہ آیا انسان اس عظیم ذمہ داری کے اہل بھی ہے یا نہیں۔

شیطان نے اس خلافت کے خلاف بغاوت کی، سجدہ کرنے سے انکار کیا، اور حضرت آدمؑ کا دشمن بن گیا۔ اس نے قسم کھائی کہ وہ انسان کو تباہ و برباد کرے گا اور دنیا میں فتنہ و فساد برپا کرے گا۔ نظم میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ شیطان کی سازشیں، مکّاریاں اور اس کے ماننے والوں کی قوت وقتی طور پر غالب ہو سکتی ہے، لیکن مشیتِ الٰہی کا فیصلہ ہے کہ آخر کار انسان ہی فتح مند ہو گا۔

شاعر کہتا ہے کہ انسان کی پیشانی میں **نورِ احمدی**)یعنی نبی کریم ﷺ کا روحانی نور(رکھا گیا ہے، جو ہدایت، روشنی، اور حق کی علامت ہے۔ یہی نور دنیا میں سچائی کی روشنی پھیلائے گا، ظلمت کو مٹائے گا، اور آخر کار حق و باطل کے درمیان فیصلہ کن معرکہ میں شیطان کو شکست دے گا۔

نظم ایک امید و یقین کا پیغام دیتی ہے کہ انسان محض ایک کمزور مخلوق نہیں، بلکہ وہ اللہ کا نائب ہے، جو علم، نور، بصیرت، اور ایمان سے لیس ہے۔ اس نظم کا اختتام اس یقین پر ہوتا ہے کہ دنیا میں اگرچہ فتنوں کا دور چلے گا، مگر اسلام، ہدایت اور نورِ نبوی ﷺ کی روشنی ہمیشہ غالب رہے گی۔

مشکل الفاظ:

خلافت	اللہ کی طرف سے نمائندگی	Caliphate / Vicegerency
تقرر	تعیناتی	Appointment
سر گوشی	دھیمی بات	Whisper
دام	جال، پھندا	Trap / Snare
طاعت گزار	فرمانبردار	Obedient
علت غائی	آخری مقصد	Final cause / Ultimate reason
مشیت	اللہ کی مرضی	Divine will
آزمائش	امتحان، کٹھن وقت	Test / Trial
راہِ حق	سچائی کا راستہ	Path of Truth
اہل ظلمت	اندھیرے میں رہنے والے، گمراہ لوگ	People of darkness / Ignorant
منتقل	منتقل ہونا، آگے بڑھنا	Transfer / Pass on
نشان	علامت، نشانِ شناخت	Sign / Symbol
بندگی	عبادت، غلامی	Worship / Servitude

خاکی	انسان، مٹی سے بنا ہوا	Mortal / Made of clay
خاص الخاص	نہایت خاص، چنیدہ	Most special / Elect
تابانی	روشنی، چمک	Radiance / Brightness
نعمت	انعام، برکت	Blessing / Gift
بصیرت	سمجھ، گہرا شعور	Insight / Wisdom
عبودیت	بندگی، عبادت	Obedience / Servitude
خبث باطن	باطن کی خباثت، اندرونی برائی	Inner evil / Wickedness within
معرکہ	جنگ، مقابلہ	Battle / Combat
شمعِ ہدایت	رہنمائی کی روشنی	Lamp of guidance
رہبر	راہ دکھانے والا	Guide / Leader
اعجاز	معجزہ، کمال	Miracle / Wonder
عکس	پرتو، جھلک	Reflection / Image
رحمتہ للعالمین	تمام جہانوں کے لیے رحمت	Mercy to all the worlds

مشقیں:

مشق 1: ذیل میں دیے گئے جملوں میں صحیح اور غلط کی نشاندہی کیجیے۔

1۔ حضرت آدم کو دنیا کی خلافت دی گئی۔

2۔ ابلیس نے حضرت آدم کو سجدہ کرنے سے انکار نہیں کیا۔

3۔ حضرت آدم کی پیشانی میں نورِ احمدی رکھا گیا۔

4۔ نظم (مثنوی) میں شاعر نے شیطان کو حق وہدایت کا نمائندہ بتایا ہے۔

5۔ نظم کا پیغام ہے کہ آخر کار انسان ہی کامیاب ہو گا۔

مشق 2: خالی جگہوں کو مناسب الفاظ سے پُر کیجیے۔

1۔ خدا نے حضرت.......................کو دنیا کی خلافت دی۔

2۔ یہ بیچارہ دوبارہ دام.........................میں نہ آجائے۔

3۔ یہی جلوہ ہے پہلے جس کو.................. کر چکے ہو تم۔

4۔ گیا ہے لے کے دنیا میں وہ منصوبے................ کے۔

5۔ مقدر ہے اسی کو ______ للعالمیں ہونا۔

مشق 3: درج ذیل الفاظ کے معنی لکھیے۔

1۔ دام شیطاں ....

2۔ علت غائی ....

3۔ نور احمدی ....

4۔ شمع ہدایت ....

5۔ پیشانی آدم ....

مشق 4: ذیل میں دیے گئے سوالات کے جواب لکھیے۔

1۔ حضرت آدم کو خلافت کیوں دی گئی؟

2۔ ابلیس نے سجدہ کیوں نہیں کیا؟

3۔ نورِ احمدی سے کیا مراد ہے؟

4۔ شاعر کے نزدیک شیطان کی اصل طاقت کیا ہے؟

5۔ انسان کی کامیابی کا راز کیا ہے؟

3.4 اکتسابی نتائج

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ نے درج ذیل باتیں سیکھیں:

- اردو کی ابتدائی مثنویوں میں مافوق الفطرت عناصر پائے جاتے ہیں۔
- میرؔ، میر اثرؔ، شوق لکھنوی اور اسماعیل میرٹھی نے فوق الفطرت عناصر کے بغیر کامیاب مثنویاں لکھیں۔
- بیسویں صدی کی ابتدا سے اردو میں ایسی مثنویاں لکھی جانے لگیں تھی جو موضوع کے اعتبار سے روایتی مثنویوں سے مختلف ہوتی تھیں۔
- جدید مثنویوں میں حالی کی برکھارُت، مناجات بیوہ کا نام لیا جا سکتا ہے۔ امن نامہ اور شاہنامہ اسلام بھی اسی دور کی مثنویاں ہیں۔
- امن نامہ جاں نثار اختر کی ایک طویل نظم ہے جسے مثنوی کی ہیئت میں لکھا گیا ہے۔

- امن نامہ میں جاں نثار اختر نے عالمی جنگوں سے اکتاہٹ کے سبب لوگوں کے ذہن میں پیدا ہونے والے تصورات کی عکاسی کی ہے۔ ان کا ماننا ہے کہ اب جنگ میں کیا رکھا ہے۔ لوگوں کو امن کی طرف لوٹ جانا چاہیے۔
- 'شاہنامہ اسلام' حفیظ جالندھری کی چار جلدوں پر مشتمل تقریباً دس ہزار اشعار کی مثنوی ہے۔
- 'شاہنامہ اسلام' میں آپ ﷺ کی ولادت سے لے کر جنگ احزاب تک کے واقعات کو شعری جامہ پہنایا گیا ہے۔ 'شاہنامہ اسلام' کا دوسرا نام 'یاد ایام' بھی ہے۔

3.5 نمونہ امتحانی سوالات

3.5.1 معروضی سوالات:

1۔ ان میں سے کون سی مثنوی حالی کی نہیں ہے؟

(a) برُرت (b) مناجات بیوہ (c) چپ کی داد (d) زہر عشق

2۔ ان میں سے کون سی مثنوی اردو کی قدیم مثنویوں میں شامل ہے؟

(a) کدم راؤ پدم راؤ (b) امن نامہ (c) شاہنامہ اسلام (d) ان میں سے کوئی نہیں

3۔ شاعر نے نظم کی ابتدا میں کس کی بے حواسی کا ذکر کیا ہے؟

(a) دشمن (b) ساقی (c) سپاہی (d) عاشق

4۔ شاعر کے مطابق جنگ نے کس چیز کو خاک میں ملا دیا؟

(a) چاندنی راتیں (b) انسانی وقار (c) صدیوں کا سہاگ (d) مذہبی اقدار

5۔ شاعر نے جنگ کو کیا کہا ہے؟

(a) گلزار (b) غلامی کا عنواں (c) محبوبہ (d) دوست

6۔ شاعر نے بار بار کس کا اعلان کیا ہے؟

(a) انقلاب (b) علم (c) جنگ (d) امن

7۔ نظم کے مطابق شیطان دنیا میں کیا کچھ کرے گا؟

(a) ہدایت پھیلائے گا (b) عبادت کرے گا (c) فتنے اٹھائے گا (d) سکون قائم کرے گا

8۔ نظم کے مطابق آخرکار شیطان کو شکست کس کے ذریعے ہو گی؟

(a) حضرت جبرائیل کے ذریعے (b) حضرت آدمؑ کے (c) اہل ظلمت کے (d) حضرت نوحؑ کے

9۔ خدا نے حضرت آدمؑ کو کس چیز کی خلافت دی؟

(a) فردوس (b) دنیا (c) آسمان (d) حور و قصور

10۔ نظم کے مطابق شمع ہدایت کو کون بجھا سکتا ہے؟

(a) اہلِ ظلمت (b) ابلیس (c) وقت (d) کوئی نہیں

3.5.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات:

1۔ شاعر نے نظم میں جنگ کی تباہ کاریوں کو کس انداز میں بیان کیا ہے؟

2۔ شاعر کی وطن سے محبت نظم میں کہاں کہاں ظاہر ہوتی ہے؟

3۔ نظم میں حضرت آدمؑ کی خلافت اور ابلیس کی دشمنی کو کس انداز میں بیان کیا گیا ہے؟

4۔ اللہ نے انسان کو اتنی عظیم ذمہ داری کیوں سونپی جبکہ فرشتے اور ابلیس جیسے معزز مخلوق پہلے سے موجود تھیں؟

5۔ اس نظم میں حضرت آدمؑ کی شخصیت، ان کی ذمہ داری اور شیطان کے ساتھ ان کے تعلق کو کس انداز میں پیش کیا گیا ہے؟ بیان کیجیے۔

3.5.3 طویل جوابات کے حامل سوالات:

1۔ نظم میں شاعر نے جنگ کی ہولناکی، انسانی تباہی، اور امن کی ضرورت کو کس انداز میں بیان کیا ہے؟ تفصیل سے وضاحت کریں۔

2۔ نظم میں "ساقی" اور "محفل" جیسے علامتی الفاظ کے ذریعے شاعر نے کس بڑے سماجی و عالمی مسئلے کو پیش کیا ہے؟

3۔ نظم میں انسان کی خلافت، شیطان کی مخالفت اور نورِ احمدی کی روشنی کے تناظر میں شاعر کا پیغام تفصیل سے بیان کیجیے۔

3.6.1 کے جوابات:	1-d	2-a	3-b	4-c	5-b
	6-d	7-c	8-b	9-b	10-d

اکائی 4: قصیدہ

اقتباسات ''تضحیک روز گار'' (سودا)، ہیں مرے آبلہ دل کے تماشا گوہر (ذوق)

اکائی کے اجزا

4.0 تمہید
4.1 مقاصد
4.2 قصیدہ ''تضحیک روز گار''
4.2.1 سودا کا تعارف
4.2.2 قصیدہ ''تضحیک روز گار'' متن (اقتباس)
4.2.3 خلاصہ
4.3 قصیدہ ''ہیں مرے آبلہ دل کے تماشا گوہر''
4.3.1 ذوق کا تعارف
4.3.2 قصیدہ ''ہیں مرے آبلہ دل کے تماشا گوہر'' متن (اقتباس)
4.3.3 تشریح
4.4 اکتسابی نتائج
4.5 کلیدی الفاظ
4.6 نمونۂ امتحانی سوالات

4.0 تمہید

گزشتہ اکائی میں آپ نے مثنوی دریائے عشق اور مثنوی گلزار نسیم کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔ اس اکائی میں آپ سودا کے (ہجویہ) قصیدہ "تضحیک روز گار" اور ذوق کے قصیدہ "ہیں مرے آبلہ دل کے تماشا گوہر" کا مطالعہ کریں گے۔

سودا کے زیادہ تر قصیدے مدحیہ ہیں، لیکن انہوں نے کئی قابل ذکر قصیدے اشخاص کی ہجو میں بھی لکھے ہیں۔ اس کے علاوہ سودا کی

قصیدہ گوئی کا ایک امتیازی پہلو یہ ہے کہ انہوں نے قصیدے کی صنف میں شہر آشوب بھی لکھا جس میں اپنے زمانے کے حالات کا نہایت پر اثر نقشہ کھینچا گیا ہے۔ سودا نے ایک قصیدے میں زمانے کی ہجو نہایت دلچسپ پیرائے میں بیان کی ہے اور اس قصیدے کو ''تضحیک روز گار'' کا نام دیا ہے۔ اس قصیدے کا شمار سودا کے مشہور ترین قصیدوں میں ہوتا ہے۔

سودا کے بعد جو دوسرا نام آتا ہے، وہ ذوق ہے۔ ذوق کا شامل نصاب قصیدہ بہادر شاہ ظفر کی مدح میں ہے، جو بہتر (72) اشعار پر مشتمل ہے۔ ذوق بہادر شاہ ظفر کے استاد تھے۔ محض 19 سال کی عمر میں ذوق کو بہادر شاہ ظفر کی استادی کا شرف حاصل ہوا۔ 1837 میں جب بہادر شاہ ظفر تخت نشین ہوئے اس وقت ذوق نے بہادر شاہ ظفر کی شان میں ''ہے آج جو یوں خوش نما نور سحر رنگ شفق'' جیسا یادگار قصیدہ کہا۔ بہادر شاہ ظفر نے اس قصیدے سے خوش ہو کر ذوق کو ملک الشعراء کے خطاب سے نوازا۔ محض 19 سال کی عمر میں اکبر شاہ ثانی نے ذوق کو خاقانی ہند کے خطاب سے سرفراز کیا۔

4.1 مقاصد

اس اکائی کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- سودا کے ہجویہ قصیدے کی خوبیوں سے واقف ہو سکیں گے۔
- قصیدہ ''تضحیک روز گار'' کے بنیادی موضوع اور اس سے متعلق امور کو اچھی طرح سمجھ سکیں گے۔
- ذوق کے حالات زندگی سے واقف ہو سکیں۔
- شامل نصاب اقتباسات کے ذریعے سودا اور ذوق کی قصیدہ نگاری کا جائزہ لے سکیں۔

4.2 قصیدہ ''تضحیک روز گار''

4.2.1 سودا کا تعارف:

سودا کا نام مرزا محمد رفیع اور تخلص سودا تھا۔ وہ 1713 میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ سودا کے والد مرزا محمد شفیع دہلی کے باشندے تھے اور تجارت ان کا پیشہ تھا۔ کہا جاتا ہے کہ سودا کے اجداد کا تعلق کابل سے تھا جو سپہ گری کے پیشے سے وابستہ تھے۔ سودا کے والد تجارت کی غرض سے ہندوستان آئے اور دہلی کو اپنا مسکن بنالیا۔

سودا نے رسم زمانہ کے مطابق پہلے فارسی میں شاعری کی، لیکن جلد ہی ریختہ یعنی اردو شاعری کی طرف مائل ہو گئے۔ انہیں قدرت نے شعر گوئی کی غیر معمولی صلاحیت سے نوازا تھا۔ سودا نے پہلے سلیمان قلی خاں سے مشورۂ سخن کیا، پھر شاہ حاتم کی شاگردی اختیار کی۔ شاہ حاتم سودا کے استاد ہونے پر فخر کرتے تھے۔ فارسی شعر گوئی میں خانِ آرزو سے اصلاح لی اور کہا جاتا ہے کہ خانِ آرزو نے ہی سودا کو ریختہ میں شعر گوئی کی طرف آمادہ کیا۔

اس عہد کے لکھنؤ میں شعر وشاعری کا ہر طرف چرچا تھا اور دہلی ومضافات سے تعلق رکھنے والے شعرا میں مصحفی اور قمرالدین منت وغیرہ وہاں موجود تھے۔ لکھنؤ میں قیام کے دوران مرزا سودا کی شاعرانہ شخصیت کو مزید چمکنے کا موقع ملا کیونکہ اس وقت وہاں ادبی ماحول تازہ تازہ سازگار ہوا تھا اور اردو فارسی شعر وادب سے تعلق رکھنے والوں کی ایک قابل ذکر جماعت اس ماحول سازی میں شریک تھی۔ لکھنؤ میں نواب آصف الدولہ کے دور حکومت میں ہی 1781 میں مرزا محمد رفیع سودا کا انتقال ہوا۔

سودا بھرپور تخلیقی شخصیت کے مالک تھے۔ ان کے مزاج میں بلا کی تیزی اور دراکی تھی۔ غالباً یہی سبب ہے کہ اپنے چند معاصرین کے ساتھ سودا کے معرکے بھی ہوئے۔ چونکہ ہجو کے میدان میں سودا کو غیر معمولی مہارت حاصل تھی اس لیے وہ ہجویہ اشعار کہنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے۔ میر ضاحک جو ''سحر البیان'' کے مصنف میر حسن کے والد تھے، ان کے ساتھ سودا کی چشمک کے بہت سے واقعات محمد حسین آزاد نے نقل کیے ہیں۔ سودا کو اپنی قصیدہ گوئی اور ہجو گوئی دونوں پر ناز تھا۔

سوداؔ کا دیوانِ غزلیات ان تمام خوبیوں سے بھرا ہوا ہے جس کی بنا پر وہ اپنے عہد کے ممتاز ترین غزل گویوں میں شمار ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ ان کا ایک دیوان فارسی بھی ہے جس میں 66 غزلوں کے ساتھ ایک قصیدہ اور کچھ قطعات شامل ہیں۔ جہاں تک سودا کے مکمل اردو کلام کا تعلق ہے تو ان کے کلیات میں غزلوں کے علاوہ قصائد، ہجویات، مثنویات، رباعیات وقطعات، تضمین، مرثیہ وسلام اور متفرقات میں واسوخت، نغزیات اور مناظر فطرت سے متعلق کلام سب کچھ شامل ہے۔

4.2.2 قصیدہ ''تضحیک روزگار'' کا متن:

ہے چرخ جب سے ابلق ایام پر سوار — رکھتا نہیں ہے دست عناں کا بیک قرار
جن کے طویلے بیچ کوئی دن کی بات ہے — ہرگز عراقی و عربی کا نہ تھا شمار
اب دیکھتا ہوں میں کہ زمانے کے ہاتھ سے — موچی سے کفش پا کو گٹھاتے ہیں وہ ادھار
ہیں گے چنانچہ ایک ہمارے بھی مہرباں — پاوے سزا جو ان کا کوئی نام لے نہار
نوکر ہیں سو روپے کے دیانت کی راہ سے — گھوڑا رکھیں ہیں ایک سو اتنا خراب وخوار
ناطاقتی کا اس کے کہاں تک کروں بیاں — فاقوں کا اس کے اب میں کہاں تک کروں شمار
مانند نقش نعل زمیں سے بجز فنا — ہرگز نہ اٹھ سکے وہ اگر بیٹھے ایک بار
اس مرتبے کو بھوک سے پہنچا ہے اس کا حال — کرتا ہے راکب اس کا جو بازار میں گذار
قصاب پوچھتا ہے مجھے کب کروگے یاد — امیدوار ہم بھی ہیں، کہتے ہیں یوں چمار
جس دن سے اس قصائی کے کھونٹے بندھا ہے وہ — گذرے ہے اس نمط اسے ہر لیل وہر نہار
ہر رات اختروں کے تئیں دانہ بوجھ کر — دیکھے ہے آسماں کی طرف ہو کے بے قرار

تنکا اگر پڑا کہیں دیکھے ہے گھانس کا
چوکے کو آنکھ موند کے دیتا ہے وہ پسار

ہے اس قدر ضعیف کہ اڑ جائے باد سے
میخیں گر اس کی تھان کی ہوویں نہ استوار

نہ استخواں نہ گوشت نہ کچھ اس کے پیٹ میں
دھونکے ہے دم کو اپنے کہ جوں کھال کو لوہار

یہ حال اس کے دیکھ غرض یوں کہے ہے خلق
چنگل سے موذی کے تو چھڑا اس کو کردگار

لے جاویں چور یا مرے یا ہو کہیں یہ گم
اس تین بات سے کوئی جلدی ہو آشکار

القصہ ایک دن مجھے کچھ کام تھا ضرور
آیا یہ دل میں جایئے گھوڑے پہ ہو سوار

رہتے تھے گھر کے پاس قضا را وہ آشنا
مشہور تھا جنہوں کنے وہ اسپ نابکار

خدمت میں ان کی میں نے کیا جا یہ التماس
گھوڑا مجھے سواری کو اپنا دو مستعار

فرمایا جب انہوں نے کہ اے مہربان من
ایسے ہزار گھوڑے کروں تم پہ میں نثار

لیکن کسی کے چڑھنے کے لائق نہیں یہ اسپ
یہ واقعی ہے اس کو نہ جانو گے انکسار

ہے پیر اس قدر کہ جو بتلائے اس کا سن
پہلے وہ لے کے ریگ بیاباں کرے شمار

لیکن مجھے زروئے تواریخ یاد ہے
شیطاں اسی پہ نکلا تھا جنت سے ہو سوار

کم رَوہے اس قدر کہ اگر اس کے نعل کا
لوہا گلاکے تیغ بناوے کبھو لوہار

ہے دل کو یہ یقین کہ وہ تیغ روز جنگ
رستم کے ہاتھ سے نہ چلے وقت کارزار

مانند اسپ خانۂ شطرنج اپنے پاؤں
جز دست غیر کے نہیں چلتا ہے زینہار

اک دن گیا تھا مانگے یہ گھوڑا برات میں
دولھا جو بیاہنے کو چلا اس پہ ہو سوار

پہنچا غرض عروس کے گھر تک وہ نوجواں
شیخوخیت کے درجے سے کر اس طرف گذار

سودا نے تب قصیدہ کہا سن یہ ماجرا
ہے نام اس قصیدے کا تضحیک روزگار

4.2.3 خلاصہ:

سودا کا یہ قصیدہ ہجویہ ہے، لیکن اس میں کسی شخص کی ہجو بیان نہیں کی گئی ہے، بلکہ یہاں زمانے کی ہجو مضحکہ خیز صورت میں بیان ہوئی ہے۔یعنی ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس میں زمانے کا مذاق اڑایا گیا ہے۔یہاں یہ بات اچھی طرح سمجھنے کی ہے کہ ہماری مشرقی تہذیب میں زمانۂ قدیم سے یہ تصور چلا آرہا ہے کہ وقت یازمانہ ہر لمحہ حرکت میں ہے اور اسی کے زیر اثر دنیا میں تبدیلیاں رونما ہوتی رہتی ہیں، انقلاب آتے رہتے ہیں۔اسی تصور کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ وقت یازمانے کی حرکت دراصل آسمان کی گردش کی مظہر ہے۔اسی وجہ سے وقت کی گردش اور زمانے کی گردش کا تصور قائم ہوا ہے۔خیال رہے کہ لفظ" روزگار" کے معنی زمانے کے ہیں اس لیے"گردشِ روزگار" سے بھی

زمانے اور وقت کی گردش مراد ہوتی ہے۔ آسمان کے بارے میں مشرق کا قدیم تہذیبی تصور یہی ہے کہ یہ ہر وقت گردش میں رہتا ہے اور دنیامیں کسی کو بھی ایک حالت میں نہیں رہنے دیتا۔اسی بنا پر آسمان کو ظالم ، ستم گر،بے رحم،دنی،شریر،فتنہ پرور،دشمن وغیرہ کہا جاتا ہے۔چنانچہ اس تصور کے لحاظ سے آسمان،زمانہ اور وقت سب ایک ہیں جو دنیااور اہل دینا کے لیے رنج ومصیبت کا موجب ہیں۔

سوداکا یہ قصیدہ وقت اور زمانے کے خلاف اسی رد عمل کا فنکارانہ اظہار ہے۔یہاں سوداانسان کے اسی غصے اور احتجاج کو ظریفانہ پہلو سے بیان کرتے ہیں۔اس کے لیے انہوں نے جو پیرایہ اختیار کیاہے وہ اتنا پر لطف، دلکش اور متاثر کن ہے جس کی کوئی دوسری مثال اردو شاعری میں نہیں ملتی۔یہ قصیدہ کل 81/اشعار پر مشتمل ہے، جس میں شروع سے آخر تک سودا کی شاعرانہ مہارت،طباعی،ظریفانہ پہلوؤں کی تصویر کشی اور لطف زبان وبیان کا اعلیٰ معیار دیکھا جاسکتا ہے۔

اس قصیدے کی ایک امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں سودانے ایک فرضی قصے کے وسیلے سے زمانے کی خرابیوں کا بیان کیا ہے اور اس بیان میں طنز وظرافت کے بیحد مضحک پہلو پیدا کیے ہیں۔انہوں نے ایک نہایت نحیف ونزار گھوڑے کو زمانے کی علامت بناکر اس کی صفات کو ایسے پہلوؤں سے ظاہر کیا ہے کہ بیک وقت زمانہ اور اہل زمانہ کی زبوں حالی بھی نمایاں ہوتی ہے اور اس کی مضحکہ خیز صورت بھی سامنے آتی ہے۔اسی کے ساتھ زمانے کی خرابی انسانوں پر کس طرح اثرانداز ہوتی ہے،اس کا نقشہ بھی آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے۔

قصیدے کی ابتدا آسمان کے ذکر سے ہوتی ہے جس میں کہا جاتا ہے کہ آسمان جب سے وقت کے گھوڑے پر سوار ہوا ہے تب سے ایک لمحے کو بھی وہ نہیں رکا ہے۔اس کے بعد لوگوں کی بدحالی کا عمومی ذکر کر کے سودااپنے ایک دوست اور مہربان کا ذکر کرتے ہیں جن کے پاس ایک نہایت نحیف ونزار گھوڑا تھا۔اس گھوڑے کی زبوں حالی اور ضعف وناطاقتی کا کم وبیش بیس اشعار میں نہایت دلچسپ بیان کرنے کے بعد سودا کہتے ہیں کہ ایک دن انہیں کسی کام سے اس گھوڑے کو مستعار لینے کی ضرورت پیش آئی۔انہوں نے جب اس خواہش کا اظہار اپنے دوست سے کیا تو اس کے جواب میں انہیں گھوڑے کے بارے میں جو تفصیلات بتائی گئیں وہ انتہائی دلچسپ اور مضحکہ خیز ہیں۔ان کے دوست نے کئی ایسے واقعات کا ذکر کیا جن سے گھوڑے کی بدحالی اور خود اس کے مالک کی ناگفتہ بہ کیفیات کی جیتی جاگتی تصویر سامنے آتی ہے۔واضح رہے کہ قصیدے کا بڑا حصہ انہیں واقعات اور کیفیات کے بیان پر مشتمل ہے۔

اس کے بعد آخری تین اشعار میں سودانے قصیدے کا اختتام بھی انتہائی پر لطف انداز میں کیاہے۔انہوں نے اپنے دوست سے گھوڑے کی کیفیات کا بیان سننے کے بعد کہا کہ اے دوست!گھوڑے کے بارے میں اتنی بے سروپا باتیں بیان کرنے کی کیا ضرورت تھی۔آپ کا اتنا کہہ دیناہی کافی تھا کہ میرا گھوڑاابلق ہے۔میں اتنا ہوشیار ہوں کہ خود ہی سمجھ جاتا کہ اس گھوڑے کے پردے میں آپ نے کس کا بیان کیاہے۔اس کے بعد درج ذیل شعر پر قصیدے کا اختتام ہوتا ہے:

سودا نے تب قصیدہ کہا سن یہ ماجرا
ہے نام اس قصیدے کا تضحیک روزگار

اس قصیدے کے بنیادی موضوع کا تعلق زمانے سے ہے، اس لیے پہلے ہی شعر میں اس کا ذکر واضح صورت میں کیا گیا ہے۔ "ابلق" اس چتکبرے گھوڑے کو کہتے ہیں جس کے بدن پر سیاہ اور سفید دھبے ہوں۔ "ایام" یوم بمعنی دن کی جمع ہے جس سے وقت اور زمانہ مراد لیتے ہیں۔ چونکہ وقت کی رفتار دن اور رات کی گردش سے ظاہر ہوتی ہے، اس لیے ایام یعنی زمانے کو ابلق یعنی چتکبرہ گھوڑا کہا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ پہلو بھی پیش نظر رہے کہ وقت کی رفتار اور گردش آسمان کی گردش سے وابستہ ہے، اس لیے یہ کہنا کس قدر با معنی ہے کہ چرخ یعنی آسمان زمانے کے گھوڑے پر سوار ہے۔ پھر مزید یہ پہلو کہ وقت ایک پل کو بھی نہیں ٹھہرتا، اس لیے کہا گیا کہ آسمان کے ہاتھ میں گھوڑے کی جو باگ ہے اسے ذرا بھی قرار نہیں یعنی آسمان باگ کو مسلسل جنبش دیتا رہتا ہے۔

مشکل الفاظ:

تخلص	قلمی نام، شاعری میں استعمال ہونے والا دوسرا نام	Pen Name, Pseudonym Used In Poetry
باشندہ	رہنے والا، مقیم	Resident, Inhabitant
سپہ گری	جنگ کا پیشہ، فوجی خدمات	Soldiering, Military Profession
رسمِ زمانہ	رواج، ریت، دستور	Custom, Tradition Of The Time
ریختہ	اردو زبان کی ابتدائی شکل	Early Form Of Urdu Poetry
غیر معمولی	غیر عام، خاص، ممتاز	Extraordinary, Exceptional
مشورۂ سخن	شاعری کے متعلق رہنمائی یا اصلاح	Advice Or Guidance In Poetry
شاگردی	کسی کی تعلیم میں رہنا، تربیت حاصل کرنا	Apprenticeship, Discipleship
مضافات	نواحی علاقے	Suburbs, Surrounding Areas
چمکنے کا موقع	نمایاں ہونے کا موقع	Opportunity To Shine
بھرپور تخلیقی شخصیت	مکمل فنکارانہ مزاج	Fully Creative Personality
دراکی	فہم، تیزی، ذہانت	Insight, Sharpness
معاصرین	ہم عصر، ایک ہی دور کے افراد	Contemporaries
معرکہ	جھگڑا، مقابلہ	Conflict, Dispute
ہجو	طنزیہ شاعری	Satirical Poetry
چشمک	تنازع، جھگڑا	Clash, Conflict
نغزیات	لطیف خیالات	Subtle Thoughts

قادرالکلامی	زبردست بیان کی طاقت	Eloquence, Masterful Expression
نگارخانہ	آرٹ گیلری، رنگارنگ دنیا	Gallery, Kaleidoscope
تضحیک روزگار	زمانے کی ہنسی اڑانا	Mockery Of The Times
گردش روزگار	زمانے کی بدلتی حالت	Turmoil Of Time, Vicissitudes Of Fate
ظریفانہ	مزاحیہ، طنزیہ	Humorous, Satirical
امتیازی خصوصیت	خاص خوبی	Distinctive Feature
نحیف ونزار	کمزور، لاغر	Weak, Frail
صفات	خصوصیات	Qualities, Attributes
زبوں حالی	بدحالی، خراب حالت	Miserable Condition
مزاحیہ	ہنسی دلانے والا	Comic, Humorous
التماس	درخواست، عرض، التجا، فریاد	Request, Appeal, Plea

مشقیں:

مشق 1: ذیل میں دیے گئے جملوں میں صحیح اور غلط کی نشاندہی کیجیے۔

1۔ "تضحیک روزگار" ایک مدحیہ قصیدہ ہے۔ (   )
2۔ اس قصیدے میں گھوڑے کی ہجو کی گئی ہے۔ (   )
3۔ قصیدے میں گھوڑا عربی یا عراقی نسل کا ہے۔ (   )
4۔ گھوڑا اس قدر کمزور ہے کہ ہوا چلنے پر اڑ جاتا ہے۔ (   )
5۔ شاعر کے مطابق شیطان اسی گھوڑے پر سوار ہو کر جنت سے نکلا تھا۔ (   )

مشق 2: مندرجہ ذیل مصرعے مکمل کریں۔

1۔ ہے چرخ جب سے ابلق ایام پر.................
2۔ قصاب پوچھتا ہے مجھے کب کروگے...............
3۔ تنکا اگر پڑا کہیں دیکھے ہے..........................
4۔ ہے پیر اس قدر کہ جو بتلائے اس کا.....................

5۔ ہے نام اس قصیدے کا...............................

مشق 3: ذیل کے مصرعوں میں قافیہ کی نشاندہی کیجیے۔

1۔ موچی سے کفش پا کو گٹھاتے ہیں وہ ادھار

2۔ فاقوں کا اس کے اب میں کہاں تک کروں شمار

3۔ آیا یہ دل میں جایئے گھوڑے پہ ہو سوار

4۔ لوہا گلا کے تیغ بناوے کبھو لوہار

5۔ پہلے وہ لے کے ریگ بیاباں کرے شمار

مشق 4: درج ذیل الفاظ کے معنی لکھیے۔

باشندہ ....

مضافات ....

ہجو ....

نگار خانہ ....

التماس ....

4.3 قصیدہ "ہیں مرے آبلہ دل کے تماشا گوہر"

4.3.1 ذوق کے حالات زندگی:

ذوق کا پورا نام شیخ محمد ابراہیم اور ذوق تخلص تھا۔ 1790 میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد شیخ محمد رمضان ایک غریب اور معمولی سپاہی تھے اور دہلی میں کابلی دروازہ کے پاس رہتے تھے۔ ذوق اپنے باپ کے اکلوتے بیٹے تھے۔ بچپن ہی سے شاعری کا شوق تھا۔ ذوق کو یہ شوق وراثت میں نہیں ملا تھا بلکہ یہ ملکہ قدرت کی طرف سے عطا ہوا تھا۔ ان کے والد کے حالات ایسے نہ تھے کہ وہ عیش و آرام کے ساتھ ذوق کی تعلیم و تربیت کا کوئی خاص انتظام کر سکتے۔ چنانچہ ذوق جب درس لینے کے قابل ہوئے تو انہیں اسی محلے کے ایک بادشاہی حافظ غلام رسول کے پاس پڑھنے کے لیے بٹھا دیا گیا۔ حافظ غلام رسول شاعر بھی تھے اور شوق تخلص کرتے تھے۔ لیکن محمد حسین آزاد کے مطابق شعر گوئی کی طرف ذوق کی رہنمائی قدرت کا خاص عطیہ تھا۔ اس طرح ابتدائی دنوں میں ذوق شعر گوئی کی مشق کرتے رہے اور حافظ صاحب کو اپنا کلام دکھاتے رہے۔

ذوق کی نوجوانی کے زمانے میں اکبر شاہ ثانی مغل بادشاہ تھے۔ بہادر شاہ ظفر ولی عہدی کے زمانے میں ہی اپنی شعر گوئی کے لیے

مشہور تھے اور قابل ذکر اساتذہ سے اصلاح لیا کرتے تھے۔ شاہ نصیر اس وقت ولی عہد بہادر شاہ ظفر کی غزلوں کو اصلاح دیا کرتے تھے۔ دربار سے وابستگی نے ذوق کے شاعرانہ کمالات کو مزید شہرت دی۔ بہادر شاہ ظفر کے کلام کی اصلاح کا جو سلسلہ شروع ہوا تو ذوق کے آخری دم تک جاری رہا۔

اس وقت غزل گوئی شعرا کا اصل میدان تھا، لیکن ذوق نے قصیدہ گوئی کے فن میں اپنی مہارت اور کمال کا ایسا مظاہرہ کیا کہ قصیدہ ان کی نمایاں شناخت کا حصہ بن گیا۔ قصیدہ گو کی حیثیت سے جب ذوق کی شہرت حد درجہ پھیلنے لگی تو بادشاہِ وقت اکبر شاہ ثانی نے ذوق کو ”خاقانیِ ہند“ کے خطاب سے سرفراز کیا۔ جب ذوق کو یہ خطاب دیا گیا، اس وقت ان کی عمر قریب چالیس برس تھی۔ اردو شاعری کے آسمان کا یہ ماہِ تاباں یعنی شیخ محمد ابرہیم ذوق کا انتقال 1854 میں دہلی میں ہوا اور اسی خاک میں وہ دفن ہوئے۔

ذوق نے تاحیات اکبر شاہ ثانی اور بہادر شاہ ظفر کی شان میں قصیدے لکھے۔ وہ عام طور قصائد کے لیے شگفتہ زمینوں کا انتخاب کرتے ہیں لیکن کچھ قصائد میں سنگلاخ زمینوں کا استعمال بھی ملتا ہے۔ درج ذیل قصیدہ اس کی بہترین مثال ہے۔

4.3.2 قصیدہ ”ہیں مرے آبلہ دل کے تماشا گوہر“ متن (اقتباس):

ہیں، مرے آبلہٗ دل کے تماشا گوہر — اک گہر ٹوٹے تو ہوں کتنے ہی پیدا گوہر
نظر خلق سے چھپ سکتے نہیں اہل صفا — تہ دریا سے بھی جا ڈھونڈ نکالا گوہر
رزق تو در خور خواہش ہے پہنچتا سب کو — مرغ کو دانہ ملا ہنس نے پایا گوہر
پاک دنیا سے ہیں دنیا میں ہیں گو پاک سرشت — غرق ہے آب میں پر، تر نہیں اصلا گوہر
ہے دل صاف کو عزلت میں بھی گردوں سے غبار — گرد آلود یتیمی ہوا تنہا گوہر
کور باطن کو ہو کیا جوہر دانش کی شناخت — یہ پرکھتا نہیں جز دیدۂ بینا گوہر
سرکشی کرتے ہیں بے مغز نہ پرمغز وقار — جز حباب، آب سے سر کھینچے نہ بالا گوہر
ربط ناچیز سے کرتے ہیں کوئی پاک نہاد — ہو نہ ہم صحبت تار رگ خارا گوہر
دل خراش اور ہے طاقت دہِ دل ہے کچھ اور — کہ نہ گوہر کبھی ہیرا ہو نہ ہیرا گوہر
فیض کو عالم بالا کے ہے شرط استعداد — قطرہ یکجا ہے طباشیر، تو یکجا گوہر
صدق اور کذب پہ ہر نکتے کے ہے شرط نظر — کور کیا جانے یہ سچا ہے کہ جھوٹا گوہر
صاف باطن کی ہوجب قدر کہ ظاہر ہو درست — مول بھی ٹوٹ گیا صاف جو ٹوٹا گوہر
ہوتی غربت میں اگر قدر نہ خوش جوہر کی — تو کبھی کان سے باہر نہ نکلتا گوہر
دل عاشق میں کرے کیوں کہ نہ آنسو سوراخ — اسی الماس سے جاتا ہے یہ بیندھا گوہر

ذوق موقوف کر انداز غزل خوانی کو ڈھونڈ اس بحر میں اب تو کوئی اچھا گوہر
غوطہ دریائے سخن میں ہے لگانا بہتر آگے تقدیر سے خر مہرہ ملے یا گوہر

4.3.3 تشریح:

ہیں، مرے آبلۂ دل کے تماشا گوہر
اک گہر ٹوٹے تو ہوں کتنے ہی پیدا گوہر

اشک کا تعلق جذبے اور احساس سے ہے۔ اشک آنکھوں تک دل کے راستے سے آتا ہے لہٰذا اشک کا سفر دل سے ہوتا ہوا آنکھوں تک کا ہے۔ آبلہ پل بھر میں پھوٹ جاتا ہے اور آبلہ بعد کو زخم کی صورت اختیار کرلیتا ہے۔ گوہر بھی پانی کی نچلی سطح پر ہوتا ہے۔ اسے ہم سیپ میں دریافت کرتے ہیں۔ ذوق کے شعر میں دل ہی سیپ اور گوہر کا متبادل ہے۔ اس میں اتنی ہی گہرائی اور گیرائی ہے جو سمندر میں ہوسکتی ہے۔ گوہر دل کے ٹوٹنے کی وجہ سے گوہر اشک کا ایک سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ آنسو کا ایک قطرہ آنسوئوں کے سیلاب کا اشاریہ بھی ہے۔ اسی لیے شاعر نے ایک گہر کے ٹوٹنے کو بے شمار گہر کے پیدا ہونے کا وسیلہ بتایا ہے۔

نظر خلق سے چھپ سکتے نہیں اہل صفا
تہ دریا سے بھی جا ڈھونڈ نکالا گوہر

گوہر تہ دریا ہی میں پوشیدہ ہوتے ہیں۔ اہل صفا کی پاکیزگی اور صفائی بھی داخلی صفت کا حصہ ہے جو آسانی سے دکھائی نہیں دیتی۔ بس یہ ایک روشنی اور کیفیت ہے جسے اہل صفا کے کردار اور گفتار سے سمجھا اور محسوس کیا جاسکتا ہے۔ گوہر میں بھی ایک چمک ہوتی ہے اور اہل صفا میں جو روحانیت ہے اس کا اظہار بھی جس طرح ہوتا ہے، اس میں بہرحال ایک چمک شامل ہے۔ گویا اس دنیا میں کوئی خود کو چھپا نہیں سکتا۔ جس طرح بدی پھیل جاتی ہے اور لوگ بدکار انسانوں کو پہچان لیتے ہیں، ٹھیک اسی طرح سے اہل صفا بھی دنیا کی نظر سے اوجھل نہیں رہ سکتے۔ اہل صفا کے مزاج میں فطری طور پر خلوت نشینی ہوتی ہے۔ مگر خلق کی نظر اہل صفا کو دیکھ ہی لیتی ہے۔

رزق تو در خور خواہش ہے پہنچتا سب کو
مرغ کو دانہ ملا ہنس نے پایا گوہر

دنیا میں ہر شخص کا رزق موجود ہے اور انسان جس راستے سے چاہے رزق حاصل کر سکتا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ انسان کس راہ سے رزق حاصل کرنے کی تمنا رکھتا ہے۔ اگر مرغ کو گوہر مل جائے تو وہ اس کی خواہش کے مطابق نہیں، اسی طرح ہنس کو اگر دانہ مل جائے تو وہ بھی اس کی خواہش کے منافی ہوگا۔ ہنس ایک پرندہ ہے جو موتی چگتا ہے۔ مرغ اور ہنس دونوں کا رزق قدرت کی طرف سے متعین کیا گیا ہے اور اسی میں اس کی خوبصورتی کا راز پوشیدہ ہے۔ ہنس کا رنگ خود بھی موتی کی طرح سفید ہوتا ہے اور گوہر بھی سفید رنگ کا ہوتا ہے، اس طرح

گوہر اور ہنس کے درمیان ایک رشتہ قائم ہو جاتا ہے۔ انسان کے لیے بھی خدا نے رزق کا خاطر خواہ انتظام کیا ہے۔ خدا کسی کے لیے رزق کا دروازہ بند نہیں کرتا۔ جس انسان کا رزق بند ہو جائے وہ پھر دنیا سے اپنا رخت سفر باندھ لیتا ہے۔

پاک دنیا سے ہیں دنیا میں ہیں گو پاک سرشت
غرق ہے آب میں پر، تر نہیں اصلا گوہر

دنیا میں رہ کر بھی دنیا کی آلائشوں سے بچا جا سکتا ہے۔ کار دنیا میں رہ کر خود کو پاک و صاف رکھنا زیادہ مشکل کام ہے۔ ایسے انسان کی مثال اس گوہر کی ہے جو پانی میں غرق ہے مگر پانی سے محفوظ بھی ہے۔ گوہر تو سیپ کے اندر ہوتا ہے۔ پانی اندر داخل نہیں ہو سکتا۔ یہاں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ دنیا کے درمیان رہ کر ہی اپنی ذات کو آلائشوں سے پاک رکھنا ہے۔

ہے دل صاف کو عزلت میں بھی گردوں سے غبار
گرد آلود یتیمی ہوا تنہا گوہر

جو صاف دل ہے اس میں یوں بھی غبار کہاں سے آئے گا۔ آسمان کا رنگ دھندلا اور غبار آلود ہے۔ دل صاف جب آسمان کی طرف دیکھتا ہے تو اسے غبار نظر آتا ہے۔ دوسرے مصرعہ میں گوہر کو بھی گرد آلود بتایا گیا ہے۔ گوہر بھی سیپ کے اندر تنہا ہے اور وہ جس گھر کے اندر پوشیدہ ہے وہ بھی ایک طرح سے گرد آلود ہے۔ ذوق نے صفائی اور غبار کو کچھ اس طرح شعر میں پیش کیا ہے کہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ صفائی غبار کے بغیر اپنا کوئی جواز نہیں رکھتی۔ یتیم کا کوئی پرسان حال نہیں ہوتا، یہی وجہ ہے کہ یتیم گرد آلود نظر آتا ہے۔ اس کے چہرے پر زمانے کی دھول اس کی شناخت بن جاتی ہے۔ اس کے پژمردہ چہرے کو دیکھ کر ہی اس کی یتیمی کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔

کور باطن کو ہو کیا جوہر دانش کی شناخت
یہ پرکھتا نہیں جز دیدۂ بینا گوہر

جو کم ذہن ہے اور جس میں ادراک کی کمی ہے وہ جوہر دانش کی شناخت کیوں کر کر سکتا ہے؟ دانش تو فراست ہے اور بے وقوفی ہمیشہ دانش کی دشمن بھی ہوتی ہے۔ جوہر دانش کو صرف دیدۂ بینا ہی دیکھ سکتی ہے۔ دیدۂ بینا کے علاوہ کوئی ایسی نظر نہیں جو دانش کو پہچان سکے۔

سرکشی کرتے ہیں بے مغز نہ پرمغز و قار
جز حباب، آب سے سر کھینچے نہ بالا گوہر

عقل مند اور باوقار آدمی سرکشی نہیں کرتا۔ گوہر سیپ کے اندر ہوتا ہے۔ حباب بھی پانی میں ہے اور اگر وہ اپنا سر کھینچے تو پھر اس کا وجود ختم ہو جائے گا اور وہ بہر حال بلند نہیں ہو سکتا۔ باوقار شخص ضبط اور تحمل سے کام لیتا ہے اور کبھی اس کی طبیعت میں ابال آئے اور مزاج برہم ہو، اس صورت میں بھی وہ عقلمندی سے کام لیتا ہے۔ بے عقلوں کی طرح غصہ سے آگ بگولہ ہو کر دشنام درازی پر آمادہ نہیں ہوتا۔ گویا باوقار شخص کی مثال بھی ایک گوہر کی طرح ہے کہ جو سیپ سے باہر نہیں نکلتا۔

ربط ناچیز سے کرتے ہیں کوئی پاک نہاد
ہو نہ ہم صحبت تار رگ خارا گوہر

جن کی فطرت میں پاکی اور پاکیزگی ہے وہ ان لوگوں سے ربط قائم نہیں کرسکتے جن کے یہاں یہ خوبی نہیں پائی جاتی۔ اسے وہ ناچیز سے موسوم کرتے ہیں۔ جس طرح گوہر خار سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ گوہر بھی سیپ میں بند ہے اور اس کی پاکیزگی کا راز بھی اسی میں پوشیدہ ہے۔ حباب اگر نوک خار کی صحبت اختیار کرلے تو اس صورت میں حباب پھوٹ جائے گا۔ اسی وجہ سے گوہر صحبت تار رگ خار کی طرف مائل نہیں ہوتا۔ تار رگ خار کی طرف گوہر کا مائل نہ ہونا خود اس کی زندگی کے لیے بہت اہم ہے۔ اسی طرح پاک نہاد کو بھی پاکیزہ لوگوں کی ہی صحبت اختیار کرنی چاہیے۔ پاک نہاد انسان اگر اپنی پاکیزگی کی حفاظت نہیں کرے گا تو پھر اس کی پاکیزگی بھی بری صحبتوں کی نذر ہو جائے گی۔

دل خراش اور ہے طاقت دہِ دل ہے کچھ اور
کہ نہ گوہر کبھی ہیرا ہو نہ ہیرا گوہر

دل خراش اور طاقت دہِ دل کے درمیان جو فرق ہے اسے گوہر اور ہیرا کے فرق سے واضح کیا گیا ہے۔ دل خراش ایک ایسی صورت حال ہے جو محسوس کی جاسکتی ہے۔ طاقت دہ دل کو بھی محسوس ہی کیا جاسکتا ہے اور اس کا مطلب ہے دل کو طاقت دینے والا۔ ظاہر ہے جو دل خراش ہے وہ دل کو قوت تو نہیں پہنچا سکتا۔ ہیرا نہ گوہر ہو سکتا ہے اور نہ ہی گوہر ہیرا ہو سکتا ہے۔ ہیرے کے ذریعہ شیشے پر خراش لگائی جاتی ہے اور گوہر سے سیپ کے دل کو تقویت ملتی ہے۔ سیپ کے دل کو تقویت ملنے کا مطلب یہ ہوا کے سیپ کی قیمت میں اضافہ ہوتا ہے۔ گوہر کو دیکھ آنکھ میں چمک پیدا ہوتی ہے۔ یہ چمک بھی تقویت دل کا باعث ہے۔ ہیرے کی بھی اپنی ایک قیمت ہوتی ہے لیکن ہیرا کبھی باعث تقویت دل نہیں ہو سکتا۔

فیض کو عالم بالا کے ہے شرط استعداد
قطرہ یکجا ہے طباشیر، تو یکجا گوہر

طباشیر ایک سفید رنگ کی دوا ہے، جو بانس کے گانٹھوں سے نکلتی ہے۔ لکھنے پڑھنے سے استعداد پیدا ہوتی ہے، اگر صلاحیت ہو گی تو پھر جو عالم بالا ہے اس سے فیض یاب ہوا جاسکتا ہے۔ استعداد بھی بوند بوند قطرہ قطرہ جمع ہوتی ہے اور یہ اچانک پیدا نہیں ہوتی۔ بانس کی وہ سفیدی بھی قطروں سے مل کر تیار ہوتی ہے۔ گویا جب طباشیر یعنی چاک بن کر تیار ہو گیا تو ایک طرح سے گوہر کی تخلیق ہو گئی یا گوہر تیار ہو گیا، یا گوہر یکجا صورت میں سامنے آگیا۔

صدق اور کذب پہ ہر نکتے کے ہے شرط نظر
کور کیا جانے یہ سچا ہے کہ جھوٹا گوہر

صدق سچا ہے اور کذب جھوٹا۔ سچ اور جھوٹ میں تمیز کے لیے نظر کی شرط لگائی گئی ہے اور نظر ہی بالآخر ایک ایسی شئے ٹھہرتی ہے جو فیصلہ کر سکتی ہے کہ سچ کیا ہے اور جھوٹ کیا ہے۔ جو بے وقوف ہے وہ سچ اور جھوٹ کو سمجھ نہیں سکتا۔ چوں کہ یہاں گوہر کی طرف اشارہ ہے لہٰذا گوہر اصلی ہے یا نقلی اس کا فیصلہ کم عقل آدمی نہیں کر سکتا۔

صاف باطن کی ہو جب قدر کہ ظاہر ہو درست
مول بھی ٹوٹ گیا صاف جو ٹوٹا گوہر

باطن کی قدر وہی کر سکتا ہے جس کا خارج بھی درست ہے۔ یعنی جس کا ظاہر درست نہیں ہے اس کے باطن کی قدر دانی بھی مشکل ہو جاتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ظاہر باطن سے بے تعلق نہیں رہ سکتا ہے۔ ظاہر ہی کو دیکھ کر باطن کا سراغ ملتا ہے اور ہم ظاہر سے باطن کی طرف جاتے ہیں۔ لہٰذا کوئی شئے کتنی قیمتی اور اہم ہے اس کا اظہار اولاً ظاہر ہی سے ہوتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح جس طرح کہ اگر گوہر ٹوٹ جائے تو اس کی قیمت بھی کم ہو جاتی ہے۔ باوجود اس کے کہ وہ چمکیلا ہے لیکن اس کا ٹوٹ جانا اس کی قیمت کو گرا دیتا ہے۔

ہوتی غربت میں اگر قدر نہ خوش جوہر کی
تو کبھی کان سے باہر نہ نکلتا گوہر

سیپ کی شکل بھی انسان کے کان کی طرح ہوتی ہے۔ سیپ ہی موتیوں کی کان ہیں۔ ان کی قیمت بازار میں بہت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان موتیوں کو حاصل کرنے کے لیے سیپ تلاش کیے جاتے ہیں۔ انہیں جمع کیا جاتا ہے اور بڑی تعداد میں موتی دریافت کیے جاتے ہیں۔ اگر موتیوں کی قدر نہ ہوتی تو سیپ بھی نہ تلاش کیے جاتے اور موتی ہمیشہ سیپ کے جگر میں غربت کی زندگی گزارتے۔

دل عاشق میں کرے کیوں کہ نہ آنسو سوراخ
اسی الماس سے جاتا ہے یہ بیندھا گوہر

عاشق کے دل میں جو آنسو سوراخ کر رہا ہے وہ یوں تو دل ہی سے نکلا ہے اور دل کے راستے سے اسے آنکھوں تک آنا ہے۔ لیکن ذوق نے یہاں آنسو کو بیندھا گوہر کہہ کر اس کے راستے کی طرف اشارہ کیا ہے کہ وہ جاتا ہے تو اسی الماس کی طرف سے جاتا ہے۔ آنسو جو آنکھوں تک دل کے راستے سے آتا ہے وہ پھر دل کی طرف رخصت ہوتا ہے اور عاشق کے دل کو چھلنی کر دیتا ہے۔ آنسو کا دل عاشق میں رہنے کے باوجود دل عاشق میں سوراخ کرنا اس طرف اشارہ ہے کہ آنسو دل عاشق کے لیے نقصان دہ ہے۔ گوہر میں سوراخ کیا جاتا ہے تا کہ موتیوں کو پرویا جا سکے۔ اگر گوہر میں سوراخ نہ کیا جائے تو پھر اسے دھاگے میں پرویا نہیں جا سکتا۔

ذوق موقوف کر انداز غزل خوانی کو
ڈھونڈ اس بحر میں اب تو کوئی اچھا گوہر

شاعر نے جو کچھ کہا ہے وہ غزل ہی کی صورت میں کہا ہے، اسی لیے وہ اسے انداز غزل خوانی کہتا ہے۔ چوں کہ اس کی ردیف گوہر

ہے لہٰذا ایک اچھا موقع ہاتھ آیا کہ بحر کا لفظ استعمال کر کے کسی اور گوہر کو تلاش کرنے کی بات کی جائے۔

گوہر سے مراد کچھ ایسے مضامین بھی ہیں جو ابھی تک شاعر کی گرفت سے باہر ہیں۔اچھے گوہر سے اشارہ بہادر شاہ ظفر کی مدح بھی ہے۔بحر یعنی بحر قصیدہ گوئی۔قصیدہ گوئی کا اصل مقصد ممدوح کی مدح ہے۔ذوق اس شعر کے ذریعہ مدح کی طرف آنا چاہتے ہیں۔قصیدہ نگار کسی نہ کسی بات کے ذریعہ پہلو بدلتا ہے اور مدح کی طرف آتا ہے۔ظاہر ہے اس شعر سے گریز کا عمل شروع ہو رہا ہے۔گریز کا شعر مدح اور تشبیب کے درمیان ایک دلچسپ موڑ کا کام کرتا ہے۔ذوق نے تشبیب کے مضامین کو غزل خوانی سے تعبیر کیا ہے۔پھر ذوق یہ بھی بتاتے ہیں کہ دریائے سخن میں غوطہ لگانا ہی بہتر عمل ہے۔دریائے سخن کی غوطہ زنی میں اس بات کا امکان ہے کہ شاعر کو حسن تقدیر سے کوئی قیمتی گوہر مل جائے۔دریائے سخن میں غوطہ زنی کرنے کے بعد اب تک جو چیز حاصل ہوئی ہے، وہ مقصد کے مطابق نہیں ہے۔یعنی اب تک جو مضامین ہاتھ آئے، وہ مدح کے مضامین نہیں ہیں۔اس لیے ایک بار اور دریائے سخن میں غوطہ لگانا لازمی ہے۔

غوطہ دریائے سخن میں ہے لگانا بہتر
آگے تقدیر سے خر مہرہ ملے یا گوہر

خر مہرہ کے معنی سیپ یا کوڑی کی ہے۔غوطے کے دوران سمندر سے اگر گوہر ملے تو غوطہ زنی کا مقصد پورا ہو جائے گا اور اگر غوطہ خور کو خر مہرہ یعنی سیپ یا کوڑی ملے تو اس کی کوئی قیمت نہیں ہو گی۔کیوں کہ دریا میں سیپ اور کوڑیوں کی کوئی کمی نہیں ہے۔یہ تو بڑی تعداد میں موجود ہیں۔ذوق نے دریائے سخن میں غوطہ لگانے کی بات کی ہے۔ظاہر ہے کہ دریائے سخن میں غوطہ زنی کے بعد جو کچھ حاصل ہو گا اسے تقدیر سے وابستہ کر دیا ہے۔لیکن دریائے سخن سے کچھ نہ کچھ تو حاصل ہو گا ہی۔اس شعر میں حسن طلب کا عنصر بھی نمایاں ہو گیا ہے۔تقدیر سے گوہر ملنے کا احساس حسن طلب ہی کا حصہ ہے۔شاعر خاموشی کے ساتھ اپنی خواہش کا اظہار کرتا ہے۔

اس شعر کا ایک مطلب تو یہ ہو گا کہ شاعر ممدوح کی مدح کے لیے مناسب اور عمدہ مضامین کی تلاش میں کوشاں ہے، لیکن شعر کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ دریائے سخن میں غوطہ زنی کر کے ممدوح کی خوب تعریف و توصیف کی جائے۔اب تقدیر پر یہ بات منحصر ہے کہ بادشاہ کے دربار سے خالی ہاتھ لوٹنا پڑے گا یا بادشاہ نادر جوہر سے نوازے گا۔

مشکل الفاظ:

وراثت	موروثی طور پر حاصل شدہ چیز	Inheritance
ملکہ	قدرتی صلاحیت	Natural Talent / Gift
مستزاد	مزید، اضافی	In Addition, Furthermore
عیش و آرام	آسائش، سکون	Comfort And Luxury
تعلیم و تربیت	پڑھائی اور اخلاقی تربیت	Education And Upbringing

رہنمائی	رہبری، راہ دکھانا	Guidance
عطیہ	تحفہ، خدا کی طرف سے بخشش	Gift, Divine Blessing
تذکرہ نگار	سوانح لکھنے والا	Biographer, Chronicler
مظاہرہ	پیشکش، نمائش	Display, Demonstration
خاقانیِ ہند	ہندوستان کا خاقانی (خاقانی ایک مشہور فارسی قصیدہ گو شاعر)	Khāqānī Of India (Title Of Honor For A Great Poet)
سرفراز کرنا	عزت دینا، نوازنا	To Honor, To Bestow
ماہِ تاباں	روشن چاند، چمکتا ستارہ	Shining Moon / Bright Luminary
آبلۂ دل	دل کے زخم، درد	Blister Of The Heart / Heart's Wound
اہلِ صفا	پاک دل لوگ	Pure-Hearted People
درخور	لائق، قابل	Worthy, Deserving
پاک سرشت	نیک فطرت	Pure-Natured
عزلت	تنہائی	Seclusion, Solitude
گردوں	آسمان، فلک	Sky, Heavens
کور باطن	اندھی بصیرت والا، بے شعور	Spiritually Blind
سرکشی	بغاوت، ضد	Rebellion, Defiance
بے مغز	بے عقل، خالی دماغ	Brainless, Foolish
ناچیز	حقیر، بے وقعت	Worthless, Insignificant
دل خراش	دل دکھانے والا، دردناک	Heartbreaking
طاقت دہ	حوصلہ دینے والا	Strength-Giving, Empowering
عالم بالا	آسمانی دنیا، ماورائی دنیا	Higher World, Heavenly Realm
صدق و کذب	سچ اور جھوٹ	Truth And Falsehood
باطن	اندرونی حالت	Inner Self, Essence
موقوف	روک دینا، محدود کرنا	Cease, Suspend

غوطہ	ڈبکی، چھلانگ	Dive
دریائے سخن	شاعری کا سمندر	Ocean Of Poetry
گہر / گوہر	موتی، قیمتی چیز	Jewel, Rare Gem
تہ دریا	سمندر کی تہہ	Depth Of The Ocean
مرغ	پرندہ، خاص طور پر مرغا	Bird, Specifically Rooster
دانہ	غذا، خوراک	Grain, Food
ہنس	ایک قسم کا خوبصورت پرندہ	Swan

مشقیں:

مشق 1: ذیل میں دیے گئے جملوں میں صحیح اور غلط کی نشاندہی کیجیے۔

1۔ ذوق کا پورا نام شیخ محمد ابراہیم اور ذوق تخلص تھا۔ (   )
2۔ ذوق کو "خاقانیِ ہند" کے خطاب سے سرفراز کیا۔ (   )
3۔ قصیدے میں ایک گہر کے ٹوٹنے سے بہت سے گوہر پیدا ہوتے ہیں۔ (   )
4۔ اگر مرغ کو گوہر مل جائے تو وہ خوش ہو جائے گا۔ (   )
5۔ صدق جھوٹا ہوتا ہے اور کذب سچا ہوتا ہے۔ (   )

مشق 2: مندرجہ ذیل مصرعے مکمل کریں۔

1۔ پاک دنیا سے ہیں دنیا میں ہیں گو پاک..................
2۔ سرکشی کرتے ہیں بے مغز نہ پر مغز......................
3۔ کور کیا جانے یہ سچا ہے کہ.......................... ....
4۔ ہوتی غربت میں اگر قدر نہ خوش......................
5۔ غوطہ دریائے سخن میں ہے لگانا.........................

مشق 3: ذیل کے مصرعوں میں قافیہ کی نشاندہی کیجیے۔

1۔ مرغ کو دانہ ملا ہنس نے پایا گوہر
2۔ گرد آلود یتیمی ہوا تنہا گوہر

3۔ کہ نہ گوہر کبھی ہیرا ہو نہ ہیرا گوہر

4۔ مول بھی ٹوٹ گیا صاف جو ٹوٹا گوہر

5۔ ڈھونڈا اس بحر میں اب تو کوئی اچھا گوہر

مشق 4: درج ذیل الفاظ کے معنی لکھیے۔

عطیہ ....

درخور ....

بے مغز ....

موقوف ....

تہ دریا ....

دریائے سخن ....

4.4 اکتسابی نتائج

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ نے درج ذیل باتیں سیکھیں:

- سودا کے زیادہ تر قصیدے مدحیہ ہیں، لیکن انھوں نے کئی قابل ذکر قصیدے اشخاص کی ہجو میں بھی لکھے ہیں۔
- سودا نے ایک قصیدے میں زمانے کی ہجو نہایت دلچسپ پیرائے میں بیان کی ہے اور اس قصیدے کو "تضحیک روزگار" کا نام دیا ہے۔
- سودا کو قدرت نے شعر گوئی کی غیر معمولی صلاحیت سے نوازا تھا۔ سودا نے پہلے سلیمان قلی خاں سے مشورۂ سخن کیا، پھر شاہ حاتم کی شاگردی اختیار کی۔
- سودا کا یہ قصیدہ ہجو یہ ہے، لیکن اس میں کسی شخص کی ہجو نہیں بیان کی گئی ہے، بلکہ یہاں زمانے کی ہجو مضحکہ خیز صورت میں بیان ہوئی ہے۔
- ذوق کا پورا نام شیخ محمد ابراہیم اور ذوق تخلص تھا۔ 1790ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔
- ذوق نے قصیدہ گوئی کے فن میں اپنی مہارت اور کمال کا ایسا مظاہرہ کیا کہ قصیدہ ان کی نمایاں شناخت کا حصہ بن گیا۔
- قصیدہ گو کی حیثیت سے جب ذوق کی شہرت حد درجہ پھیلنے لگی تو بادشاہِ وقت اکبر شاہ ثانی نے ذوق کو " خاقانیِ ہند" کے خطاب سے سرفراز کیا۔
- ذوق کے تمام قصیدے اکبر شاہ ثانی اور بہادر شاہ ظفر کی مدح میں لکھے گئے ہیں۔

4.6 نمونۂ امتحانی سوالات

4.6.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1۔ سودا کا اصل نام کیا تھا؟

(a) مرزا محمد شفیع (b) مرزا محمد رفیع (c) مرزا قمر الدین (d) مرزا کمال الدین

2۔ سودا کو کس صنفِ سخن میں خاص مہارت حاصل تھی؟

(a) مثنوی (b) مرثیہ (c) قصیدہ (d) نظم

3۔ قصیدہ "تضحیکِ روزگار" میں گھوڑے کو کس چیز کی علامت بنایا گیا ہے؟

(a) زمانہ (b) محبت (c) بادشاہ (d) رفتار

4۔ "تضحیکِ روزگار" کس قسم کا قصیدہ ہے؟

(a) مدحیہ (b) رزمیہ (c) ہجویہ (d) مرثیہ

5۔ سودا کا زمانہ کس مغل بادشاہ کے دور سے متعلق ہے؟

(a) اکبر شاہ ثانی (b) شاہ عالم (c) بہادر شاہ ظفر (d) محمد شاہ

6۔ سودا نے اردو شاعری میں کس استاد سے اصلاح لی؟

(a) خان آرزو (b) شاہ حاتم (c) میر حسن (d) ولی دکنی

7۔ ذوق کا اصل نام کیا تھا؟

(a) شیخ ابراہیم (b) شیخ اسماعیل (c) شیخ احمد (d) احمد علی

8۔ ذوق کو ابتدائی تعلیم کس شخص سے حاصل ہوئی؟

(a) مولوی عبد الرحمن (b) حافظ غلام رسول (c) میر تقی میر (d) مرزا غالب

9۔ ذوق کو کس عہدے پر فائز کیا گیا تھا؟

(a) وزیر (b) مشیر (c) ملک الشعرا (d) مدیر

10۔ ذوق کے شاگردوں میں سب سے نمایاں کون تھے؟

(a) غالب (b) داغ (c) ظفر (d) میر

4.6.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات:

1۔ مرزا محمد رفیع سودا کی ابتدائی زندگی اور شاعری کے آغاز پر مختصر نوٹ لکھیں۔

2۔ سودا نے "تضحیکِ روز گار" میں گھوڑے کو کس طرح سے زمانے کی علامت کے طور پر استعمال کیا ہے؟

3۔ قصیدہ "تضحیکِ روز گار" میں طنز و مزاح کے کون کون سے عناصر نمایاں ہیں؟

4۔ ذوق کے حالات زندگی پر مختصر نوٹ لکھیے۔

5۔ ذوق نے شامل نصاب قصیدے میں گوہر کو کن کن معنی میں استعمال کیا ہے؟

4.6.3 طویل جوابات کے حامل سوالات:

1۔ شامل نصاب قصیدے کی روشنی میں سودا کی قصیدہ نگاری کا جائزہ لیجیے۔

2۔ تضحیک روز گار کا خلاصہ اپنے الفاظ میں لکھیے۔

3۔ درج ذیل اشعار کی تشریح کیجیے۔

رزق تو در خور خواہش ہے پہنچتا سب کو
مرغ کو دانہ ملا ہنس نے پایا گوہر
صدق اور کذب پہ ہر نکتے کے ہے شرط نظر
کور کیا جانے یہ سچا ہے کہ جھوٹا گوہر

4.6.1 کے جوابات: b-1 c-2 a-3 c-4 a-5

b-6 a-7 b-8 c-9 c-10

بلاک II

اکائی 5: مرثیہ

حضرت حُر کی شہادت (میر انیس)، اسیری اہل حرم (مرزا دبیر)، مرثیہ غالب (مولانا حالی)

اکائی کے اجزا

5.0 تمہید
5.1 مقاصد
5.2 مرثیے کے اہم کردار
5.3 مرثیہ: حضرت حُر کی شہادت (انیس)
5.3.1 میر انیس کا تعارف
5.3.2 مرثیے کا منتخب متن
5.3.3 خلاصہ
5.4 مرثیہ: اسیری اہل حرم (دبیر)
5.4.1 مرزا دبیر کا تعارف
5.4.2 مرثیے کا منتخب متن
5.4.3 خلاصہ
5.5 مرثیہ: مرثیہ غالب (حالی)
5.5.1 مولانا حالی کا تعارف
5.5.2 مرثیے کا منتخب متن
5.5.3 خلاصہ
5.6 اکتسابی نتائج
5.7 نمونۂ امتحانی سوالات

5.0 تمہید

مرثیہ کے معنیٰ رونے، پیٹنے کے ہیں۔ اردو میں دو طرح کے مرثیے رائج ہیں۔ جس میں کربلا کے شہیدوں کا تذکرہ اور اہلِ حرم کی اسیری کا واقعہ بیان کیا جائے اسے مرثیہ کہتے ہیں۔ اور جس میں کسی مشہور شخصیت کی وفات پر تعزیتی نظم لکھی جائے اسے شخصی مرثیہ کہتے ہیں۔ جیسے مرزا غالب نے اپنے بھانجے عارف کی موت پر، حالی نے غالب کی وفات اور علامہ اقبال نے اپنی والدہ کی یاد میں اور جوش نے گاندھی جی کا مرثیہ کہا۔

اردو کے ابتدائی دور میں مرثیہ کی کوئی ہیئت مقرر نہیں تھی بلکہ ہر وہ نظم جس میں کربلا کا واقعہ بیان کیا جاتا تھا مرثیہ کہلاتا تھا۔ زبان کے ارتقا کے ساتھ ساتھ اس کی ہیئت میں بھی تبدیلی ہوتی گئی اور مرثیہ مسدس کی شکل میں لکھا جانے لگا۔ اس اکائی میں ہم میر انیس، مرزا دبیر اور مولانا الطاف حسین حالی کے مرثیوں کے منتخب بند کا مطالعہ کریں گے۔

5.1 مقاصد

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- نصاب میں شامل مرثیہ نگاروں کے بارے میں مختصر طور پر جان سکیں۔
- نصاب میں شامل مرثیے کے منتخب بند کا مطالعہ کر سکیں۔
- انیس و دبیر اور حالی کے مرثیوں کا خلاصہ پیش کر سکیں۔
- مرثیہ کو صحیح تلفظ کے ساتھ پڑھ سکیں۔

5.2 مرثیے کے اہم کردار

مرثیے کے مطالعے سے پہلے مناسب ہوگا کہ ہم مرثیوں میں پائے جانے والے کرداروں کا مختصر تعارف پیش کر دیں تاکہ مرثیوں کو سمجھنے میں آسانی ہو۔ ذیل میں مرثیے کے اہم کرداروں کے نام دیے جا رہے ہیں۔

1. **امام حسین علیہ السلام:** پیغمبر اسلام محمدؐ صاحب کے نواسے اور حضرت علیؑ و فاطمہؑ کے فرزند تھے۔ نہایت شجاع اور بہادر تھے۔ اسلام کو بچانے کے لیے یزید کی بیعت سے انکار کیا اور اپنی جان قربان کر دی۔
2. **حضرت عباسؑ:** امام حسینؑ کے چھوٹے بھائی اور حسینی لشکر کے علمبردار۔
3. **امام زین العابدینؑ:** امام حسینؑ کے بڑے فرزند جنھیں امام حسینؑ کی شہادت کے بعد اسیر کر کے کوفہ و شام لے جایا گیا۔
4. **جناب مسلم بن عقیلؑ:** امام حسینؑ کے چچازاد بھائی جن کو امام حسینؑ نے اپنا سفیر بنا کر کوفہ بھیجا تھا۔ 9 ذی الحجہ کو کوفہ میں آپ کو شہید کیا گیا۔
5. **جناب زینب بنت علیؑ:** امام حسینؑ کی بڑی بہن جو کربلا میں آپ کے ہمراہ تھیں۔

6. **جناب ام کلثومؑ:** امام حسینؑ کی چھوٹی بہن آپ بھی کربلا میں موجود تھیں۔

7. **جناب علی اکبرؑ:** امام حسینؑ کے دوسرے فرزند جو کربلا میں شہید ہوئے۔

8. **جناب علی اصغرؑ:** امام حسینؑ کے چھ ماہ کے فرزند جو حرملا کے تیر کا نشانہ بنے۔

9. **جناب قاسم ابن حسنؑ:** امام حسینؑ کے بھتیجے اور امام حسنؑ کے تیرہ سال کے صاحب زادے جنہوں نے اپنے چچا کی نصرت میں جان قربان کی۔

10. **جناب عون و محمدؑ:** جناب زینبؑ کے کمسن بچے جو میدان کربلا میں شہید ہوئے۔

11. **جناب حُر:** حر بن یزید تمیمی، ابن زیاد کے سپہ سالار جو حسینی قافلہ کو کربلا میں گھیر لائے تھے۔ بعد میں امام حسینؑ کے ساتھ مل گئے اور شہید ہوئے۔

12. **یزید بن معاویہ:** شام کا حاکم جس نے امام حسینؑ کے قتل کا حکم دیا۔

13. **عبید اللہ ابن زیاد:** کوفہ کا گورنر، نہایت ظالم و جابر

14. **عمر بن سعد:** ابن زیاد کی طرف سے امام حسینؑ کے مقابلے میں کربلا آیا تھا۔

15. **شمر:** یزیدی فوج کا سردار جس نے امام حسینؑ کا سر اقدس تن (جسم) سے جدا کیا۔

5.3 مرثیہ: حضرت حُر کی شہادت (انیس)

5.3.1 میر انیس کا تعارف:

میر ببر علی نام تھا۔ انیسؔ تخلص کرتے تھے۔ میر خلیق کے سب سے بڑے بیٹے تھے۔ ان کے دادا میر حسن اردو کی مشہور مثنوی "سحر البیان" کے مصنف تھے۔

میر انیسؔ 1803ء میں فیض آباد میں پیدا ہوئے۔ 1842ء میں فیض آباد سے لکھنؤ آئے۔ اس وقت ان کی عمر تقریباً چالیس برس تھی۔ گھر کے مذہبی ماحول کی وجہ سے بچپن ہی سے مرثیہ کہنے لگے۔

میر انیسؔ فطرتاً نہایت خوش خلق، منکسر المزاج، خوددار تھے۔ 1874ء میں لکھنؤ میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔ میر انیس کے مرثیوں کی پانچ جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔ مگر اس کے باوجود بہت سا کلام غیر مطبوعہ رہ گیا ہے۔ اس کے علاوہ متعدد سلام، رباعیات اور قطعات بھی کہے ہیں۔

5.3.2 مرثیہ: بخدا فارسِ میدانِ تہور تھا حُرؔ (شہادت کے منتخب بند)

نیم وا چشم سے حُر نے، رخِ مولا دیکھا زیرِ سر، زانوئے شبیرؔ کا تکیا دیکھا
مسکرا کر طرفِ عالمِ بالا دیکھا شہ نے فرمایا کہ اے حُرِ جری کیا دیکھا

عرض کی حسن رخِ حور نظر آتا ہے
فرش سے عرش تلک نور نظر آتا ہے
باغ فردوس دکھاتا ہے مجھے اپنی بہار صاف نہریں ہیں رواں جھوم رہے ہیں اشجار
شاخوں سے میری طرف بڑھتے ہیں میوے ہر بار حوریں لاتی ہیں جواہر کے طبق بہرِ نثار
ہے یہ رضواں کی صدا دھیان کدھر تیرا ہے
دیکھ اے شاہ کے مہمان یہ گھر تیرا ہے
مجھ کو لینے چلے آتے ہیں فرشتے یا شاہ ملک الموت بھی کرتا ہے محبت کی نگاہ
خلد سے شیر خدا نکلے ہیں اللہ اللہ لو برآمد ہوئے شبّر بھی پدر کے ہمراہ
ننگے سر احمد مختار کی پیاری آئی
دیکھئے آپ کے نانا کی سواری آئی
قبلہ رو کیجئے لاشہ مرا اے قبلۂ دیں پڑھئے یٰسین کہ اب ہے یہ دم باز پسیں
کوچ نزدیک ہے، اے بادشہِ عرش نشیں لیجئے تن سے نکلتی ہے مری جانِ حزیں
بات بھی اب تو زباں سے نہیں کی جاتی ہے
کچھ اڑھا دیجئے مولا، مجھے نیند آتی ہے
کہہ کے یہ گود میں شبیرؑ کے لی انگڑائی آیا ماتھے پہ عرق چہرے پہ زردی چھائی
شہ نے فرمایا ہمیں چھوڑ چلے کیوں بھائی چل بسے حُرِّ جری پھر نہ کچھ آواز آئی
طائرِ روح نے پرواز کی طوبیٰ کی طرف
پتلیاں رہ گئیں پھر کر شہِ والا کی طرف

5.3.3 خلاصہ:

یہ مرثیہ میر انیس نے جناب حُر کی شہادت کے بیان میں لکھا ہے۔ جو 136 بند پر مشتمل ہے جس میں جناب حُر کی فوج یزید سے امام حسینؑ کے لشکر سے آملنے کا واقعہ، پھر امام عالی مقام کی اجازت جنگ کے لیے جانے اور شہادت پانے کا تفصیل سے بیان ہے۔

جناب حُر کا پورا نام حُر بن یزید ریاحی تھا۔ ان کا تعلق قبیلہ تمیم سے تھا۔ کوفہ کے رہنے والے تھے۔ حُر نے کوفہ کے گورنر ابن زیاد کی طرف سے ایک ہزار کا لشکر لے کر امام حسین علیہ السلام کو کوفہ جانے سے روکا تھا۔ عاشور کے دن (دس محرم) حُر یزید کا لشکر چھوڑ کر امام

حسینؑ کے ساتھ مل گئے اور آخر کار امام حسین کی طرف سے جنگ کرتے ہوئے شہید ہوئے۔

میر انیس نے اس مرثیہ "بخدا فارس میدان تہور تھا حُر" میں انہیں کی بہادری، جان نثاری اور شہادت کے واقعہ کو بیان کیا ہے۔ جب جناب حُر زخموں سے چور ہو کر میدانِ کربلا میں گرتے ہیں تو امام حسینؑ کو مدد کے لیے پکارا۔ امام حسینؑ حر کے سرہانے پہنچے اور ان کا سر اپنے زانو پہ رکھا۔ پیشانی کا خون صاف کیا۔ پیشانی کے زخم کو رومال سے باندھا۔ اس وقت حر نے آنکھیں کھولی تو اپنا سر امام کے زانو پر پایا۔ مسکرانے لگے۔ امام نے حر سے فرمایا کیا نظر آرہا ہے۔ حر نے کہا مولا ہر طرف نور ہی نور اور حوریں نظر آرہی ہیں۔ یعنی جنت کا نظارہ نظر آرہا ہے۔

دوسرے بند میں انیس لکھتے ہیں کہ حر نے کہا کہ جنت کے باغات اپنی بہاریں دکھا رہے ہیں جس میں صاف و شفاف نہریں جاری ہیں اور درخت جھوم رہے ہیں۔ جس کی شاخیں اپنے میوے مجھے پیش کر رہی ہیں۔ اور حوریں جواہرات سے بھرے ہوئے طبق مجھ پر نثار کر رہی ہیں۔ جنت کا داروغہ مجھے مخاطب کر کے کہہ رہا ہے اے حر تیرا دھیان کدھر ہے دیکھ یہ گھر تیرا ہے۔

انیس اس بند میں کہتے ہیں کہ حر امام عالی مقام سے کہتے ہیں کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ فرشتے مجھے لینے آرہے ہیں۔ ملک الموت بھی محبت سے پیش آرہا ہے۔ اللہ اللہ غلام کا یہ استقبال کہ شیر خدا یعنی حضرت علیؑ امام حسنؑ کے ساتھ مجھے لینے آرہے ہیں۔ مولا قیامت کا منظر دیکھ رہا ہوں آپ کی ماں فاطمہ زہرا ننگے سر تشریف لا رہی ہیں اور ساتھ میں آپ کے نانا رسول خدا بھی ہیں۔

جناب حر امام حسینؑ سے کہتے ہیں کہ مولا میرا چہرہ قبلہ کی طرف موڑ دیجیے۔ میرا آخری وقت قریب ہے، میری جان جسم سے نکلنے والی ہے۔ سورہ یٰسین پڑھ دیجیے۔ مجھے بات کرنا مشکل ہو رہا ہے۔ ایسا لگ رہا ہے مجھے نیند آرہی ہے۔ مولا کوئی چادر ہو تو مجھے اڑھا دیجیے۔

آخری بند میں انیس لکھتے ہیں کہ بات کرتے کرتے جناب حر نے امام حسینؑ کی آغوش میں دم توڑ دیا۔ پیشانی پر موت کا پسینہ آیا اور چہرے کا رنگ زرد پڑ گیا۔ امام حسینؑ نے کہا اے بھائی حر تو نے بھی اس غربت کے عالم میں ہمارا ساتھ چھوڑ دیا لیکن حر کا کوئی جواب نہ آیا۔ حر کی روح جنت کی طرف پرواز کر گئی مگر آنکھیں امام کے چہرے پر ٹکی رہیں۔

انیسؔ کا یہ شاہکار مرثیہ زبان و بیان، کردار نگاری، مکالمہ نگاری اور منظر نگاری کے لحاظ سے لاجواب ہے۔ جذبات نگاری کی بہترین مثالیں بھی موجود ہیں۔

مشکل الفاظ:

مسدس	وہ نظمیہ شاعری جس کے ہر بند میں چھ مصرعے ہوتے ہیں	Hexagon; A Form Of Poetry With Six Lines Per Stanza
بیعت	کسی کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دینا، کسی کو اپنا حاکم تسلیم کرنا	Allegiance; Pledging Loyalty To A Leader
شجاع	بہادر	Brave

آغوش	گود	Lap
اسیر	قید	Prisoner, Captive
نصرت	مدد	Help, Support
مصنف	لکھنے والا	Author, Writer
منکسر المزاج	جس کے مزاج میں انکساری و خاکساری ہو	Humble, Modest
نیم وا چشم	آدھی کھلی ہوئی آنکھ	Half-Open Eye
عرش	آسمان	Sky, Throne
فرش	زمین	Ground, Floor
اشجار	شجر کی جمع، درخت	Trees (Plural Of Tree)
رضوان	وہ فرشتہ جسے جنت کا داروغہ کہا جاتا ہے	The Angel Of Paradise
ملک الموت	وہ فرشتہ جو انسانوں کی روح قبض کرتا ہے	Angel Of Death
خلد	جنت	Paradise, Eternal Abode
پدر	باپ	Father
چشم	آنکھ	Eye
باز پسیں	واپس جانے والا	Returning, Going Back
حزیں	غمگین	Sad, Sorrowful
طائر	پرندہ، چڑیا	Bird
روح	جان	Soul, Spirit

مشقیں:

1۔ میر انیس کے بارے میں چند جملے لکھیے۔

....

....

2۔ درج ذیل الفاظ کے معنیٰ لکھیے۔

i. خلد ....

ii. مسدس ....

iii. اشجار ....

iv. پدر ....

v. چشم ....

vi. طائر ....

5.4 مرثیہ: اسیری اہل حرم (دبیر)

5.4.1 مرزا دبیر کا تعارف:

مرزا دبیر کا پورا نام مرزا سلامت علی تھا۔ ان کے آباو اجداد کا تعلق ایران سے تھا۔ ایران سے آکر دہلی میں شاہی ملازمت میں رہے۔ مدتوں ان کا خاندان دہلی میں رہا۔ دبیر کے والد مرزا غلام حسین دہلی سے لکھنؤ میں آکر مقیم ہوئے اور یہیں شادی کی۔ اس کے بعد دہلی لوٹ گئے۔

مرزا دبیر کی پیدائش 1803ء میں دہلی میں ہوئی۔ جب ان کی عمر 5 یا 7 برس کی ہوئی تو ان کے والد ہمیشہ کے لیے لکھنؤ آبسے۔ دبیر نے باقاعدہ تعلیم حاصل کی۔ بارہ برس کی عمر میں مرثیہ کہنے لگے۔ میر ضمیر کے شاگرد تھے۔ 16،17 برس عمر کو پہنچتے پہنچتے کافی شہرت حاصل کرلی۔ اپنی علمیت، نیک نفسی، انکساری اور مہمان نوازی کی وجہ سے قابلِ احترام سمجھے جاتے تھے۔ مرزا دبیر کی وفات 1875ء میں ہوئی اور لکھنؤ میں دفن ہوئے۔ مرزا دبیر نے اپنی ذاتی محنت و جستجو سے مرثیہ نگاری میں نام اور شہرت حاصل کی۔

5.4.2 مرثیہ: جب کربلا میں عترت اطہار لٹ گئی (منتخب بند)

جب کربلا میں عترتِ اطہار لُٹ گئی　　یعنی سب آلِ احمدِ مختار لُٹ گئی
اور بارگاہِ حیدر کرار لُٹ گئی　　بالکل حسینؑ پیاسے کی سرکار لُٹ گئی
بیداد لشکر عمرِ نابکار سے
سادات نکلے خیمہ سے زہرا مزار سے

کٹوا کے سر جو شاہِ شہیداں ہوئے حسینؑ　　یعنی خدا کی راہ میں قرباں ہوئے حسینؑ
مختار کارخانہ یزداں ہوئے حسینؑ　　فخر ذبیح و فدیہ سبحاں ہوئے حسینؑ
تھا وقت عصر بھائی سے زینب جو چھٹ گئی
مغرب تلک حسینؑ کی سرکار لٹ گئی

مقتل کے سامنے حرم آ آ کے گر پڑے   اور پہلوؤں میں بچے بھی غش کھاکے گر پڑے
اک جا ستارے خاک پہ زہراؑ کے گر پڑے   عابدؑ وفور ضعف سے تھرا کے گر پڑے
آیا نہ کوئی غش سے اٹھانے کے واسطے
زنجیر لایا شمر پہنانے کے واسطے

عابدؑ نے غش میں شور جو زنجیر کا سنا   نا طاقتی میں ضعف سے کی نیم چشم وا
زنجیر و طوق دیکھ کے بیمار نے کہا   کیوں منصفو یہی ہے مرے درد کی دوا
بیمار تلخ کام ہوں اور تشنہ کام ہوں
یارو امام زادہ ہوں اور خود امام ہوں

تلواریں سر پہ کھینچ کے بولے جفا شعار   تجھ کو پہننا ہوئے گا سب اے نحیف و زار
یہ ہتھکڑی یہ بیڑیاں یہ طوق خاردار   گردن میں تیری ہوگی رسن ہاتھ میں مہار
ہم سارباں بنا کے یہ زیور پہنائیں گے
تا شام کربلا سے یوں ہی لے کے جائیں گے

5.4.3 خلاصہ:

مرزا دبیر نے یہ مرثیہ اہل حرم (خاندان اہل بیتؑ کی خواتین) کی اسیری کے بارے میں لکھا ہے۔ جب دس محرم کو یزید کے لشکر والوں نے امام حسینؑ اور ساتھیوں کو شہید کر دیا۔ اس کے بعد امام حسینؑ کے خیمے جلا دیے۔ تمام بی بیاں (خواتین اہل بیت) خیام سے باہر نکلیں۔ عورتوں کے سر سے چادریں چھین لی گئیں اور ان کو قید کر کے کوفہ وشام لے جانے کی تیاری کرنے لگے تو اس منظر کو دبیر قلم بند کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ وہ مصیبت کی گھڑی تھی جب امام کی شہادت کے بعد تمام مال واسباب کو لوٹ لیا گیا۔ اہل حرم پر ایسا ظلم ڈھایا گیا کہ جناب فاطمہ زہرؑا کی روح بھی تڑپ گئی۔

دوسرے بند میں دبیر کہتے ہیں کہ جب امام حسینؑ نے اللہ کی راہ میں سر کو کٹوا دیا۔ اور اپنی قربانی اس کی بارگاہ میں پیش کر دی۔ اللہ کی مرضی خرید لی اور حضرت اسمٰعیلؑ کا فدیہ قرار پا چکے تو یہ وقت عصر کا تھا لیکن افسوس کہ شام ہوتے ہوتے اہل حرم پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔

دبیر لکھتے ہیں کہ جب امام حسینؑ کے لشکر کے تمام خیموں کو جلا دیا گیا تو اہل حرم بے سروسامانی کے عالم میں مقتل میں نکل آئے۔ بچے بھی بھوک وپیاس کی وجہ سے بیہوش ہو کر گرنے لگے۔ امام زین العابدینؑ کا بھی بیماری کی وجہ سے عجب عالم تھا۔ جب راہ چلتے تو تھرا کے گر پڑتے تھے اور غش پڑ جاتے تھے۔ کوئی ان پر رحم نہیں کھا رہا تھا بلکہ شمر طوق وزنجیر پہنانے کے واسطے لایا۔

اس بند میں دبیر لکھتے ہیں کہ جب عابد بیمار نے زنجیر کی آواز سنی تو غش سے ہوش میں آئے۔ ضعف کے مارے آنکھیں نہیں کھل رہی تھیں۔ کسی طرح آنکھیں کھولی اور یزیدیوں سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا۔ کیا میرے درد کی یہی دوا ہے۔ خدا کے واسطے کچھ تو رحم کرو۔ میں خود بھی امام ہوں اور امام کا فرزند بھی ہوں۔

آخری بند میں دبیر لکھتے ہیں دشمن تلوار کھینچ کے آگے بڑھے۔ اور کہنے لگے یہ طوق، یہ بیڑیاں اور یہ زنجیریں سب کچھ پہننا ہو گا اور ہم اسی حالت میں تمہیں ناقے (اونٹ) کی مہار پکڑے ہوئے کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے شام تک لے جائیں گے۔

مشکل الفاظ:

کنبہ	خاندان	Family
شہرت	مشہور ہونا	Fame, Being Famous
بیداد	ناانصافی، ظلم و ستم	Injustice, Oppression
نابکار	بدبخت، نکما	Wretched, Useless, Unfortunate
وفور	بہت زیادہ	Abundance, Plenty
ضعف	بیماری، کمزوری	Weakness, Illness
طوق	لوہے کا کانٹوں والا حلقہ جو قیدیوں کو پہنایا جاتا تھا	Iron Collar With Spikes Worn By Prisoners
زنجیر	وہ بیڑیاں جو قیدیوں کے پیروں میں ڈالی جاتی ہیں	Chain, Usually For Binding Prisoners' Feet

مشقیں:

1۔ مرزا دبیر کے مرثیہ "جب کربلا میں عترت اطہار لٹ گئی" کے کسی ایک بند کی تشریح اپنے الفاظ میں کیجیے۔

....

....

....

2۔ چند ایسے جملے بنائیے جس میں درج ذیل الفاظ شامل ہوں۔

i. ضعف ....

ii. طوق وزنجیر ....

iii. اہل حرم ....

iv. شہادت ....

v. اتحاد ....

vi. اتفاق ....

vii. بین ....

5.5 مرثیہ: مرثیہ غالب (حالی)

5.5.1 مولانا حالی کا تعارف :

مولانا الطاف حسین حالی 1837 میں پانی پت کے محلہ انصار میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام خواجہ ایزد بخش انصاری تھا۔ حالی نے ابتدائی تعلیم اپنے وطن پانی پت میں حاصل کی۔ پندرہ برس کی عمر میں فارسی و عربی پر عبور حاصل کر لیا تھا۔ دہلی میں قیام کے دوران حالی شعر و سخن کی محفلوں میں شریک ہونے لگے۔ اور شاعری شروع کر دی۔ اسی دوران وہ مرزا غالب کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ اور ان سے استفادہ کرتے تھے۔ حالی نہ صرف غالب کے فارسی اور اردو کلام سے مستفید ہوتے بلکہ ان کے معنی و مطالب بھی براہ راست ان سے پوچھا کرتے جس سے ان کے فن میں مزید نکھار آیا۔

مختلف شہروں میں ملازمت کرنے کے بعد حالی اپنے آبائی وطن پانی پت لوٹ آئے اور مستقل طور پر تصنیف و تالیف کے کاموں میں مشغول ہوئے۔ 1914 کے آخر میں ان پر فالج کا حملہ ہوا جس سے وہ جانبر نہ ہو سکے اور 31 دسمبر 1914 کو انتقال کیا اور غوث علی شاہ قلندر کے صحن میں حوض کے کنارے دفن ہوئے۔

5.5.2 مرثیہ: "مرثیہ غالب" (منتخب بند)

بلبلِ ہند مر گیا ہیہات — جس کی تھی بات بات میں اِک بات
نکتہ داں ، نکتہ سنج ، نکتہ شناس — پاک دل ، پاک ذات ، پاک صفات
شیخ اور بذلہ سنج، شوخ مزاج — رند اور مرجعِ کرام و ثقات
لاکھ مضموں اور اس کا ایک ٹھٹھول — سو تکلف اور اس کی سیدھی بات
دل میں چبھتا تھا وہ اگر بالفُرض — دن کو کہتا دن اور رات کو رات
ہو گیا نقش دل پہ جو لکھّا — قلم اس کا تھا اور اس کی دوات
تھیں تو دلی میں اس کی باتیں تھیں — لے چلیں اب وطن کو کیا سوغات

اس کے مرنے سے مر گئی دلّی خواجہ نوشہ تھا اور شہر برات
یاں اگر بزم تھی تو اس کی بزم یاں اگر ذات تھی تو اس کی ذات

ایک روشن دماغ تھا نہ رہا
شہر میں اِک چراغ تھا نہ رہا

ہند میں نام پائے گا اب کون سکّہ اپنا بٹھائے گا اب کون
ہم نے جانی ہے اس سے قدرِ سَلَف ان پر ایمان لائے گا اب کون
اس نے سب کو بھلا دیا دل سے اس کو دل سے بھلائے گا اب کون
تھی کسی کی نہ جس میں گنجائش وہ جگہ دل میں پائے گا اب کون
اس سے ملنے کو یاں ہم آتے تھے جا کے دلّی سے آئے گا اب کون
مر گیا قدر دانِ فہمِ سخن شعر ہم کو سنائے گا اب کون
مر گیا تشنۂ مذاقِ کلام ہم کو گھر سے بلائے گا اب کون
تھا بساطِ سخن میں شاطر ایک ہم کو چالیں بتائے گا اب کون
شعر میں ناتمام ہے حالی غزل اس کی بنائے گا اب کون

5.5.3 خلاصہ:

حالی کا یہ مرثیہ دس دس اشعار کے دس بندوں پر مشتمل ہے۔ حالی نے یہ مرثیہ غالب کی وفات پر لکھا تھا۔ حالی مرزا غالب کو اپنا استاد مانتے تھے۔ اس کے علاوہ، وہ غالب کے معتقد اور ان سے بے حد متاثر تھے، اس لیے جب غالب فوت ہوئے تو حالی کو شدید ذہنی اور روحانی کرب پہنچا اور انہوں نے انتہائی رقت آمیز انداز میں اپنے جذبات کا سچا اظہار اس مرثیہ کی شکل میں کیا۔ حالی نے اس مرثیہ میں غالب کی شخصیت، ان کے مزاج، عادات واطوار، ظرافت، بذلہ سنجی، ان کے مرتبہ اور شان، احباب نوازی، نکتہ دانی، غیر معمولی دانش مندی، اخلاق مندی، شعر و سخن میں ان کے مرتبہ و شان اور نثر و نظم کے حسن جمال کی تصویر پیش کی ہے۔ بیان کے اعتبار سے یہ مرثیہ ایک دلکش مرثیہ ہے۔ اور اس کے بند ایک دوسرے سے مربوط ہیں۔

پہلے بند میں حالی نے دنیا کی بے ثباتی کا ذکر کیا ہے۔ غم سے نڈھال شاعر دنیا و مافیہا سے مایوس سخت افسردگی میں مبتلا ہے۔ حالی نے دنیا کی بے معنویت اور بے ثباتی کا بڑا پر اثر بیان کیا ہے۔ مختلف استعاروں اور تلمیحاتی اشاروں کے ذریعے حالی نے انوکھا طرز اظہار اختیار کیا ہے۔ حالی غالب کے اوصاف بیان کرتے ہوئے انہیں ان کی خوبیوں سے یاد کیا ہے۔ حالی نے غالب کی ان اوصاف کا ذکر کیا ہے جو ان کی شخصیت میں بہت نمایاں تھیں۔ ان کی بذلہ سنجی، نکتہ شناسی، شوخی، پاکبازی اور ان کی دیگر امتیازی خوبیوں کا ذکر کرتے ہوئے حالی کہتے ہیں کہ

دہلی میں غالب سے ہی رونق تھی۔ غالب سے ہی شہر میں رعنائیاں تھیں، اب ان کے بغیر پورا شہر غم میں ڈوبا ہوا ہے۔ ان کی موت سے وہ تنہا نہیں مرے بلکہ پوری دہلی مر گئی یعنی سنسان اور ویران ہو گئی۔

غالب دہلی میں مرزا نوشہ کے نام سے مشہور تھے۔ حالی نے غالب کو نوشہ اور اس کی مناسبت سے شہر دہلی کو برات کہا ہے۔ برات کی خوشی اور رونق کا مرکز دولہا ہوتا ہے اور جس برات کا دولہا فوت ہو جائے تو برات پر کس قدر غموں کا پہاڑ ٹوٹتا ہے۔ یہی حال غالب کی موت پر شہر دہلی کا ہے۔ بند کے آخری شعر میں حالی نے استعاراتی اسلوب اختیار کرتے ہوئے غالب کو روشن دماغ اور شہر کا چراغ کہہ کر یاد کیا ہے۔

مرثیہ کا آخری بند بھی اپنے پہلے بند سے مربوط ہے اور اسی کا تسلسل ہے۔ حالی غالب کے جانے کا نوحہ کرتے ہیں اور انہیں شدت سے یاد کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس نے ہم سے منہ پھیر لیا، ہم سب کو بھلا دیا لیکن ہم انہیں کیسے بھلائیں۔ ہم ان کی وجہ سے دہلی ان سے ملنے کی غرض سے آتے تھے اب کس سے ملنے آئیں گے۔ اب ان کے جیسا نادر شخص اور فنکار دنیا میں دوسرا نہیں ہے۔ اب کون ہمارے کلام کی اصلاح کرے گا۔ ہمیں شعر و سخن کی باریکیاں کون بتائے گا۔ انوکھے اشعار کون سنائے گا۔ حالی جو شعر گوئی میں پختہ نہیں ہے اس کی غزلوں کو کون سنوارے گا۔

حالی کا یہ مرثیہ سادگی، تسلسل، اثر آفرینی، پیکر تراشی، الفاظ کے برمحل استعمال،، جذبات کے سچے اظہار کے اعتبار سے ایک بہترین شخصی مرثیہ ہے اور دیگر شخصی مرثیوں میں اسے امتیازی حیثیت حاصل ہے۔ اردو کے شخصی مرثیہ گوئی کی روایت میں حالی کا یہ مرثیہ اپنی گوناگوں خصوصیات اور اولیت کی بنیاد پر سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔

5.5.4 مشکل الفاظ:

الفاظ	معنی	
ہیہات	افسوس صد افسوس	Alas / Regret
ٹھٹھول	ظریف، خوش طبع	Jest / Humorous behavior
بذلہ سنج	لطیفہ گو، ظریف	Witty / Humorous
سلف	گزرے ہوئے زمانے کے لوگ	Ancestors / Predecessors
فہم سخن	بات کو سمجھنے والے	Understanding of speech
بے ثباتی	ناپائیدار، جلد فنا ہونے والا	Transience / Impermanence
گوناگوں	مختلف	Diverse / Varied
اثر آفرینی	اثر پیدا کرنے والا	Effectiveness / Influence

پیکر تراشی	کسی خیال یا جذبے کو مجسم صورت میں بیان کرنا	Personification / Depiction

5.5.5 مشقیں:

1۔ درج ذیل الفاظ سے جملے بنائیے۔

ہیہات : ....

نکتہ سنج : ....

روشن : ....

سلف : ....

2۔ درج ذیل اشعار کی تشریح اپنے الفاظ میں کیجیے۔

ہند میں نام پائے گا اب کون سکّہ اپنا بٹھائے گا اب کون
اس سے ملنے کو یاں ہم آتے تھے جاکے دلی سے آئے گا اب کون

....

....

....

5.6 اکتسابی نتائج

اس اکائی کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ نے درج ذیل باتیں سیکھیں:

- میر انیس کا پورا نام میر ببر علی تھا۔ انیس تخلص تھا۔ ان کے والد میر خلیق اور دادا میر حسن تھے۔
- میر انیس فطرتاً نہایت خوش خلق، منکسر المزاج، خود دار تھے۔
- 1874ء میں لکھنؤ میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔ میر انیس نے مرثیہ کے علاوہ سلام، رباعیات اور قطعات بھی کہے ہیں۔
- میر انیس نے اپنا یہ مرثیہ "بخدا فارس میدان تہور تھا حر" جناب حر کی شہادت کے عنوان سے لکھا ہے۔
- جناب حُر کا پورا نام حُر بن یزید ریاحی تھا۔ ان کا تعلق قبیلہ تمیم سے تھا۔ کوفہ کے رہنے والے تھے۔ عاشور کے دن (دس محرم) حُر یزید کا لشکر چھوڑ کر امام حسینؑ کے ساتھ مل گئے اور آخر کار امام حسینؑ کا دفاع کرتے ہوئے شہادت کے درجہ پر فائز ہوئے۔
- مرزا سلامت علی دبیر 1803ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد مرزا غلام حسین دبیر کی ولادت کے بعد مکمل طور پر لکھنؤ میں آباد ہو گئے۔

- مرزا دبیر کی وفات 1875ء میں ہوئی اور لکھنؤ میں دفن ہوئے۔
- دبیر کا مرثیہ "جب کربلا میں عترت اطہار لٹ گئی" اہل حرم کی اسیری کے بیان میں ہے۔
- منظر نگاری، جذبات نگاری، کردار نگاری، مکالمہ نویسی، رزم نگاری میں انیس کو کمال حاصل ہے جب کہ دبیر کے مرثیوں میں لفظی اور معنوی صنعتوں کا استعمال زیادہ ملتا ہے۔
- الطاف حسین حالی 1837 میں پانی پت میں پیدا ہوئے اور وہیں 1914 میں ان کا انتقال ہوا۔
- حالیؔ نے شخصی مرثیے کو رواج دینے کی کوشش کی اور غالبؔ کے انتقال پر 'مرثیہ غالب' لکھ کر باقاعدہ شخصی مرثیے کا آغاز کیا۔
- غالبؔ حالی کے استاد تھے۔ اس کے علاوہ حالی غالب کے معتقد اور ان سے بے حد متاثر تھے، اس لیے غالب کے وفات پر حالی کو شدید ذہنی اور روحانی کرب پہنچا اور انہوں نے انتہائی رقت آمیز انداز میں اپنے جذبات کا سچا اظہار اس مرثیہ کی شکل میں کیا۔

5.7 نمونہ امتحانی سوالات

5.7.1 معروضی سوالات:

1۔ میر انیس کہاں پیدا ہوئے؟

(a) دہلی (b) آگرہ (c) علی گڑھ (d) فیض آباد

2۔ میر انیس کے والد کا کیا نام تھا؟

(a) ضمیر (b) میر خلیق (c) میر حسن (d) میر ضاحک

3۔ بخدا فارس میدان تہور تھا حر" کس کا مرثیہ ہے؟

(a) حالیؔ (b) سودا (c) دبیر (d) انیس

4۔ دبیرؔ کے والد کا نام کیا تھا؟

(a) خواجہ احمد عباس (b) مرزا غلام حسین (c) میر ضمیر (d) میر خلیق

5۔ "مرثیہ غالب" کس کا مرثیہ ہے؟

(a) حالی (b) آزادؔ (c) نظیرؔ (d) شبلی

6۔ حالی نے جو مرثیہ لکھا ہے وہ کس نوعیت کا ہے؟

(a) کربلائی مرثیہ (b) شخصی مرثیہ (c) سلام (d) نوحہ

7۔ تشنہ کے کیا معنی ہیں؟

(a) پیاسا (b) بھوکا (c) بیمار (d) کمزور وناتواں

8۔ حضرت عباس کا امام حسینؑ سے کیا رشتہ تھا؟

(a) بھتیجا (b) بھائی (c) چچا (d) دوست

9۔ حالی نے غالب کو کس حیثیت سے مانا؟

(a) استاد (b) شاگرد (c) ہم عصر (d) ہم وطن

10۔ دبیر کا انتقال کہاں ہوا؟

(a) دہلی (b) لکھنؤ (c) فیض آباد (d) حیدر آباد

5.7.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات:

1۔ مرثیے کی تعریف تحریر کیجیے۔

2۔ میر انیس کے بارے میں مختصر نوٹ لکھیے۔

3۔ کربلائی اور شخصی مرثیے میں کیا فرق ہے۔واضح کیجیے۔

4۔ حالی کا مختصر تعارف پیش کیجیے۔

5۔ مرثیہ کا جو بند آپ کو پسند ہے اس کی تشریح کیجیے۔

5.7.3 طویل جوابات کے حامل سوالات:

1۔ مرثیہ "بخدا فارس میدان تہور تھا حر" کا خلاصہ اپنے الفاظ میں کیجیے۔

2۔ مرزا دبیر کے حالات زندگی لکھتے ہوئے ان کے مرثیے کے دو بند لکھیے۔

3۔ حالی نے غالب کے بارے میں مرثیے میں کیا لکھا ہے۔ایک نوٹ لکھیے۔

5.7.1 کے جوابات: 1-d 2-b 3-d 4-b 5-a

6-b 7-a 8-b 9-a 10-b

اکائی 6: غزل

ولیؔ دکنی، میر تقی میرؔ، خواجہ میر دردؔ، حیدر علی آتشؔ

اکائی کے اجزا

6.0 تمہید

6.1 مقاصد

6.2 ولیؔ دکنی-تعارف

6.2.1 ولی دکنی کی غزل

6.3 میر تقی میرؔ-تعارف

6.3.1 میر تقی میرؔ کی غزل

6.4 خواجہ میر دردؔ-تعارف

6.4.1 میر دردؔ کی غزل

6.5 حیدر علی آتشؔ-تعارف

6.5.1 حیدر علی آتشؔ کی غزل

6.6 اکتسابی نتائج

6.7 نمونہ امتحانی سوالات

6.0 تمہید

غزل اردو شاعری کی سب سے مقبول ترین صنف سخن ہے۔غزل کے معنی ہیں عورتوں سے باتیں کرنا، عورتوں کی باتیں کرنا—ایسی شاعری جس میں معشوق کے سراپا اور حسن کی تعریف بیان کی جائے، غزل کہتے ہیں۔ ہیئت کے اعتبار سے غزل کا ہر شعر منفرد ہوتا ہے۔یعنی ایک شعر کو دوسرے شعر سے تعلق ہونا ضروری نہیں ہے۔اس کے پہلے مصرعے کو مطلع کہتے ہیں جس کے دونوں مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں۔اس کے بعد کے تمام اشعار کے صرف دوسرے مصرعے میں قافیہ ہوتا ہے۔ قافیہ کے بعد ردیف ہوتی ہے جو ہر شعر کے دوسرے مصرعے میں بار بار دہرائی جاتی ہے لیکن ہر غزل میں ردیف کا ہونا لازمی نہیں، البتہ قافیہ کے بغیر غزل نہیں کہی جاسکتی۔ آخری شعر

جہاں غزل ختم ہوتی ہے، مقطع کہلاتا ہے۔ اس میں عام طور پر شاعر اپنا تخلص پیش کرتا ہے، لیکن شاعر کو یہ آزادی ہوتی ہے کہ وہ کسی بھی شعر میں اپنا تخلص پیش کر سکتا ہے۔ غزل کے لیے اشعار کی تعداد کی کوئی قید نہیں ہے پھر بھی ماہرین نے غزل کے لیے کم سے کم پانچ اشعار کا ہونا لازمی قرار دیا ہے۔ اس اکائی میں ہم اردو کے مشہور شعرا ولی، میر، درد، آتش کی غزلوں کا مطالعہ کریں گے۔

6.1 مقاصد

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- اردو غزل کی تعریف کو سمجھ سکیں۔
- ولی، میر، درد اور آتش سے واقف ہو سکیں۔
- منتخب غزلوں کے مطالعے کے ذریعے غزل کی ہیئت کو سمجھ سکیں۔

6.2 ولیؔ دکنی-تعارف

ولی دکنی کا پورا نام ولی محمد تھا۔ انہیں ولی دکنی یا ولی گجراتی کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ 1667ء کو گجرات میں پیدا ہوئے۔ مولانا محمد حسین آزاد نے انہیں اردو شاعری کا باوا آدم کہا ہے۔ ولی نے اردو غزل کے لب ولہجہ میں سادگی کو جگہ دی۔ ان سے پہلے شمالی ہند میں لوگ فارسی شاعری کرنے میں فخر کرتے تھے اور اردو کو ریختہ یعنی گری پڑی زبان سمجھتے تھے، لیکن 1720 میں جب ان کا دیوان دلی پہنچا تو وہاں کے لوگ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ وہ جسے گری پڑی زبان سمجھتے ہیں اس میں بھی ایسا کلام لکھا جا سکتا ہے۔ دلی کے لوگوں نے ولی کے دیوان کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور ان کی طرز پر غزل کہنا شروع کیا۔ ولی نے اپنی غزلوں میں عربی اور فارسی کے الفاظ شامل کر کے اردو زبان کو ایک نئی شکل عطا کی۔ ان کی غزلوں کی زبان صاف اور شیریں ہے۔ ان کی وفات 1119ھ یعنی 1707ء کو ہوئی۔ محمد حسین آزاد کے مطابق ولی دکنی کو اردو شاعری میں وہی مقام حاصل ہے جو انگریزی میں چاسرؔ اور فارسی شاعری میں رودکیؔ کو حاصل ہے۔

6.2.1 ولیؔ دکنی کی غزل:

کیا مجھ عشق نے ظالم کوں **آب** آہستہ آہستہ — کہ آتش گل کوں کرتی ہے **گلاب** آہستہ آہستہ
وفاداری نے دلبر کی بجھایا آتش غم کوں — کہ گرمی دفع کرتا ہے **گلاب** آہستہ آہستہ
عجب کچھ لطف رکھتا ہے شب خلوت میں گل رو سوں — خطاب آہستہ آہستہ **جواب** آہستہ آہستہ
مرے دل کوں کیا بے خود تری انکھیاں نے آخر کوں — کہ جیوں بے ہوش کرتی ہے **شراب** آہستہ آہستہ
ادا و ناز سوں آتا ہے وو روشن جبیں گھر سوں — کہ جیوں مشرق سوں نکلے **آفتاب** آہستہ آہستہ

تشریح:

کیا مجھ عشق نے ظالم کوں **آب** آہستہ آہستہ

کہ آتش گل کوں کرتی ہے **گلاب** آہستہ آہستہ

شاعر کہتا ہے کہ عشق نے اس کے ظالم محبوب کو رفتہ رفتہ نرم دل بنا دیا۔ وہ محبوب ہے جو پہلے بے رحم تھا، لیکن عشق کی شدت نے اُسے بدل دیا۔ یہ تبدیلی ایک دم نہیں آئی بلکہ "آہستہ آہستہ"، یعنی تدریجی طور پر۔ شاعر پھول (گل) اور گلاب کی دیتا ہے، جیسے ایک عام پھول آگ میں جل کر ایک خوشبودار، خوبصورت گلاب میں بدلتا ہے۔ عشق بھی انسان کی فطرت اور رویے کو ایسی ہی لطیف انداز میں بدل دیتا ہے۔

وفاداری نے دلبر کی بجھایا آتش غم کوں

کہ گرمی دفع کرتا ہے **گلاب** آہستہ آہستہ

شاعر اپنی سچی محبت اور وفاداری کا ذکر کرتا ہے، جس نے محبوب کے دل میں موجود غم و دکھ کی آگ کو بجھا دیا۔ یہ وفا وقت کے ساتھ، خاموشی سے، اپنی تاثیر دکھاتی ہے، جیسے گلاب کی ٹھنڈی تاثیر آہستہ آہستہ گرمی کو ختم کر دیتی ہے۔ یہاں گلاب وفا کی علامت ہے، جو ہر زخم کو مرہم فراہم کرتا ہے۔

عجب کچھ لطف رکھتا ہے شب خلوت میں گل روسوں

خطاب آہستہ آہستہ **جواب** آہستہ آہستہ

تنہائی کی رات میں کسی حسین چہرے والے کے ساتھ ملاقات اور بات چیت ایک خاص لطف رکھتی ہے۔ یہ گفتگو جلد بازی میں نہیں ہوتی بلکہ ہر بات آہستہ سے کی جاتی ہے، جیسے جذبات کو وقت کے ساتھ سنبھالا جاتا ہو۔ یہاں "گل رو" محبوب کی خوبصورتی کی طرف اشارہ ہے اور شاعر اس خلوت کے لمحوں کو خاص اور خوشگوار بتا رہا ہے۔

مرے دل کوں کیا بے خود تری انکھیاں نے آخر کوں

کہ جیوں بے ہوش کرتی ہے **شراب** آہستہ آہستہ

شاعر محبوب کی آنکھوں کے سحر میں گرفتار ہو گیا ہے۔ ان آنکھوں نے آہستہ آہستہ عاشق کے دل کو بے خود کر دیا، جیسے شراب پینے والے کو فوراً نہیں بلکہ آہستہ آہستہ مدہوش کرتی ہے۔ یہاں آنکھیں شراب کی علامت ہیں اور عشق کی کیفیت کا انتہائی پر اثر بیان کیا گیا ہے۔

ادا و ناز سوں آتا ہے وو روشن جبیں گھر سوں

کہ جیوں مشرق سوں نکلے **آفتاب** آہستہ آہستہ

محبوب جب صبح گھر سے باہر آتا ہے تو اس کی چال، انداز، اور ناز و ادا سورج کے طلوع ہونے جیسے لگتے ہیں۔ جیسے سورج مشرق سے آہستہ آہستہ نکلتا ہے اور پورے عالم کو روشن کر دیتا ہے، ویسے ہی محبوب اپنی ادا سے دلوں کو منور کر دیتا ہے۔ یہاں محبوب کو سورج کی روشنی سے تشبیہ دی گئی ہے، جو خوبصورتی، نور اور زندگی کی علامت ہے۔

مشکل الفاظ:

آب	:	پانی	:	Water
آہستہ	:	دھیرے، نرمی سے	:	Slowly, Gently
آتش گل	:	پھول کی آگ، مراد: پھول کی سرخی	:	Fiery color of a Flower
گلاب	:	ایک خوشبودار پھول	:	Rose
آتش غم	:	غم کی آگ، شدید دکھ	:	Fire of Sorrow
لطف	:	مہربانی، نرمی، کرم	:	Kindness, Grace, Favor
شب خلوت	:	تنہائی کی رات، پرسکون رات	:	Night of solitude, Quiet Night
خطاب	:	مخاطب کرنا، بات چیت کرنا	:	Address, Speech
بے خود	:	ہوش سے بیگانہ، مست	:	Ecstatic, Unconscious
آتشیں رو	:	شعلہ سا چہرہ، سرخ یا چمکتا چہرہ	:	Glowing/Red-Faced
جیوں	:	جیسے، جس طرح	:	As, like
روشن جبیں	:	چمکتی پیشانی، نیک سیرت	:	Radiant Forehead
مشرق	:	سورج نکلنے کی سمت	:	East
آفتاب	:	سورج	:	Sun

مشقیں:

مشق 1: ذیل میں دیے گئے مصرعوں میں قافیہ کی نشاندہی کیجیے۔

1۔ کہ آتش گل کوں کرتی ہے گلاب آہستہ آہستہ
2۔ خطاب آہستہ آہستہ جواب آہستہ آہستہ
3۔ کہ جیوں مشرق سوں نکلے آفتاب آہستہ آہستہ
4۔ کہ جیوں بے ہوش کرتی ہے شراب آہستہ آہستہ

5۔ کیا مجھ عشق نے ظالم کوں آب آہستہ آہستہ

مشق 2: ذیل میں دیے گئے مصرعوں میں سہ حرفی (تین حرفی) لفظوں کی نشاندہی کیجیے:

1۔ کیا مجھ عشق نے ظالم کوں آب آہستہ آہستہ

2۔ عجب کچھ لطف رکھتا ہے شب خلوت میں گل روسوں

3۔ کہ جیوں بے ہوش کرتی ہے شراب آہستہ آہستہ

4۔ مرے دل کوں کیا بے خود تری انکھیاں نے آخر کوں

5۔ اداو ناز سوں آتا ہے وو روشن جبیں گھر سوں

مشق 3: ذیل کے جملوں میں خالی جگہوں کو پُر کیجیے۔

1۔ ولی دکنی کا پورا نام...................... تھا۔

2۔ .... آزاد نے ولی کو اردو شاعری کا باوا آدم کہا ہے۔

3۔ 1720 میں جب ان کا دیوان...................... پہنچا۔

4۔ ولی نے اپنی غزلوں میں عربی اور...................... کے الفاظ شامل کر کے اردو زبان کو ایک نئی شکل عطا کی۔

5۔ ولی دکنی کو اردو شاعری میں وہی مقام حاصل ہے جو...................... شاعری میں رودکی کو حاصل ہے۔

6.3 میر تقی میرؔ-تعارف

میرؔ کا نام محمد تقی اور تخلص میرؔ تھا۔ 1722 کو اکبر آباد (آگرہ) میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام محمد علی صوفی تھا اور وہ علی متقی کے نام سے مشہور تھے۔ بچپن میں ہی ماں کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ اوائل عمری میں بھائیوں کی بدسلوکی اور معاشی تنگ دستی نے پریشان کیا تو دہلی چلے گئے اور اپنے سوتیلے ماموں خان آرزو کی تربیت میں رہنے لگے۔ خان آرزو اپنے زمانے کے استاذ شاعر تھے اور ان کے شاگردوں نے اردو شاعری کے میدان میں کافی شہرت پائی۔ میرؔ نے دہلی کو اپنی آنکھوں سے اُجڑتے اور پھر بستے ہوئے دیکھا۔ اس کا اثر ان کی شاعری میں دکھائی دیتا ہے۔ میر کی شاعری کو دل اور دلی کا مرثیہ بھی کہا جاتا ہے۔ دہلی کے اجڑنے کے بعد میرؔ نواب آصف الدولہ کی دعوت پر لکھنؤ چلے گئے لیکن ان کے دل نے کبھی بھی لکھنویت کو قبول نہیں کیا۔ دربار سے وابستگی بھی بہت کم رہی۔ آخر کار 1810 میں لکھنؤ میں ہی ان کی وفات ہوئی۔

اردو میں میر کی غیر معمولی خدمات کی وجہ سے محمد حسین آزاد نے انہیں اردو شاعری کا خدائے سخن کہا ہے۔ اردو کے بڑے بڑے شاعروں نے میر کی عظمت کا اعتراف کیا ہے جن میں سودا، غالب، ذوق، مصحفی اور حسرت کے نام قابل ذکر ہیں۔ خود میر کو بھی اپنی قابلیت کا اندازہ تھا اور انہوں نے اپنی شاعری کو 'قیامت کا ہنگامہ' کہا ہے۔ میرؔ نے تمام عمر مصیبت اور تنگ دستی میں گزاری، جس کی وجہ سے ان کے

کلام میں بھی درد و غم کی شدت ملتی ہے۔ ان کی غزلوں میں سوز و گداز اور روانی پائی جاتی ہے۔ ان کے الفاظ میں نرمی ہے اور اشعار موسیقیت ،ترنم اور نغمگی سے بھرے ہوئے ہیں۔

6.3.1 میرؔ کی غزل:

فقیرانہ آئے **صدا** کر چلے — میاں خوش رہو ہم **دعا** کر چلے
شفا اپنی تقدیر ہی میں نہ تھی — کہ مقدور تک تو **دوا** کر چلے
بہت آرزو تھی گلی کی تری — سو یاں سے لہو میں **نہا** کر چلے
دکھائی دیئے یوں کہ بے خود کیا — ہمیں آپ سے بھی **جدا** کر چلے
کہیں کیا جو پوچھے کوئی ہم سے میرؔ — جہاں میں تم آئے تھے **کیا** کر چلے

تشریح:

فقیرانہ آئے **صدا** کر چلے — میاں خوش رہو ہم **دعا** کر چلے

شاعر کہتا ہے کہ ہم عاجزی، درویشی اور خاموشی کے ساتھ تمہارے در پر آئے۔ نہ کوئی شکایت کی، نہ التجا، بس خیر و برکت کی دعا دے کر لوٹ گئے۔

شفا اپنی تقدیر ہی میں نہ تھی — کہ مقدور تک تو **دوا** کر چلے

ہم نے بیماری یا دکھ سے نجات پانے کی پوری کوشش کی، دوا بھی کی، لیکن چونکہ قسمت میں شفا نہ تھی، اس لیے وہ حاصل نہ ہو سکی۔

بہت آرزو تھی گلی کی تری — سو یاں سے لہو میں **نہا** کر چلے

ہمیں تمہاری گلی کی زیارت کی بڑی خواہش تھی، محبت میں حد سے گزر گئے۔ لیکن اس راستے میں اتنے زخم ملے کہ خون میں نہا کر واپس جانا پڑا۔

دکھائی دیئے یوں کہ بے خود کیا — ہمیں آپ سے بھی **جدا** کر چلے

تم نے ایسے گہرے زخم دیے یا ایسی باتیں کیں کہ ہم ہوش و حواس کھو بیٹھے۔ یہاں تک کہ ہم خود اپنی ذات سے بھی بیگانہ ہو کر تم سے جدا ہو گئے۔

کہیں کیا جو پوچھے کوئی ہم سے میرؔ — جہاں میں تم آئے تھے **کیا** کر چلے

شاعر خود سے سوال کرتا ہے کہ اگر دنیا والے پوچھیں کہ زندگی میں کیا کیا؟ تو ہمارے پاس کوئی جواب نہ ہو گا، کیونکہ زندگی یونہی بے مقصد گزری۔

مشکل الفاظ:

فقیرانہ	:	درویشانہ، سادگی سے بھرپور	:	Poorly, Humbly
شفا	:	صحت یابی، آرام	:	Healing, Cure
تقدیر	:	نصیب، قسمت	:	Fate, Destiny
مقدور	:	طاقت، استطاعت	:	Ability, Capability
صدا	:	آواز، پکار	:	Call, voice
بے خود	:	مدہوش، ہوش سے بیگانہ	:	Ecstatic, Beside Oneself
آرزو	:	خواہش، تمنا	:	Desire, wish
لہو	:	خون	:	Blood
بے خود	:	مدہوش، ہوش کھو بیٹھنا	:	Ecstatic, unconscious
جدا	:	الگ، علیحدہ	:	Separate, apart

مشقیں:

مشق 1: ذیل میں دیے گئے مصرعوں میں قافیہ کی نشاندہی کیجیے۔

1۔ میاں خوش رہو ہم دعا کر چلے ....

2۔ سو یاں سے لہو میں نہا کر چلے ....

3۔ کہ مقدور تک تو دوا کر چلے ....

4۔ فقیرانہ آئے صدا کر چلے ....

5۔ ہمیں آپ سے بھی جدا کر چلے ....

مشق 2: ذیل میں دیے گئے مصرعوں کو مکمل کیجیے۔

1۔ دکھائی دیئے یوں کہ ....

2۔ بہت آرزو تھی.....................

3۔ وہ کیا چیز ہے آہ............................

4۔ ہمیں آپ سے بھی ....

5۔ جہاں میں تم آئے تھے....................

ذیل میں خالی جگہوں کو پُر کیجیے:

1۔ میرؔ کا نام محمد تقی اور تخلص........................ تھا۔

2۔ محمد حسین آزاد نے میرؔ کو اردو شاعری کا.................. کہا ہے۔

3۔ شفا اپنی ....ہی میں نہ تھی۔

4۔ بہت آرزو تھی .... کی تری۔

5۔ دہلی کے اجڑنے کے بعد میر نواب آصف الدولہ کی دعوت پر........................ چلے گئے۔

6.4 میر دردؔ-تعارف

خواجہ میر درد 1721ء میں دہلی میں پیدا ہوئے اور 1785ء میں وہیں وفات پا گئے۔ وہ اردو کے کلاسیکی دور کے نمایاں صوفی شاعر تھے۔ میر درد ان شعرا میں شامل ہیں جنہوں نے اردو غزل کو روحانیت اور تصوف کی گہری معنویت عطا کی۔ ان کی شاعری میں دنیا کی ناپائیداری، عشقِ حقیقی، تزکیۂ نفس اور عرفانِ ذات جیسے موضوعات نمایاں نظر آتے ہیں۔ ان کے کلام میں سادگی، اخلاص اور فکری گہرائی کی جھلک ملتی ہے۔ میر درد کا انداز نہایت صاف، دل نشین اور درد مندی سے بھرپور ہے، جو قاری کے دل پر براہِ راست اثر انداز ہوتا ہے۔ ان کی مشہور تصنیف "دیوانِ درد" ہے، جس میں ان کی غزلوں اور صوفیانہ اشعار کا بہترین انتخاب شامل ہے۔ میر درد نے اردو شاعری کو فکری بلندی اور جذباتی گہرائی کا ایک نیا رنگ عطا کیا۔

6.4.1 دردؔ کی غزل:

تہمتیں چند اپنے ذمے دھر چلے — جس لیے آئے تھے سو ہم کر چلے

زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے — ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے

دوستو دیکھا تماشا یاں کا سب — تم رہو خوش ہم تو اپنے گھر چلے

شمع کے مانند ہم اس بزم میں — چشم تر آئے تھے دامن تر چلے

دردؔ کچھ معلوم ہے یہ لوگ سب — کس طرف سے آئے تھے کیدھر چلے

تشریح:

تہمتیں چند اپنے ذمے دھر چلے — جس لیے آئے تھے سو ہم کر چلے

شاعر کہتا ہے کہ لوگوں کی چند الزام تراشیوں کو خاموشی سے قبول کر لیا اور جس مقصد کے لیے دنیا میں آئے تھے، وہ پورا کر کے چلے گئے۔

زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے

یہ زندگی سکون نہیں، بلکہ ایک مسلسل طوفان جیسی ہے۔ ہم تو اس زندگی کی شدتوں اور اذیتوں سے تنگ آ کر گویا مر ہی گئے۔

دوستو دیکھا تماشا یاں کا سب تم رہو خوش ہم تو اپنے گھر چلے

دنیا کی حقیقتوں، ریاکاری اور بے وفائیوں کا تماشا دیکھ چکے ہیں۔ اب ہم دنیا سے کنارہ کش ہو کر اپنے اصل مقام (آخرت یا تنہائی) کی طرف روانہ ہو گئے۔

شمع کے مانند ہم اس بزم میں چشم تر آئے تھے دامن تر چلے

ہم اس محفل میں شمع کی طرح آئے، روتے ہوئے، جلتے ہوئے۔ آنکھیں نم تھیں اور دل غم سے لبریز، اس حال میں محفل سے رخصت ہو گئے۔

دردؔ کچھ معلوم ہے یہ لوگ سب کس طرف سے آئے تھے کیدھر چلے

شاعر (دردؔ) کہتا ہے کہ ان لوگوں کو نہ ہماری ابتدا کا علم ہے، نہ انجام کا۔ انہیں کیا خبر کہ ہم کہاں سے آئے اور اب کہاں جا رہے ہیں۔

مشکل الفاظ:

تہمتیں	الزامات، جھوٹے الزام	Accusations, Allegations
ذمے	ذمہ داری، سر	Responsibility, Liability
دھر چلے	اپنے اوپر لے لیا، قبول کیا	Took Upon Oneself, Accepted
طوفان	آندھی، مصیبت	Storm, Chaos
تماشا	منظر، حیران کن حالت	Spectacle, Strange Scene
شمع	موم بتی، روشن کرنے والی چیز	Candle
بزم	محفل، مجلس	Gathering, Assembly
چشم تر	آنکھ نم، آنسو بھری آنکھ	Tearful Eyes
دامن تر	بھیگا ہوا دامن	Wet Hem (Of The Garment)
کیدھر	کہاں، کس سمت	Where, Which Direction

مقطع	غزل کا آخری شعر، جس میں شاعر کا تخلص ہو	Final Couplet (With Poet's Name)

مشقیں:

مشق 1: ذیل میں دیے گئے مصرعوں میں قافیہ کی نشاندہی کیجیے۔

1۔ ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے ....
2۔ تم رہو خوش ہم تو اپنے گھر چلے ....
3۔ چشم تر آئے تھے دامن تر چلے ....
4۔ کس طرف سے آئے تھے **کیدھر چلے** ....
5۔ جس لیے آئے تھے سو **ہم کر چلے** ....

مشق 2: ذیل میں دیے گئے مصرعوں کو مکمل کیجیے۔

1۔ زندگی ہے یا کوئی ....
2۔ شمع کے مانند ہم اس..................................
3۔ تہمتیں چند اپنے ذمے............................
4۔ جس لیے آئے تھے سو...............................
5۔ کس طرف سے آئے تھے..........................

مشق 3: ذیل میں خالی جگہوں کو پُر کیجیے۔

1۔ خواجہ میر درد 1721ء میں.....................میں پیدا ہوئے۔
2۔ دردؔ نے اردو غزل کو روحانیت اور.................کی گہری معنویت عطا کی۔
3۔ آخری شعر مقطع کا ہے جس میں شاعر نے اپنا...............'دردؔ' استعمال نہیں کیا ہے۔
4۔ میر درد نے اردو شاعری کو...............بلندی اور جذباتی گہرائی کا ایک نیا رنگ عطا کیا۔
5۔ شاعر کہتا ہے کہ ہم اس محفل میں...............کی طرح آئے، روتے ہوئے، جلتے ہوئے۔

6.5 حیدر علی آتشؔ-تعارف

حیدر علی آتش 1778ء میں فیض آباد میں پیدا ہوئے اور 1847ء میں لکھنؤ میں وفات پائی۔ وہ اردو کے ممتاز کلاسیکی شاعر تھے

جنہوں نے اپنی شاعری میں خلوص، سادگی اور جذبات کی شدت کو دلکش انداز میں پیش کیا۔ آتش کا کلام عام فہم زبان میں ہے، جس میں محاوروں، کہاوتوں اور روزمرہ کی لطافت نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔ ان کی شاعری میں عشق، سچائی، انسان دوستی اور اخلاقی اقدار کا حسین امتزاج پایا جاتا ہے۔ لکھنؤ کی تہذیبی فضا میں پروان چڑھتے ہوئے، آتش نے اردو غزل کو ایک نیا انداز بخشا، جس میں محبت کی نرمی کے ساتھ زندگی کی حقیقتوں کا گہرا عکس جھلکتا ہے۔ ان کی مشہور تصنیف "کلیاتِ آتش" کے نام سے معروف ہے، جس میں ان کی بہترین غزلیں اور اشعار محفوظ ہیں۔ آتش کی شاعری آج بھی اپنی روانی، سلاست اور خلوص کی بدولت قاری کے دل پر گہرا اثر چھوڑتی ہے۔

6.5.1 آتشؔ کی غزل:

سن تو سہی جہاں میں ہے تیرا **فسانہ** کیا   کہتی ہے تجھ کو خلق خدا **غائبانہ** کیا
زیر زمیں سے آتا ہے جو گل سو زر بکف   قاروں نے راستے میں لٹایا **خزانہ** کیا
چاروں طرف سے صورت جاناں ہو جلوہ گر   دل صاف ہو ترا تو ہے آئینہ **خانہ** کیا
طبل و علم ہی پاس ہے اپنے نہ ملک و مال   ہم سے خلاف ہو کے کرے گا **زمانہ** کیا
یوں مدعی حسد سے نہ دے داد تو نہ دے   آتشؔ غزل یہ تو نے کہی **عاشقانہ** کیا

تشریح:

سن تو سہی جہاں میں ہے تیرا **فسانہ** کیا   کہتی ہے تجھ کو خلق خدا **غائبانہ** کیا

شاعر کہتا ہے کہ اے حضرت انسان! ذرا غور تو کر، دنیا تیرے بارے میں کیا کیا باتیں کرتی ہے۔ لوگ تجھے دیکھے بغیر بھی یاد کرتے ہیں، تیری شہرت غائبانہ ہے۔

زیر زمیں سے آتا ہے جو گل سو زر بکف   قاروں نے راستے میں لٹایا **خزانہ** کیا

ہر زمین سے جو پھول نکلتا ہے وہ گویا سونے سے بھرا ہوتا ہے۔ شاعر اشارہ کرتا ہے کہ یہ سب دولت قارون کے بکھیرے ہوئے خزانے کا اثر ہے۔

چاروں طرف سے صورت جاناں ہو جلوہ گر   دل صاف ہو ترا تو ہے آئینہ **خانہ** کیا

اگر دل پاک ہو تو ہر سمت میں تجھے محبوب کا جلوہ نظر آئے گا۔ دل ہی اگر آئینے کی طرح صاف ہو تو یہ دنیا خود آئینہ خانہ بن جاتی ہے۔

طبل و علم ہی پاس ہے اپنے نہ ملک و مال   ہم سے خلاف ہو کے کرے گا **زمانہ** کیا

ہمارے پاس نہ دولت ہے، نہ اقتدار، بس عزت کا علم اور آواز ہے۔ تو پھر زمانہ ہم سے دشمنی کر کے بھی ہمارا کیا بگاڑ سکتا ہے؟

یوں مدعی حسد سے نہ دے داد تو نہ دے   آتشؔ غزل یہ تو نے کہی **عاشقانہ** کیا

اگر حاسد داد نہ دے تو پروا نہیں، وہ تو حسد کی وجہ سے خاموش ہے۔ لیکن اے آتشؔ! تیری یہ غزل سچ میں محبت سے لبریز اور عاشقانہ ہے۔

مشکل الفاظ:

فسانہ	کہانی، قصہ	Tale, Story
خلق	مخلوق، لوگ	People, Creation
غائبانہ	غیر موجودگی میں، پسِ پشت	In Absence, Behind The Back
زیرِ زمیں	زمین کے نیچے	Underground, Beneath The Earth
گل	پھول	Flower
زر بکف	ہاتھ میں سونا لیے	Holding Gold
قاروں	قصہ قرآنی دولت مند شخص	(A Wealthy Figure In Islamic Lore)
خزانہ	دولت، مال	Treasure, Wealth
صورتِ جاناں	محبوب کا چہرہ	Face Of The Beloved
جلوہ گر	ظاہر، نمایاں	Manifest, Appearing
دل صاف	پاک دل، کینہ سے پاک	Pure-Hearted, Clean-Hearted
آئینہ خانہ	وہ جگہ جہاں ہر طرف آئینے ہوں	Hall Of Mirrors
طبل	نقارہ، ڈھول	Drum, War Drum
علم	پرچم، جھنڈا	Flag, Standard
مدعی	دعویٰ کرنے والا، حاسد	Claimant, Rival
داد	تعریف، تحسین	Praise, Appreciation
حسد	جلن، رشک	Jealousy, Envy
عاشقانہ	محبت بھرا، عشق سے لبریز	Romantic, Full Of Love

مشقیں:

مشق 1: ذیل میں دیے گئے مصرعوں میں قافیہ کی نشاندہی کیجیے۔

1۔ سن تو سہی جہاں میں ہے تیرا فسانہ کیا ....

2۔ کہتی ہے تجھ کو خلق خدا غائبانہ کیا ....

3۔ قاروں نے راستے میں لٹایا خزانہ کیا ....

4۔ دل صاف ہو تر اتو ہے آئینہ خانہ کیا ....

5۔ ہم سے خلاف ہو کے کرے گا زمانہ کیا ....

مشق 2: ذیل میں دیے گئے مصرعوں کو مکمل کیجیے۔

1۔ طبل و علم ہی پاس ہے اپنے نہ ملک و..................................

2۔ یوں مدعی حسد سے نہ دے داد..................................

3۔ چاروں طرف سے صورت جاناں ہو..................................

4۔ ہم سے خلاف ہو کے کرے گا..................................

5۔ چاروں طرف سے صورت جاناں ہو..................................

مشق 3: ذیل میں خالی جگہوں کو پُر کیجیے۔

1۔ حیدر علی آتش 1778ء میں فیض آباد میں...............ہوئے۔

2۔ آتش کا کلام عام فہم...............میں ہے۔

3۔ آخری شعر مقطع کا ہے جس میں شاعر نے اپنا...............آتش استعمال نہیں کیا ہے۔

4۔ شاعر کے مطابق اگر دل پاک ہو تو ہر سمت میں تجھے...............کا جلوہ نظر آئے گا

5۔ شاعر کے مطابق زمین سے جو پھول نکلتا ہے وہ گویا...............سے بھرا ہوتا ہے۔

6.6 اکتسابی نتائج

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ نے درج ذیل باتیں سیکھیں:

- غزل اردو شاعری کی سب سے مقبول ترین صنف سخن ہے۔ رشید احمد صدیقی نے اسے اردو شاعری کی آبرو کہا ہے۔
- ہیئت کے اعتبار سے غزل کا ہر شعر منفرد ہوتا ہے۔ اس کے پہلے مصرعے کو مطلع کہتے ہیں جس کے دونوں مصرعے ہم ردیف و ہم قافیہ ہوتے ہیں۔
- ولی دکنی کا پورا نام ولی محمد تھا۔ انہیں ولی دکنی یا ولی گجراتی کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ 1667ء کو گجرات میں پیدا ہوئے۔
- مولوی عبدالحق کے مطابق ولی کی وفات 1119 ھ یعنی 1707ء کو ہوئی۔
- میر تقی میر کا نام محمد تقی اور تخلص میر تھا۔ 1722 کو اکبر آباد (آگرہ) میں پیدا ہوئے۔ 1810 میں لکھنؤ میں انتقال ہوا اور وہیں

دفن ہوئے۔

- اردو میں میر کی غیر معمولی خدمات کی وجہ سے محمد حسین آزاد نے انہیں اردو شاعری کا خدائے سخن کہا ہے۔
- اردو میں ان کی شاعری کے چھ اور فارسی شاعری کا ایک دیوان موجود ہے۔
- خواجہ میر درد 1721ء میں دہلی میں پیدا ہوئے اور 1785ء میں وہیں وفات پاگئے۔ میر درد ان شعرا میں شامل ہیں جنھوں نے اردو غزل کو روحانیت اور تصوف کی گہری معنویت عطا کی۔
- حیدر علی آتش 1778ء میں فیض آباد میں پیدا ہوئے اور 1847ء میں لکھنؤ میں وفات پائی۔ آتش کا کلام عام فہم زبان میں ہے، جس میں محاوروں، کہاوتوں اور روز مرہ کی لطافت نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔

6.7 نمونہ امتحانی سوالات

6.7.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات:

1۔ ــــــــــــ کو اردو شاعری میں وہی مقام حاصل ہے جو فارسی شاعری میں رودکی کو حاصل ہے۔

(a) ولی دکنی (b) میر تقی میر (c) میر درؔد (d) حیدر علی آتشؔ

2۔ غزل کا پہلا شعر کیا کہلاتا ہے؟

(a) مقطع (b) مطلع (c) حسن غزل (d) حسن مطلع

3۔ غزل کا آخری شعر کیا کہلاتا ہے؟

(a) مطلع (b) حسن غزل (c) حسن مطلع (d) مقطع

4۔ ولی کو اردو شاعری کا باوا آدم کس نے کہا؟

(a) حالی (b) محمد حسین آزاد (c) شبلی (d) سرسید

5۔ میر کو اردو شاعری کا خدائے سخن کس نے کہا ہے؟

(a) نذیر احمد (b) سودا (c) محمد حسین آزاد (d) غالب

6۔ ذیل میں کون سا لفظ ہم قافیہ نہیں ہے؟

(a) فسانہ (b) خزانہ (c) دعا (d) شانہ

7۔ کس کے یہاں تصوف اور روحانیت کی شاعری ملتی ہے؟

(a) میر تقی میرؔ (b) آتش (c) میر درؔد (d) ولیؔ

8۔ آتش کس شہر میں پیدا ہوئے؟

(a)لکھنؤ (b)فیض آباد (c)دہلی (d)حیدرآباد

9۔ آتش کے کلام میں کس شہر کی تہذیبی فضا دکھائی دیتی ہے؟

(a)دہلی (b)علی گڑھ (c)لکھنؤ (d)رامپور

10۔ فسانہ کے کیا معنی ہیں؟

(a)آپ بیتی (b)شعر (c)سوانح نگاری (d) قصہ کہانی

6.7.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات:

1۔ غزل کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟

2۔ ولی کا تعارف اپنے الفاظ میں لکھیے۔

3۔ میر تقی میر پر ایک مختصر نوٹ لکھیے۔

4۔ " اداو ناز سوں آتا ہے وو روشن جبیں گھر سوں" شعر میں کس کے آنے کی بات ہو رہی ہے؟

5۔ درج ذیل شعر میں قافیہ اور ردیف کی نشاندہی کیجیے۔

سن تو سہی جہاں میں ہے تیرا فسانہ کیا کہتی ہے تجھ کو خلق خدا غائبانہ کیا

6.7.3 طویل جوابات کے حامل سوالات:

1۔ غزل کی ہیئت پر نوٹ لکھیے اور اس کے اجزا کو مثالوں سے واضح کیجیے۔

2۔ میر اور آتش کے حالات زندگی پر نوٹ لکھیے اور ان کا ایک ایک شعر بھی پیش کیجیے۔

3۔ اپنی پسند کی کسی ایک غزل کے پانچ شعر لکھیے۔ جس میں مطلع اور مقطع بھی شامل ہوں۔

6.7.1 کے جوابات: 1-a 2-b 3-d 4-b 5-c

6-c 7-c 8-b 9-c 10-d

اکائی 7: غزل

ذوقؔ، غالبؔ، فیضؔ، پروینؔ شاکر

اکائی کے اجزا

7.0 تمہید

7.1 مقاصد

7.2 شیخ ابراہیم ذوقؔ - تعارف

7.2.1 ذوقؔ کی غزل

7.3 اسد اللہ خاں غالبؔ - تعارف

7.3.1 غالبؔ کی غزل

7.4 فیضؔ: گلوں میں رنگ بھرے بادِ نو بہار چلے

7.4.1 فیض احمد فیضؔ کی غزل

7.5 پروینؔ شاکر - تعارف

7.5.1 پروینؔ شاکر کی غزل

7.6 اکتسابی نتائج

7.7 نمونہ امتحانی سوالات

7.0 تمہید

پچھلی اکائی میں آپ نے ولی دکنی، میر تقی میر، درد، اور آتش کی غزلوں کا مطالعہ کیا۔ اس اکائی میں ہم اردو کے چار اہم شعرا ذوقؔ، غالبؔ، فیضؔ اور پروینؔ شاکر کی غزلوں کا مطالعہ کریں گے۔ ذوقؔ کی غزل میں روایتی حسن، زبان کی سادگی اور تہذیبی رنگ جھلکتے ہیں۔ غالبؔ نے غزل کو فکری اور معنوی بلندی عطا کی۔ فیضؔ نے غزل کو محبت کے ساتھ ساتھ انقلابی جذبے کا اظہار بنایا، جب کہ پروینؔ شاکر نے غزل میں نسائی جذبات، خوشبو اور جدید حسیت کی نئی فضا قائم کی۔ ان شعرا کی غزلیں آج بھی اردو ادب کا قیمتی سرمایہ ہیں۔ آیئے ہم ان کی غزلوں کا مطالعہ کرتے ہیں۔

7.1 مقاصد

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- اردو غزل کی خصوصیات کا مطالعہ کر سکیں۔
- ذوقؔ، غالبؔ، فیضؔ اور پروین شاکر سے واقف ہو سکیں۔
- اکائی میں شامل شعرا کی منتخب غزلوں کا مطالعہ کر سکیں۔

7.2 شیخ ابراہیم ذوقؔ-تعارف

ابراہیم ذوق، جن کا پورا نام شیخ ابراہیم ذوق تھا، 1789ء میں دہلی میں پیدا ہوئے اور 1854ء میں وہیں وفات پائی۔ وہ اردو کے کلاسیکی دور کے اہم شاعروں میں شمار ہوتے ہیں۔ ذوق نے کم عمری میں شاعری کا آغاز کیا اور اپنی مہارت کے سبب شاہی دربار میں استاد شاعر کے منصب تک پہنچے، جہاں بہادر شاہ ظفر بھی ان کے شاگردوں میں شامل تھے۔ ذوق کے بعد غالب بہادر شاہ ظفر کے استاد مقرر ہوئے۔ وہ قصیدہ نگاری میں خاص مقام رکھتے ہیں اور ان کی شاعری میں تہذیبی اقدار اور روایتی رنگ نمایاں ہے۔ ذوق کی زبان سادہ، رواں اور محاوروں سے بھرپور ہے، جس میں فصاحت و بلاغت کا حسین امتزاج نظر آتا ہے۔

7.2.1 ذوقؔ کی غزل:

لائی حیات آئے قضا لے **چلی** چلے — اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی **خوشی** چلے
ہو عمر خضر بھی تو ہو معلوم وقت مرگ — ہم کیا رہے یہاں ابھی آئے **ابھی** چلے
بہتر تو ہے یہی کہ نہ دنیا سے دل لگے — پر کیا کریں جو کام نہ بے دل **لگی** چلے
دنیا نے کس کا راہ فنا میں دیا ہے ساتھ — تم بھی چلے چلو یوں ہی جب تک **چلی** چلے
جاتے ہوائے شوق میں ہیں اس چمن سے ذوقؔ — اپنی بلا سے باد صبا اب **کبھی** چلے

تشریح:

لائی حیات آئے قضا لے **چلی** چلے — اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی **خوشی** چلے

زندگی ہمیں بے اختیار لے آئی اور موت بے اختیار لے جا رہی ہے۔ ہم نہ اپنی مرضی سے دنیا میں آئے، نہ اپنی مرضی سے جا رہے ہیں۔

ہو عمر خضر بھی تو ہو معلوم وقت مرگ — ہم کیا رہے یہاں ابھی آئے **ابھی** چلے

چاہے کسی کو خضر جیسی طویل عمر بھی مل جائے، موت کا وقت طے ہے۔ ہماری زندگی تو ویسے بھی عارضی ہے، گویا ابھی آئے اور

فوراً چل دیے۔

بہتر تو ہے یہی کہ نہ دنیا سے دل لگے   پر کیا کریں جو کام نہ بے دل لگی چلے

عقل کہتی ہے دنیا سے دل نہ لگایا جائے، یہی بہتر ہے۔ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ کوئی کام بھی بغیر دل لگائے چل نہیں سکتا۔

دنیا نے کس کا راہ فنا میں دیا ہے ساتھ   تم بھی چلے چلو یوں ہی جب تک چلی چلے

دنیا نے آج تک کسی کا فنا کے سفر میں ساتھ نہیں دیا۔ لہٰذا تم بھی اس دنیا کے ساتھ چلتے رہو جب تک یہ چال چلتی ہے۔

جاتے ہوائے شوق میں ہیں اس چمن سے ذوقؔ   اپنی بلا سے باد صبا اب کبھی چلے

اے ذوقؔ! ہم تو شوق کی ہوا میں اس باغ سے جارہے ہیں۔ اب بادصبا (صبح کی خوشگوار ہوا) چلے یا نہ چلے، ہمیں کوئی پروا نہیں۔

مشکل الفاظ:

حیات	زندگی	Life
قضا	موت، تقدیر	Death, Fate
عمر خضر	حضرت خضرؑ کی لمبی عمر (لازوال عمر)	The Long (Immortal) Life Of Khidr
وقت مرگ	مرنے کا وقت	Moment Of Death
فنا	خاتمہ، مٹ جانا	Destruction, Annihilation
راہ فنا	مرنے کا راستہ	Path Of Death
شوق	چاہت، محبت	Passion, Desire
چمن	باغ، دنیا	Garden (Symbolically: The World)
ذوقؔ	شاعر کا تخلص	Zauq (Poet's Pen Name)
اپنی خوشی	اپنی مرضی	One's Own Will
بلا	پروا، فکر	Concern, Care
بادصبا	صبح کی نرم ہوا	Morning Breeze

مشقیں:

مشق 1: ذیل میں دیے گئے جملوں میں صحیح اور غلط کی نشاندہی کیجیے۔

1۔ ابراہیم ذوق کا تعلق لکھنؤ سے تھا۔

2۔ ذوق شاہی دربار میں استاد شاعر تھے۔

3۔ ذوق کی شاعری میں قصیدے کم نظر آتے ہیں۔

4۔ ذوق کی زبان میں محاورے اور سادگی نمایاں ہیں۔

5۔ غالب اور ذوق ایک ہی عہد کے شاعر تھے۔

مشق 2: درج ذیل جملوں میں خالی جگہیں مکمل کریں۔

1۔ شیخ ابراہیم ذوق ________ میں دہلی میں پیدا ہوئے۔

2۔ ذوق نے کم عمری میں ________ کا آغاز کیا۔

3۔ ذوق کے شاگردوں میں ________ شاہ ظفر بھی شامل تھے۔

4۔ ذوق کی شاعری میں ________ اقدار اور روایتی رنگ نمایاں ہیں۔

مشق 3: ذیل میں دیے گئے مصرعوں کو مکمل کیجیے۔

1۔ لائی حیات آئے قضا...

2۔ پر کیا کریں جو کام نہ...

3۔ دنیا نے کس کا راہ فنا میں ....

4۔ جاتے ہوائے شوق میں ہیں اس...

مشق 4: ذیل میں دیے گئے سوالات کا مختصر جواب لکھیے۔

1۔ ابراہیم ذوق کی پیدائش اور وفات کب ہوئی؟

2۔ ذوق شاہی دربار میں کس منصب پر فائز تھے؟

3۔ ذوق کی شاعری میں کون سے نمایاں عناصر نظر آتے ہیں؟

4۔ غزل کے کس شعر میں "دنیا کی بے ثباتی" کا ذکر ہے؟

7.3 اسد اللہ خاں غالبؔ - تعارف

مرزا غالب، جن کا اصل نام مرزا اسد اللہ بیگ خان تھا، 1797ء میں آگرہ میں پیدا ہوئے اور 1869ء میں دہلی میں وفات پائی۔ وہ اردو اور فارسی کے عظیم شاعر سمجھے جاتے ہیں۔ غالب نے اردو غزل کو نئے فکری اور فنی انداز سے روشناس کرایا، ان کی شاعری میں فلسفہ، تصوف، عشق اور انسانی نفسیات کی گہری چھاپ ملتی ہے۔ ان کا اندازِ بیان نیا، معنی خیز اور پر اثر ہے، جس نے اردو شاعری کو ایک نیا موڑ دیا۔ غالب نثر نگاری میں بھی مہارت رکھتے تھے، ان کے خطوط اردو نثر میں سادہ اور مکالماتی اسلوب کی بنیاد سمجھے جاتے ہیں۔ شاعری میں پہلے اسدؔ

اور بعد میں غالبؔ تخلص اختیار کیا۔ ان کی شاعری آج بھی فکر و فن کا اعلیٰ نمونہ مانی جاتی ہے۔

7.3.1 غالبؔ کی غزل:

ابن مریم **ہوا** کرے کوئی　　میرے دکھ کی **دوا** کرے کوئی
بات پر واں زبان کٹتی ہے　　وہ کہیں اور **سنا** کرے کوئی
بک رہا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ　　کچھ نہ سمجھے **خدا** کرے کوئی
نہ سنو گر برا کہے کوئی　　نہ کہو گر **برا** کرے کوئی
روک لو گر غلط چلے کوئی　　بخش دو گر **خطا** کرے کوئی
جب توقع ہی اٹھ گئی غالبؔ　　کیوں کسی کا **گلہ** کرے کوئی

تشریح:

ابن مریم **ہوا** کرے کوئی　　میرے دکھ کی **دوا** کرے کوئی

شاعر کہتا ہے کہ میرے درد کا مداوا کوئی ایسا ہی کر سکتا ہے جیسا حضرت عیسیٰؑ (ابن مریم) جیسے مہربان اور معجزہ نما شخص۔ ایسا درد ہے جو عام انسان کے بس کا نہیں، کوئی خاص ہی مدد کرے۔

بات پر واں زبان کٹتی ہے　　وہ کہیں اور **سنا** کرے کوئی

ایسی جگہ ہے جہاں سچ بولنے کی سزا زبان کاٹ دینا ہے۔ تو بہتر ہے کہ کوئی سننے والا ہو تو اور جگہ جا کر سن لے۔

بک رہا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ　　کچھ نہ سمجھے **خدا** کرے کوئی

دیوانگی میں میں کیا کچھ کہہ رہا ہوں، خود مجھے بھی ہوش نہیں۔ دعا ہے کہ کوئی ان باتوں کا مطلب نہ سمجھے، ورنہ بات بگڑ جائے گی۔

نہ سنو گر برا کہے کوئی　　نہ کہو گر **برا** کرے کوئی

اگر کوئی تمہیں برا بھلا کہے تو اسے نظر انداز کرو۔ اور اگر کوئی تم سے برا سلوک کرے، تو بھی تم بدلہ نہ لو۔

روک لو گر غلط چلے کوئی　　بخش دو گر **خطا** کرے کوئی

اگر کوئی غلط راہ پر جا رہا ہو تو اسے روکو، رہنمائی کرو۔ اور اگر کوئی غلطی کر بیٹھے تو معاف کر دینا بہتر ہے۔

جب توقع ہی اٹھ گئی غالبؔ　　کیوں کسی کا **گلہ** کرے کوئی

جب کسی سے کوئی امید ہی باقی نہ رہی، تو پھر شکایت کرنے کا بھی کوئی مطلب نہیں رہتا۔

مشکل الفاظ:

ابنِ مریم	حضرت عیسیٰ علیہ السلام	Son Of Mary (Jesus)

جنوں	دیوانگی، پاگل پن	Madness, Insanity
برا	غلط، ناپسندیدہ	Bad, Wrong
توقع	امید	Expectation, Hope
دوا	علاج	Remedy, Cure
گلہ	شکایت	Complaint
بخش دو	معاف کر دو	Forgive
خطا	غلطی	Mistake, Fault

مشقیں:

مشق 1: ذیل میں دیے گئے جملوں میں صحیح اور غلط کی نشاندہی کیجیے۔

1۔ مرزا غالب 1797ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔

2۔ غالب نے اردو غزل کو نئے فکری اور فنی انداز سے آشنا کیا۔

3۔ غالب صرف شاعری میں مہارت رکھتے تھے، نثر میں نہیں۔

4۔ غالب کی شاعری میں فلسفے اور تصوف کے اثرات نمایاں ہیں۔

مشق 2: درج ذیل جملوں میں خالی جگہیں مکمل کریں۔

1۔ مرزا غالب کا اصل نام مرزا ________ تھا۔

2۔ "________" مرزا اسد اللہ بیگ خان کا تخلص تھا۔

3۔ غالب کی شاعری میں فلسفہ، تصوف، ________ اور انسانی نفسیات کی جھلک ملتی ہے۔

4۔ غالب نے اردو غزل کو نئے ________ اور ________ انداز سے روشناس کرایا۔

مشق 3: ذیل میں دیے گئے مصرعوں کو مکمل کیجیے۔

1۔ ابن مریم ہوا کرے ....

2۔ بک رہا ہوں جنوں میں کیا کیا ....

3۔ نہ سنو گر برا کہے..

4۔ جب توقع ہی اٹھ گئی ....

مشق 4: ذیل میں دیے گئے سوالات کا مختصر جواب لکھیے۔

1۔ غالب کی پیدائش کہاں ہوئی؟

2۔ غالب کا تخلص کیا تھا؟

3۔ غالب کی مذکورہ بالا غزل میں کس نبی کا ذکر آیا ہے؟

4۔ غالب کے خطوط کس اسلوب کی بنیاد سمجھے جاتے ہیں؟

7.4 فیض احمد فیضؔ-تعارف

فیض احمد فیض، 1911ء میں سیالکوٹ میں پیدا ہوئے اور 1984ء میں لاہور میں وفات پائی۔ وہ اردو کے عظیم انقلابی شاعر، ادیب اور دانشور تھے۔ فیض کی شاعری میں محبت اور انقلاب کا حسین امتزاج ملتا ہے، جہاں ذاتی جذبات کے ساتھ ساتھ اجتماعی شعور اور ظلم کے خلاف آواز بھی شامل ہے۔ ان کا اندازِ بیان نرم، دلکش اور اثر انگیز تھا، جس نے اردو شاعری کو ایک نیا شعور عطا کیا۔ فیض نے "نقش فریادی"، "دست صبا" اور "زنداں نامہ" جیسی شہرۂ آفاق تصانیف پیش کیں۔ وہ نثر میں بھی کمال رکھتے تھے اور کئی ادبی و صحافتی اداروں سے وابستہ رہے۔ عالمی سطح پر بھی فیض کو عظیم شاعر اور امن کے علم بردار کے طور پر سراہا گیا۔

7.4.2 فیضؔ کی غزل:

گلوں میں رنگ بھرے باد **نوبہار** چلے — چلے بھی آؤ کہ گلشن کا **کاروبار** چلے

قفس اداس ہے یارو صبا سے کچھ تو کہو — کہیں تو بہر خدا آج **ذکر یار** چلے

بڑا ہے درد کا رشتہ یہ دل غریب سہی — تمہارے نام پہ آئیں گے **غم گسار** چلے

جو ہم پہ گزری سو گزری مگر شب ہجراں — ہمارے **اشک** تری عاقبت **سنوار** چلے

مقام فیضؔ کوئی راہ میں جچا ہی نہیں — جو کوئے یار سے نکلے تو **سوئے دار** چلے

تشریح:

گلوں میں رنگ بھرے باد **نوبہار** چلے — چلے بھی آؤ کہ گلشن کا **کاروبار** چلے

بادِ بہاری کے ساتھ پھولوں میں رنگ بھرنے کا وقت آ گیا ہے، بہار آ چکی ہے۔ اب تم بھی آ جاؤ تاکہ گلشن کی رونقیں اور خوشبوئیں مکمل ہو جائیں۔

قفس اداس ہے یارو صبا سے کچھ تو کہو — کہیں تو بہر خدا آج **ذکر یار** چلے

قفس (پنجرہ، یعنی قید خانہ یا دل) اداسی سے بھرا ہے، اے دوستو، ہوا سے کہو۔ خدا کے واسطے، آج کسی طرح محبوب کا ذکر ہو، کچھ دل بہلے۔

بڑا ہے درد کا رشتہ یہ دل غریب سہی تمہارے نام پہ آئیں گے **غم گسار** چلے

دل چاہے غریب اور کمزور ہو، مگر درد کا رشتہ بہت گہرا ہوتا ہے۔ ہم تمہارے نام پر اپنی تکلیفوں کے ساتھی لے کر آئیں گے۔

جو ہم پہ گزری سو گزری مگر شب ہجراں ہمارے اشک تری عاقبت **سنوار** چلے

ہم پر جو بیت گئی وہ سو بیت گئی، مگر ہجر کی راتوں میں بہنے والے ہمارے آنسو شاید تیری آخرت میں کوئی بہتری اور رحمت کا سبب بن جائیں۔

مقام فیضؔ کوئی راہ میں جچا ہی نہیں جو کوئے یار سے نکلے تو **سوئے دار** چلے

شاعر کہتا ہے کہ اسے محبوب کے کوچے کے بعد کوئی اور مقام دل کو راس نہ آیا۔ جب وہاں سے نکلے تو سیدھے دار (پھانسی کے تختے) کی طرف روانہ ہو گئے۔

مشکل الفاظ:

گلوں	پھول	Flowers
رنگ بھرے	رنگین، خوبصورت	Full Of Color, Colorful
بادِ نو بہار	بہار کی تازہ ہوا	Spring Breeze
قفس	پنجرہ، قید خانہ	Cage, Prison
بہرِ خدا	خدا کے واسطے	For God's Sake
درد کا رشتہ	غم کا تعلق	Bond Of Pain
شبِ ہجراں	جدائی کی رات	Night Of Separation
غم گسار	غم بانٹنے والے، ہمدرد	Sympathizers
اشک	آنسو	Tears
عاقبت	انجام، آخرت	Fate, Hereafter
مقام	جگہ، مرتبہ	Place, Position
کوئے یار	محبوب کا محلہ	Lane Of The Beloved
سوئے دار	پھانسی کی طرف	Towards Place Of Hanging

مشقیں:

مشق 1: ذیل میں دیے گئے جملوں میں صحیح اور غلط کی نشاندہی کیجیے۔

1۔ فیض احمد فیض کی پیدائش لاہور میں ہوئی۔..

2۔ "نقش فریادی" فیض کی ایک مشہور تصنیف ہے۔...................................

3۔ فیض کی شاعری میں صرف ذاتی جذبات کی عکاسی ملتی ہے۔..........................

4۔ "دست صبا" غالب کی غزلوں کا مجموعہ ہے۔......................................

مشق 2: درج ذیل مصرعوں میں قافیہ کی نشاندہی کیجیے۔

1۔ گلوں میں رنگ بھرے بادنو بہار چلے.........................

2۔ کہیں تو بہر خدا آج ذکر یار چلے...............................

3۔ تمہارے نام پہ آئیں گے غم گسار چلے.........................

4۔ جو کوئے یار سے نکلے تو سوئے دار چلے.......................

مشق 3: ذیل میں دیے گئے مصرعوں کو مکمل کیجیے۔

1۔ بڑا ہے درد کا رشتہ یہ دل...

2۔ ہمارے اشک تری...

3۔ کہیں تو بہر خدا آج..

4۔ جو کوئے یار سے نکلے تو..

مشق 4: ذیل میں دیے گئے سوالات کا مختصر جواب لکھیے۔

1۔ فیض احمد فیض کہاں پیدا ہوئے؟

2۔ "کوئے یار" کا کیا مطلب ہے؟

3۔ فیض کی ایک مشہور تصنیف کا نام لکھیے۔

4۔ فیض کا اندازِ بیان کیسا تھا؟

7.5 پروین شاکر-تعارف

پروین شاکر، 24 نومبر 1952ء کو کراچی میں پیدا ہوئیں اور 26 دسمبر 1994ء کو ایک حادثے میں وفات پا گئیں۔ وہ اردو کی مقبول

ترین جدید شاعرہ تھیں جنہوں نے نسوانی جذبات کو خوبصورتی اور لطافت کے ساتھ شاعری میں بیان کیا۔ پروین شاکر کی شاعری میں محبت، خواب، خوشبو، تنہائی اور جدید حساسیت کا گہرا رنگ ملتا ہے۔ ان کا انداز بیان نازک، دلکش اور سادہ مگر دل پر اثر انداز ہونے والا ہے۔ ان کے مشہور شعری مجموعوں میں "خوشبو"، "صد برگ"، "خود کلامی" اور "انکار" شامل ہیں۔ ان کی شاعری کا کلیات 'ماہ تمام' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ پروین شاکر نے اردو غزل میں ایک نیا نسائی لہجہ متعارف کرایا اور اپنی مختصر زندگی میں ادب کی دنیا میں نمایاں مقام حاصل کیا۔

7.5.1 پروین شاکر کی غزل:

کو بہ کو پھیل گئی بات **شناسائی** کی	اس نے خوشبو کی طرح میری **پذیرائی** کی
کیسے کہہ دوں کہ مجھے چھوڑ دیا ہے اس نے	بات تو سچ ہے مگر بات ہے **رسوائی** کی
وہ کہیں بھی گیا لوٹا تو مرے پاس آیا	بس یہی بات ہے اچھی مرے **ہرجائی** کی
اس نے جلتی ہوئی پیشانی پہ جب ہاتھ رکھا	روح تک آ گئی تاثیر **مسیحائی** کی
اب بھی برسات کی راتوں میں بدن ٹوٹتا ہے	جاگ اٹھتی ہیں عجب خواہشیں **انگڑائی** کی

تشریح:

کو بہ کو پھیل گئی بات **شناسائی** کی — اس نے خوشبو کی طرح میری **پذیرائی** کی

ہماری محبت کی بات گلی گلی پھیل گئی، ہر جگہ چرچا ہو گیا۔ محبوب نے میری پہچان کو اس طرح اپنایا جیسے خوشبو آہستہ آہستہ فضا میں پھیلتی ہے۔

کیسے کہہ دوں کہ مجھے چھوڑ دیا ہے اس نے — بات تو سچ ہے مگر بات ہے **رسوائی** کی

محبوب نے واقعی ساتھ چھوڑ دیا، یہ سچ ہے۔ لیکن یہ کہنا بدنامی کا باعث ہو گا، اس لیے خاموشی بہتر ہے۔

وہ کہیں بھی گیا لوٹا تو مرے پاس آیا — بس یہی بات ہے اچھی مرے **ہرجائی** کی

محبوب نے چاہے بارہا بے وفائی کی، لیکن ہر بار آخر کار میرے پاس لوٹ آیا۔ اسی لوٹ آنے کی امید ہی اس کی سب سے اچھی بات تھی۔

اس نے جلتی ہوئی پیشانی پہ جب ہاتھ رکھا — روح تک آ گئی تاثیر **مسیحائی** کی

جب محبوب نے میرے تپتے ہوئے ماتھے پر ہاتھ رکھا، تو وہ لمس بہت شفا بخش تھا۔ ایسا لگا جیسے حضرت عیسیٰؑ کی شفا بخشنے والی تاثیر میری روح تک اتر گئی ہو۔

اب بھی برسات کی راتوں میں بدن ٹوٹتا ہے — جاگ اٹھتی ہیں عجب خواہشیں **انگڑائی** کی

اب بھی برسات کی بھیگی راتوں میں جسم ٹوٹ سا جاتا ہے، پرانی تھکن جاگ اٹھتی ہے۔ ایسی راتوں میں پرانی محبت کی خواہشیں، حسرتیں، اور یادیں کروٹیں لیتی ہیں۔

مشکل الفاظ:

کو بہ کو	ہر طرف، گلی گلی	Everywhere, From Street To Street
شناسائی	پہچان، جان پہچان	Acquaintance, Familiarity
پذیرائی	استقبال، عزت افزائی	Welcome, Reception
رسوائی	بدنامی، ذلت	Disgrace, Defamation
ہرجائی	بے وفا، وعدہ توڑنے والا	Unfaithful Lover, Betrayer
تاثیر	اثر، تاثیر	Effect, Impact
مسیحائی	حضرت عیسیٰ جیسی شفابخش صفت	Healing Power (Like Christ's)
پیشانی	ماتھا	Forehead
انگڑائی	بدن کا پھیلاؤ، تناؤ	Stretch(Usually Expressing Awakening)
عجب	حیران کن، نرالا	Strange, Unusual

مشقیں:

مشق 1: ذیل میں دیے گئے جملوں میں صحیح اور غلط کی نشاندہی کیجیے۔

1۔ پروین شاکر کی پیدائش لاہور میں ہوئی۔ ( )

2۔ "خوشبو" پروین شاکر کی شاعری کا مجموعہ ہے۔ ( )

3۔ پروین شاکر کی شاعری صرف غم اور تنہائی پر مشتمل ہے۔ ( )

4۔ پروین کی شاعری میں سادگی اور اثر انگیزی دونوں شامل ہیں۔ ( )

مشق 2: درج ذیل مصرعوں میں قافیہ کی نشاندہی کیجیے۔

1۔ کو بہ کو پھیل گئی بات شناسائی کی ....

2۔ جاگ اٹھتی ہیں عجب خواہشیں انگڑائی کی ....

3۔ بات تو سچ ہے مگر بات ہے رسوائی کی ....

4۔ روح تک آ گئی تاثیر مسیحائی کی ....

مشق 3: ذیل میں دیے گئے مصرعوں کو مکمل کیجیے۔

1۔ اس نے خوشبو کی طرح میری..........................

2۔ کیسے کہہ دوں کہ مجھے چھوڑ دیا ہے..........................

3۔ وہ کہیں بھی گیا لوٹا تو مرے..........................

4۔ اب بھی برسات کی راتوں میں..........................

مشق 4: ذیل میں دیے گئے الفاظ کے معنی لکھیے۔

1۔ شناسائی..........................

2۔ رسوائی..........................

3۔ تاثیر..........................

4۔ مسیحائی..........................

7.6 اکتسابی نتائج

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ نے درج ذیل باتیں سیکھیں:

- غزل اپنے نازک لہجے، موسیقیت اور جذباتی اثر پذیری کی وجہ سے ہمیشہ پڑھنے اور سننے والوں کو اپنی طرف متوجہ کرتی آئی ہے۔
- ذوقؔ کی غزل میں روایتی حسن، زبان کی سادگی اور تہذیبی رنگ جھلکتے ہیں۔
- غالبؔ نے غزل کو فکری اور معنوی بلندی عطا کی۔
- فیضؔ نے غزل کو محبت کے ساتھ ساتھ انقلابی جذبے کا اظہار بنایا۔
- پروین شاکرؔ نے غزل میں نسائی جذبات، خوشبو اور جدید حسیت کی نئی فضا قائم کی۔
- ابراہیم ذوق، جن کا پورا نام شیخ ابراہیم ذوق تھا، 1789ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ وہ بہادر شاہ ظفر کے استاد تھے اور قصیدہ نگاری میں ایک خاص مقام رکھتے ہیں۔
- فیض 1911 میں سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ وہ اردو کے عظیم انقلابی شاعر، ادیب اور دانشور تھے۔ ان کی شاعری میں محبت اور انقلاب کا حسین امتزاج ملتا ہے۔
- فیضؔ کی شاعری کے مجموعے "نقش فریادی"، "دست صبا" اور "زنداں نامہ" وغیرہ ہیں۔
- پروین شاکر، 24 نومبر 1952ء کو کراچی میں پیدا ہوئیں اور 26 دسمبر 1994ء کو ایک حادثے میں وفات پا گئیں۔

- ان کی شاعری میں نسوانی جذبات کو خوبصورتی اور لطافت کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔
- پروین شاکر نے اپنی غزلوں میں اپنا تخلص استعمال نہیں کیا۔

7.7 نمونہ امتحانی سوالات

7.7.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات:

1۔ ابتداء میں غزل میں زیادہ تر کس قسم کے مضامین پیش کیے گئے۔

(a)سیاست (b) عشق محبت (c)سماج (d)مذہب

2۔ کس شاعر نے غزل کو فکری اور معنوی بلندی عطا کی؟

(a)فیض (b)ذوق (c) غالب (d)پروین شاکر

3۔ ذوق کا پورا نام کیا تھا؟

(a) شیخ ابراہیم (b)اسد اللہ خاں (c)شوکت علی (d)عبدالحئ

4۔ ذوق کس بادشاہ کے استاد تھے؟

(a)شاہ عالم (b)بہادر شاہ ظفر (c)محمد شاہ (d)اورنگ زیب

5۔ غالب کا پورا نام کیا تھا؟

(a)مرزا شفاعت اللہ خاں (b)مرزا برکت اللہ خاں (c)مرزا قمر اللہ خاں (d)مرزا اسد اللہ خاں

6۔ "جب توقع ہی اٹھ گئی غالب کیوں کسی کا ــــــــــ کرے کوئی۔" خالی جگہ کو بھریے۔

(a)سنا (b)گلہ (c)برا (d)روا

7۔ فیض احمد فیض کس شہر میں پیدا ہوئے؟

(a)لاہور (b)سیالکوٹ (c)کلکتہ (d)دہلی

8۔ ذیل میں کون "نوبہار" کا درست قافیہ نہیں ہے؟

(a) تار تار (b) مشکبار (c)ذکرِیار (d) غم زدہ

9۔ "خوشبو" کس کا شعری مجموعہ ہے؟

(a)پروین شاکر (b)غالب (c)ذوق (d)فیض

10۔ پروین شاکر کے شعری مجموعے (کلیات) کا نام کیا ہے؟

(a) نقش فریادی (b)زنداں نامہ (c)نشاط روح (d)ماہ تمام

7.7.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات:

1۔ شیخ ابراہیم ذوق سے متعلق اپنی معلومات کا اظہار کیجیے۔

2۔ ذوق کی غزل "لائی حیات آئے قضا....................." کے پانچ قوافی لکھیے۔

3۔ مرزا غالب کا تعارف پیش کیجیے۔

4۔ فیض کی غزل کے پانچ مشکل الفاظ کے معنی لکھیے۔

5۔ غالب کی غزل میں "ابن مریم" اور پروین شاکر کی غزل میں لفظ "مسیحائی" میں کیا چیز یکساں ہے؟

7.7.3 طویل جوابات کے حامل سوالات:

1۔ غزل کے بارے میں اپنی معلومات پر اظہار کرتے ہوئے کوئی دو شاعروں کا تعارف کیجیے۔

2۔ اس سبق میں شامل دو غزلوں کے مطلعے لکھیے اور ان کے مطلب اپنے الفاظ میں بیان کیجیے۔

3۔ مقطع کیا ہوتا ہے؟ سبق میں دی گئی مثالوں کے ساتھ نشاندہی کیجیے۔

7.7.1 کے جوابات:

7.7.1 کے جوابات:	1۔b	2۔c	3۔a	4۔b	5۔d
	6۔b	7۔b	8۔d	9۔a	10۔d

بلاک III

اکائی 8: نظم

مناجات (محمد قلی قطب شاہ)، آدمی نامہ، روٹیاں (نظیر اکبر آبادی)

اکائی کے اجزا

8.0 تمہید

8.1 مقاصد

8.2 محمد قلی قطب شاہ

8.2.1 محمد قلی قطب شاہ کا تعارف

8.2.2 نظم "مناجات" (متن)

8.2.3 خلاصہ

8.3 نظیر اکبر آبادی

8.3.1 نظیر اکبر آبادی کا تعارف

8.3.2 نظم "آدمی نامہ" (منتخب متن)

8.3.3 خلاصہ

8.3.4 نظم "روٹیاں" (منتخب متن)

8.3.5 خلاصہ

8.4 اکتسابی نتائج

8.5 نمونہ امتحانی سوالات

8.0 تمہید

نظم اردو شاعری کی ایک اہم صنف ہے۔ نظم کے معنی "لڑی میں پرویا ہوا، ترتیب، ربط و تسلسل کے ساتھ کچھ چیزوں کو جوڑنا،

وغیرہ" کے ہیں۔ نظم میں خیالات و جذبات کو ایک مرکزی خیال کے تحت ربط اور تسلسل کے ساتھ شعری انداز میں پیش کیا جاتا ہے۔اس میں شاعر کسی موضوع، واقعے، منظر یا خیال کو مرتب اور مربوط انداز میں پیش کرتا ہے۔ نظم کا ہر شعر دوسرے شعر سے ربط رکھتا ہے اور نظم کا ایک مرکزی خیال یا موضوع ہوتا ہے، جو ابتدا سے اختتام تک قائم رہتا ہے۔اس اکائی میں ہم قلی قطب شاہ کی ایک نظم "مناجات" اور نظیر اکبر آبادی کی دو نظموں " آدمی نامہ " اور روٹیاں "کا مطالعہ کریں گے۔

8.1 مقاصد

اس اکائی کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- محمد قلی قطب شاہ کا تعارف پیش کر سکیں۔
- نظم "مناجات" کے متن کی قرات اور اس کے خلاصے کا مطالعہ کر سکیں۔
- نظیر اکبر آبادی کا تعارف پیش کر سکیں۔
- نظم " آدمی نامہ " کے متن کی قرات اور اس کے خلاصے کا مطالعہ کر سکیں۔
- نظم "روٹیاں" کے متن کی قرات اور اس کے خلاصے کا مطالعہ کر سکیں۔

8.2 محمد قلی قطب شاہ

8.2.1 محمد قلی قطب شاہ کا تعارف:

محمد قلی قطب شاہ کی پیدائش 1565ء میں ہوئی۔وہ گولکنڈے کی قطب شاہی سلطنت کے پانچویں بادشاہ تھے۔ قلی قطب شاہ اپنے والد ابراہیم قلی قطب شاہ کے جانشین تھے۔ان کا دور حکومت امن، علم و ادب اور فنونِ لطیفہ کا دور تھا۔انہوں نے مساجد، چار مینار اور شہر حیدرآباد جیسے عظیم تعمیراتی کارنامے سرانجام دیے۔

محمد قلی قطب شاہ نہ صرف ایک باصلاحیت حکمران تھے بلکہ ایک عظیم شاعر، معمار اور تہذیب و ثقافت کے علمبردار بھی تھے۔ان کا شمار اردو زبان کے اولین کلاسیکی شاعروں میں ہوتا ہے، جنہوں نے اردو کو درباری اور ادبی زبان کا درجہ دیا۔ محمد قلی قطب شاہ حیدرآباد دکن کے بانی تھے۔انہوں نے 1591ء میں شہر حیدرآباد کی بنیاد رکھی اور اسے خوبصورتی و فن تعمیر کا مرکز بنایا۔

محمد قلی قطب شاہ کو اردو کا پہلا صاحبِ دیوان شاعر ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ان کی شاعری میں اردو، فارسی، عربی اور تلگو الفاظ کا حسین امتزاج ملتا ہے۔انہوں نے غزل، قصیدہ، رباعی، مثنوی اور نظم جیسی اصناف میں طبع آزمائی کی۔محمد قلی قطب شاہ نے 1612ء میں وفات پائی۔ان کا مقبرہ حیدرآباد میں موجود ہے اور وہ آج بھی دکنی تہذیب و ثقافت اور اردو

شاعری کی بنیاد رکھنے والوں میں شمار ہوتے ہیں۔

8.2.2 نظم "مناجات" (متن):

مناجات میرا توں سن یا سمیع
منجے خوش توں رَک رات دن یا سمیع

بھلا کر بھلا منج سوں جو ہوے گا
بُرا کر بُرا منج سوں جن یا سمیع

میرے دوستاں کوں توں نت دے جنت
میرے دشمناں کوں اَگن یا سمیع

اُباداں کر ملک میرا سو توں
بسا سو توں دے میرا سَن یا سمیع

سکل تخت پر میرا یوں تخت کر
انگوٹی پہ جوں ہے نگیں یا سمیع

میرا شہر لوگاں سو معمور کر
رکھیا جوں توں دریا میں مِن یا سمیع

مرادات کا جم ترنگ سار قطبؔ
اُوسی سا رہت دے غنین یا سمیع

8.2.3 خلاصہ:

محمد قلی قطب شاہ کی "مناجات" نظم ایک خوبصورت مناجات (دعائیہ نظم) ہے، جس میں شاعر اللہ تعالیٰ سے دل کی گہرائیوں سے

مختلف دعائیں مانگتا ہے۔ اس نظم میں شاعر اللہ تعالیٰ کو "یا سمیع" کہہ کر پکار رہا ہے، جو کہ سب سننے والا ہے۔ وہ دعا کرتا ہے کہ اللہ ہمیشہ اس کی خوشی برقرار رکھے، دن رات اس پر مہربانی فرمائے۔ شاعر کہتا ہے کہ اگر میں بھلا کروں تو مجھ سے بھلا ہو اور اگر میں بُرا کروں تو بُرا نتیجہ میرے ہی ساتھ ہو۔ وہ دعا کرتا ہے کہ اللہ اس کے دوستوں کو جنت عطا کرے اور دشمنوں کو دوزخ کی آگ میں ڈالے۔ وہ اپنے ملک کی خوشحالی اور ترقی کی دعا کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ اللہ اس کا وطن آباد رکھے۔ شاعر تخت و تاج کی دعا کرتے ہوئے کہتا ہے کہ جیسے انگوٹھی میں نگینہ جڑا ہوتا ہے، ویسے ہی اللہ مجھے تخت عطا کرے۔ وہ اپنے شہر کی آبادی، خوشحالی اور لوگوں کی بہتات کی دعا کرتا ہے، جیسے دریا میں مچھلیاں ہوتی ہیں اس طرح لوگوں سے میرے شہر کو بھر دے۔ آخر میں، شاعر "محمد قطب قلی قطب شاہ" اپنی مرادوں کی تکمیل اور بے نیازی کی دعا کرتا ہے، جو اللہ کی ذات سے ہی ممکن سمجھتا ہے۔ یہ نظم نہ صرف ایک سادہ دعا ہے بلکہ شاعر کے دل کی گہرائیوں، اس کی امیدوں، وطن سے محبت، عدل و انصاف کی طلب، اور روحانی وابستگی کا ایک خوبصورت اظہار ہے۔ محمد قلی قطب شاہ نے نہایت سادگی اور خلوص سے اپنے جذبات کو پیش کیا ہے، جو آج بھی دل کو چھو لیتے ہیں۔

مشکل الفاظ:

جانشین	نائب یا وارث	Successor / Heir
فنون لطیفہ	وہ فنون جو انسان کو تسکین دیتے ہیں مثلاً شاعری، موسیقی، مصوری وغیرہ	Fine Arts
علمبردار	آگے چلنے والا	Standard-bearer / Leader
منجے	مجھے	To me
رَک	رکھ	Keep / Hold
نَت	نہ، نہیں	No / Not
اُباداں	آباد کرنا	To populate / To settle
رہت	راحت	Comfort / Relief
غنین	دولت مند، مالدار، امیر	Wealthy / Rich / Affluent

مشقیں:

مشق 1: ذیل کے مصرعوں کو مکمل کیجیے۔

1۔ مناجات میر اتوں..................................

2۔ بھلا کر بھلا منج..................................

3۔ میرے دوستاں کوں...............................

4۔ میرا شہر لوگاں...................................

5۔ انگوٹی پہ جوں ہے...................................

مشق 2: درج ذیل الفاظ کے معنی لکھیے۔

1۔ جانشین ....

2۔ علمبردار ....

3۔ رَک ....

4۔ منجے ....

5۔ اُباداں ....

8.3 نظیر اکبر آبادی

8.3.1 نظیر اکبر آبادی کا تعارف:

نظیر اکبر آبادی کا پورا نام ولی محمد تھا۔ وہ اکبر آباد سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے والد سید محمد فاروق، عظیم آباد کے نواب کے ساتھیوں میں شمار کیے جاتے تھے، جن کی شادی آگرے کے مقطعہ دار سلطان خان کی بیٹی سے ہوئی تھی۔ سید محمد فاروق کی اکثر اولادیں پیدا ہونے کے بعد فوت ہوجاتی تھیں۔ بہت دعاؤں اور منتوں کے بعد 1736 میں ان کے گھر ایک لڑکے کی پیدائش ہوئی، جس کا نام ولی محمد رکھا گیا۔ آگے چل کر اسی ولی محمد نے اپنا تخلص نظیر کیا۔ ان کی پرورش بڑے لاڈ و پیار میں ہوئی ماں باپ نے انہیں ہر قسم کے شوق پورے کرنے کی سہولتیں فراہم کیں۔ ابتدائی زمانے سے ہی نظیر کو میلے ٹھیلے اور کھیل کود سے دلچسپی رہی۔ ان کے زمانے میں آگرہ علم و فضل کا گہوارہ بنا ہوا تھا۔ جس کا اثر نظیر کی طبیعت پر بھی ہوا۔ بچپن سے ہی وہ شعر و شاعری کے دلدادہ تھے۔ نظیر کی والدہ دہلی کی ایک ہنر مند اور سلیقہ مند خاتون تھیں، اس لیے دہلی کے اثرات بھی نظیر پر مرتب ہوئے۔ نظیر کے اکثر سوانح نگاروں نے ان کی پیدائش کی تاریخ کے بارے میں اختلاف کا ذکر کیا ہے۔ بعض سوانح نگاروں نے ان کی پیدائش 1736 ء لکھی ہے اور بعض سوانح نگار 1740 ء بتاتے ہیں۔ بعض کے نزدیک ان کا مقام ولادت دہلی ہے اور بعض ان کی ولادت اکبر آباد بتاتے ہیں۔ غرض یہ حقیقت ہے کہ انتقال کے وقت ان کی عمر 98 برس رہی ہوگی۔

8.3.2 نظم ”آدمی نامہ“ (منتخب متن):

دنیا میں بادشہ ہے سو ہے وہ بھی آدمی
اور مفلس و گدا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
زردار بے نوا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
نعمت جو کھا رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
ٹکڑے چبا رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

ابدال، قطب و غوث، ولی آدمی ہوئے
منکر بھی آدمی ہوئے اور کفر کے بھرے
کیا کیا کرشمے کشف و کرامات کے لیے
حتٰی کہ اپنے زہد و ریاضت کے زور سے
خالق سے جا ملا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

فرعون نے کیا تھا جو دعویٰ خدائی کا
شداد بھی بہشت بنا کر ہوا خدا
نمرود بھی خدا ہی کہاتا تھا برملا
یہ بات ہے سمجھنے کی آگے کہوں میں کیا
یاں تک جو ہو چکا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی پہ جان کو وارے ہے آدمی
اور آدمی پہ تیغ کو مارے ہے آدمی
پگڑی بھی آدمی کی اتارے ہے آدمی
چلا کے آدمی کو پکارے ہے آدمی
اور سن کے دوڑتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی ہی شادی ہے اور آدمی بیاہ
قاضی وکیل آدمی اور آدمی گواہ
تاشے بجاتے آدمی چلتے ہیں خواہ مخواہ
دوڑے ہیں آدمی ہی تو مشعل جلا کے راہ
اور بیاہنے چڑھا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

8.3.3 خلاصہ:

نظیر اکبر آبادی کی شہرت نظم نگار کی حیثیت سے تسلیم شدہ ہے۔ نظیر اکبر آبادی کی بہترین نظموں میں "آدمی نامہ" ایک بہت ہی خوبصورت نظم ہے۔ اس میں سولہ بند ہیں۔ یہ نظم مخمس کی شکل (ہیئت) میں لکھی گئی ہے۔ یہاں پر آپ نے اس نظم کے منتخب پانچ(5) بندوں کی قرأت کی۔ اس نظم میں شاعر نے آدمی کی مختلف قسمیں اور صفات کا بیان بڑے دلچسپ انداز میں کیا ہے اور آدمی کے رنگارنگ روپ بڑی خوبصورتی سے پیش کیے ہیں۔ آدمی زندگی کے ہر موڑ پر آدمی ہی رہتا ہے۔ اس نظم میں شاعر انسان کی عظمت کا بھی ذکر کرتا ہے اور اس کی ذلت کا بھی مگر ہر حال میں اسے آدمی ہی مانتا ہے۔ گر آدمی ہونے کی شرط اس کی شکل وشباہت ہے تو چاہے جیسا بھی ہو پر ابنِ آدم ہی ہے۔ بادشاہ ہو یا فقیر ہو، ٹکڑے پر گزر بسر کرنے والا ہو یا نعمتیں کھانے والا ہر ایک آدمی ہی ہوتا ہے۔ آدمی اپنے اعمال سے آدمیت کے اعلیٰ مقام پر بھی پہنچتا ہے اور کچھ منکرِ دین ہو کر کفر تک بھی۔ شاعر کہتے ہیں کہ خالق کائنات نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے وہ اپنے زہد وریاضت سے خالق سے بھی مل لیتا ہے۔ شاعر نے فرعون، شداد، نمرود کی مثالیں پیش کی ہیں جنہیں خدا بننے کا شوق تھا۔ خدائی کی اس چاہ میں کسی نے خدائی کا دعویٰ کیا کسی نے بہشت بنائی۔ آدمی رہبر بھی ہے آدمی رہزن بھی ہے۔ شیطانیت کے خصائل رکھنے والا بھی آدمی ہی ہے۔ ساری کارستانی آدمی کی ہے۔ آدمی عبادت کے لیے مسجد بناتا ہے، جس میں آدمی خطبے سناتا ہے۔ امام بھی آدمی ہے اور مقتدی بھی اور ان کی جوتیاں چرا لے جاتا ہے وہ بھی آدمی ہی ہے اور جو اس چور کی حرکت کو تاڑتا ہے وہ بھی آدمی ہے۔ آدمی ہی آدمی کی جان لیتا ہے آدمی ہی آدمی پر جان دیتا ہے۔ آدمی کو عزت آدمی ہی دیتا ہے ذلت بھی آدمی کو آدمی سے ہی ملتی ہے گرچہ دنیا میں جو بھی تماشے آنکھوں کے سامنے نظر آتے ہیں وہ آدمی کے مرہونِ منت ہیں۔ خدمت گار آدمی اور خدمت کرانے والا بھی آدمی پکارنے والا بھی آدمی دوڑنے والا بھی آدمی۔ جھوٹا، سچا، ایماندار، بے ایمان، راجہ، پرجا، خوش خوراک، افلاس کا مارا، خوش لباس یا چیتھڑا لپیٹا ہوا تمام تر صورتوں میں آدمی ہی جلوہ گر ہے حتیٰ کہ جنازے پر لیٹا ہوا اور جنازے کو کندھا دینے والے سبھی آدمی ہیں۔

اس نظم میں نظیر ایک آفاقی پیغام دیتے ہیں کہ کوئی کسی کو حقیر نہ سمجھے جتنے لوگ نظر آتے ہیں سب کے سب آدمی ہی ہیں اس لیے بلا امتیاز شکل وصورت، پیشہ ومشغلہ، ذات ومذہب، رنگ ونسل سب کو آدمی ہونے کا شرف حاصل ہے۔ ان کی اس نظم کے ہر بند کے آخر میں استعمال ہونے والا فقرہ "سو ہے وہ بھی آدمی" ذومعنی ہے پہلا معنی تو یہ ہے کہ چاہے جیسا ہو وہ آدمی ہے جو آدمی جیسا دکھتا ہے، دوسرا

مفہوم حیرت کا اظہار کرتا ہے کہ جس طرح کا بھی آدمی ہو اسے آدمی ہی کہنا پڑے گا۔

مشکل الفاظ:

مفلس	غریب	Poor / Destitute
زردار	مال دار، امیر، دولت مند	Wealthy / Rich / Affluent
ابدال	نیک اور صالح، بزرگ	Virtuous / Pious / Elderly
فرعون	مصر کا بادشاہ، قدیم زمانے میں مصر کے بادشاہوں کا لقب	Pharaoh (King of Egypt)
شداد	قومِ عاد کے بادشاہ کا نام، جس نے خدائی کا دعویٰ کیا اور باغ ارم تعمیر کروایا	Shaddad (a legendary king of 'Ad)
نمرود	ایک متکبر کافر بادشاہ جس نے پیغمبر ابراہیمؑ کو آگ میں ڈالا	Nimrod (Arrogant ancient king)
عظمت	بلندی، بڑا ہونا	Greatness / Magnitude
بے نوا	غریب، جس کے پاس مال و دولت نہ ہو	Needy / Poor
کشف و کرامات	ظاہر کرنا ایسی چیزیں جو عموماً ممکن نہ ہوں	Miracles / Manifestation of wonders
زہد	دنیوی چیزوں سے اجتناب یا بے رغبتی	Asceticism / Renunciation
ریاضت	محنت، مشقت	Hard work / Discipline / Austerity
تیغ	تلوار، کاٹ کرنے والی شے	Sword / Blade
فقرہ	جملہ	Sentence / Phrase
مشعل	شعلے کی جگہ، بڑا چراغ دان	Torch / Large lamp
شباہت	شکل، صورت، روپ	Likeness / Appearance
خصائل	خصلت کی جمع، عادت	Traits / Qualities
افلاس	بھوک	Poverty / Starvation
خوش خوراک	کھانے پینے کا شوقین	Gourmand / Fond of food
خوش لباس	اچھا لباس	Well-dressed / Stylish

مشغلہ	پیشہ، کام، مصروفیت	Occupation / Hobby / Activity

مشقیں:

مشق 1: ذیل کے مصرعوں کو مکمل کیجیے۔

1۔ نعمت جو کھا رہا ہے...

2۔ .... ولی آدمی ہوئے

3۔ فرعون نے کیا تھا جو...

4۔ .... ہے اور آدمی بیاہ

5۔ اور بیاہنے چڑھا ہے...

مشق 2: ذیل کے الفاظ کو جملوں میں استعمال کیجیے۔

1۔ خوبصورت ....

2۔ منتخب ....

3۔ آدمی ....

4۔ مرہون منت ....

5۔ ایماندار ....

8.3.4 نظم ”روٹیاں“ (منتخب متن):

جب آدمی کے پیٹ میں آتی ہیں روٹیاں
پھولی نہیں بدن میں سماتی ہیں روٹیاں
آنکھیں پری رخوں سے لڑاتی ہیں روٹیاں
سینے پر بھی ہاتھ چلاتی ہیں روٹیاں
جتنے مزے ہیں سب یہ دکھاتی ہیں روٹیاں

روٹی سے جس کا ناک تلک پیٹ ہے بھرا
کرتا پرے ہے کیا وہ اچھل کود جا بہ جا
دیوار پھاند کر کوئی کوٹھا اچھل گیا
ٹھٹھا ہنسی شراب صنم ساقی اس سوا

سو سو طرح کی دھوم مچاتی ہیں روٹیاں

جس جا پہ ہانڈی چولہا توا اور تنور ہے
خالق کی قدرتوں کا اسی جا ظہور ہے
چولھے کے آگے آنچ جو جلتی حضور ہے
جتنے ہیں نور سب میں یہی خاص نور ہے
اس نور کے سبب نظر آتی ہیں روٹیاں

آوے توے تنور کا جس جا زباں پہ نام
یا چکی چولھے کے جہاں گل زار ہوں تمام
واں سر جھکا کے کیجے ڈنڈوت اور سلام
اس واسطے کہ خاص یہ روٹی کے ہیں مقام
پہلے انہیں مکانوں میں آتی ہیں روٹیاں

پوچھا کسی نے یہ کسی کامل فقیر سے
یہ مہر و ماہ حق نے بنائے ہیں کاہے کے
وہ سن کے بولا بابا خدا تجھ کو خیر دے
ہم تو نہ چاند سمجھیں نہ سورج ہیں جانتے
بابا ہمیں تو یہ نظر آتی ہیں روٹیاں

8.3.5 خلاصہ:

"روٹیاں" نظیر اکبر آبادی کی مشہور نظموں میں سے ایک ہے۔اس نظم میں جملہ چودہ(14) بند ہیں،جن میں سے آپ نے پانچ منتخب بندوں کا مطالعہ کیا۔اس نظم کو نظیر اکبر آبادی نے مخمس(پانچ مصرعوں والی نظم) کی ہیئت میں لکھی ہے۔اس نظم میں نظیر اکبر آبادی نے اپنے مشاہدے کی گہرائی کے ساتھ ساتھ تشبیہہ و تلمیح اور محاورے کے استعمال سے روٹی کی اہمیت اور اس کے حاصل کرنے کے جتن کو پیش کیا ہے۔

نظم "روٹیاں" میں شاعر روٹی کو ایک نعمتِ خداوندی اور انسانی زندگی کی بنیاد قرار دیتا ہے۔ وہ بیان کرتا ہے کہ جب انسان کے پیٹ میں روٹی جاتی ہے، تو صرف جسم کی بھوک ہی نہیں مٹتی بلکہ روٹی زندگی میں نئی توانائی اور حرکت لے آتی ہے۔ شاعر طنزیہ انداز میں کہتا ہے کہ روٹی انسان کو ہنسانے، کھیلنے، حتیٰ کہ عیش و عشرت کی طرف لے جاتی ہے، یعنی جب پیٹ بھرا ہو، تو انسان کی خواہشات بھی انگڑائیاں لیتی ہیں۔ شاعر پھر ان لوگوں کی بات کرتا ہے جن کے پاس پیٹ بھرنے کو روٹی میسر ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایسے لوگ دنیا کی ہر آسائش کا مزہ لیتے ہیں اور اکثر زندگی کے مقصد کو بھول کر محض خوشیوں میں کھو جاتے ہیں، لیکن جو لوگ بھوکے ہیں، اُن کے لیے یہی روٹی سب سے بڑی دولت ہے۔

نظم کا اگلا حصہ روٹی کے تئیں شاعر کے گہرے احترام کو ظاہر کرتا ہے۔ شاعر چولہے، تنور، توا، ہانڈی، یعنی روٹی بنانے والے ہر مقام کو مقدس مقام مانتا ہے، جہاں خدائی نور کا ظہور ہوتا ہے۔ یہ مقام عزت و احترام کے لائق ہیں، کیونکہ یہی وہ جگہیں ہیں جہاں سے زندگی کا چراغ جلتا ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ روٹی فقط ایک خوراک نہیں بلکہ ایک روحانی روشنی ہے۔ آٹا، پیڑا اور تنور میں لگی آگ۔ یہ سب گویا روح کی پیاس بجھاتے ہیں۔ پیٹ کی آگ کو صرف روٹی ہی بجھا سکتی ہے، جو جسم و روح دونوں کی ضرورت ہے۔

نظم کے آخر میں شاعر ایک حکایت پیش کرتا ہے کہ کسی نے ایک درویش سے پوچھا کہ سورج اور چاند کیوں بنائے گئے؟ فقیر نے جواب دیا کہ ہمیں ان سے سروکار نہیں، ہمارے لیے تو روٹی ہی سب کچھ ہے، وہی زندگی کی سب سے بڑی حقیقت ہے۔

مشکل الفاظ:

صنم	بت، مورتی	Idol / Statue
ساقی	شراب پلانے والا	Cupbearer / Server of wine
ہانڈی	برتن، بھگونا	Cooking pot / Earthen pot
تنور	روٹی پکانے کی بھٹی	Oven / Tandoor
ظہور	ظاہر ہونا	Manifestation / Appearance
ڈنڈوت	ہندو مذہب میں سلام کرنے کا ایک طریقہ	Traditional Hindu salutation / Greeting
کامل	اپنے کام میں ماہر	Perfect / Expert / Skilled
مخمس	پانچ مصرعوں والی نظم	A poem of five lines (Quintain)
توانائی	طاقت سے بھرپور	Energy / Strength
مہر و ماہ	سورج اور چاند	Sun and Moon

تشبیہ	کسی چیز کو کسی دوسری چیز کے مشابہ قرار دینا	Simile / Comparison
تلمیح	اشارہ دینا، کسی مشہور واقعہ، کردار یا روایت کی طرف اشارہ کرنا	Allusion / Reference
محاورہ	روزمرہ بول چال کے ایسے جملے یا فقرے جن کا مطلب لفظی نہیں بلکہ مجازی ہوتا ہے	Idiom / Figurative expression

مشقیں:

مشق 1: ذیل کے مصرعوں کو مکمل کیجیے۔

1۔ جب آدمی کے پیٹ میں.............................

2۔ .... چولہا توا اور تنور ہے

3۔ جتنے مزے ہیں سب.................................

4۔ .... یہ روٹی کے ہیں مقام

5۔ ہم تو نہ چاند سمجھیں.................................

مشق 2: درج ذیل الفاظ کے مترادفات لکھیے۔

1۔ عشرت ....

2۔ توانائی ....

3 روحانی ....

4۔ مقدس ....

5۔ ظہور ....

8.4 اکتسابی نتائج

اس اکائی کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ نے درج ذیل باتیں سیکھیں:

- نظم اردو شاعری کی ایک اہم صنف ہے۔ نظم کے معنی "لڑی میں پرویا ہوا، ترتیب، ربط و تسلسل کے ساتھ کچھ چیزوں کو جوڑنا، وغیرہ" کے ہیں۔
- نظم کا ہر ایک شعر دوسرے شعر سے ربط رکھتا ہے اور نظم کا ایک مرکزی خیال یا موضوع ہوتا ہے، جو ابتدا سے اختتام تک قائم

رہتا ہے۔

- محمد قلی قطب شاہ کی پیدائش 1565ء میں ہوئی۔وہ گولکنڈے کی قطب شاہی سلطنت کے پانچویں بادشاہ تھے۔قلی قطب شاہ اپنے والد ابراہیم قلی قطب شاہ کے جانشین تھے۔
- محمد قلی قطب شاہ کو اردو کا پہلا صاحبِ دیوان شاعر ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ان کی شاعری میں اردو، فارسی، عربی اور تلگو الفاظ کا حسین امتزاج ملتا ہے۔
- محمد قلی قطب شاہ کی نظم "مناجات" ایک خوبصورت دعائیہ نظم ہے، جس میں شاعر اللہ تعالیٰ سے دل کی گہرائیوں سے مختلف دعائیں مانگتا ہے۔اس نظم میں شاعر اللہ تعالیٰ کو "یا سمیع" کہہ کر پکار رہا ہے، جو کہ سب سننے والا ہے۔
- نظیر اکبر آبادی کا پورا نام ولی محمد تھا۔وہ اکبر آباد سے تعلق رکھتے تھے۔ان کے والد سید محمد فاروق، عظیم آباد کے نواب کے ساتھیوں میں شمار کیے جاتے تھے۔
- سید محمد فاروق کے گھر ایک لڑکے کی پیدائش ہوئی، جس کا نام ولی محمد رکھا گیا۔آگے چل کر اسی ولی محمد نے اپنا تخلص نظیرؔ رکھا۔
- نظیر اکبر آبادی کی شہرت نظم نگار کی حیثیت سے تسلیم شدہ ہے۔نظیر اکبر آبادی کی بہترین نظموں میں "آدمی نامہ" بہت ہی خوبصورت نظم ہے۔یہ سولہ (16) بندوں پر مشتمل ہے، جو مخمس کی شکل (ہیئت) میں لکھی گئی ہے۔
- آدمی نامہ میں شاعر نے آدمی کی مختلف قسمیں اور صفات کا بیان بڑے دلچسپ انداز میں کیا ہے اور آدمی کے رنگا رنگ روپ بڑی خوبصورتی سے پیش کیے ہیں۔آدمی زندگی کے ہر موڑ پر آدمی ہی رہتا ہے۔
- "روٹیاں" نظیر اکبر آبادی کی مشہور نظموں میں سے ایک ہے۔اس نظم میں جملہ چودہ (14) بند ہیں، جو مخمس (پانچ مصرعوں والی نظم) کی ہیئت میں لکھی گئی ہے۔
- نظم "روٹیاں" میں شاعر روٹی کو ایک نعمتِ خداوندی اور انسانی زندگی کی بنیاد قرار دیتا ہے۔وہ بیان کرتا ہے کہ جب انسان کے پیٹ میں روٹی جاتی ہے، تو صرف جسم کی بھوک ہی نہیں مٹتی بلکہ روٹی زندگی میں نئی توانائی اور حرکت لے آتی ہے۔

8.5 نمونہ امتحانی سوالات

8.5.1 معروضی سوالات:

1۔ محمد قلی قطب شاہ کی پیدائش کس سنہ میں ہوئی؟

(a) 1540 (b) 1545 (c) 1555 (d) 1565

2۔ "چارمینار" کس نے بنوایا؟

(a) قلی قطب شاہ (b)ابراہیم قلی قطب شاہ (c)عبداللہ قلی قطب شاہ (d)جمشید قلی قطب شاہ

3۔ اردو کا پہلا صاحب دیوان شاعر کون ہے؟

(a) ولی دکنی (b) قلی قطب شاہ (c)میر تقی میر (d)مرزا غالب

4۔ نظم "مناجات" کس نے لکھی؟

(a) نظیر اکبر آبادی (b)مولانا حالی (c) قلی قطب شاہ (d)اسمٰعیل میرٹھی

5۔ نظیر اکبر آبادی کا اصل نام کیا تھا؟

(a) ولی محمد (b)محمد ولی (c)علی محمد (d)محمد احمد

6۔ نظم "آدمی نامہ" کس نے لکھی؟

(a) نظیر اکبر آبادی (b)علامہ اقبال (c)علی سردار جعفری (d)اکبر الہ آبادی

7۔ نظم "آدمی نامہ" کس ہیئت (شکل) میں لکھی گئی ہے؟

(a) مثلث (b)مربع (c) مخمس (d)مسدس

8۔ نظم "آدمی نامہ" میں کل کتنے بند ہیں؟

16(a) 14(b) 12 (c) 10(d)

9۔ نظم "روٹیاں" کس نے لکھی؟

(a) مخدوم محی الدین (b)مولانا حالی (c)نظیر اکبر آبادی (d)علی سردار جعفری

10۔ پانچ مصرعوں والی نظم کو کیا کہتے ہیں؟

(a)مربع (b) مخمس (c)مسدس (d) مثمن

8.5.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات:

1۔ نظیر اکبر آبادی کا تعارف پیش کیجیے۔

2۔ نظم "مناجات" کا خلاصہ لکھیے۔

3۔ محمد قلی قطب شاہ کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟ لکھیے۔

4۔ ذیل کے اشعار کی تشریح کیجیے۔

مناجات میرا توں سن یا سمیع
منجے خوش توں رَک رات دن یا سمیع

بھلا کر بھلا منج سوں جو ہوے گا
بُرا کر بُرا منج سوں جن یا سمیع

5۔ نظم "آدمی نامہ" کے اس بند کی تشریح کیجیے۔

ابدال، قطب و غوث، ولی آدمی ہوئے
منکر بھی آدمی ہوئے اور کفر کے بھرے
کیا کیا کرشمے کشف و کرامات کے لیے
حتّٰی کہ اپنے زہد و ریاضت کے زور سے
خالق سے جا ملا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

8.5.3 طویل جوابات کے حامل سوالات:

1۔ نظم "آدمی نامہ" کا خلاصہ پیش کیجیے۔

2۔ نظم "روٹیاں" میں روٹی کی اہمیت کس طرح بیان کی گئی ہے؟ لکھیے۔

3۔ درج ذیل بند کی تشریح کیجیے۔

جب آدمی کے پیٹ میں آتی ہیں روٹیاں
پھولی نہیں بدن میں سماتی ہیں روٹیاں
آنکھیں پری رخوں سے لڑاتی ہیں روٹیاں
سینے پر بھی ہاتھ چلاتی ہیں روٹیاں
جتنے مزے ہیں سب یہ دکھاتی ہیں روٹیاں

8.5.1 کے جوابات:

1-d	2-a	3-b	4-c	5-a
6-a	7-c	8-a	9-c	10-b

اکائی 9: نظم

مٹی کا دیا (مولانا حالی)، چاند اور تارے، (علامہ اقبال) صبح کی آمد (اسماعیل میرٹھی)

اکائی کے اجزا

9.0 تمہید

9.1 مقاصد

9.2 مولانا حالی

9.2.1 مولانا حالی کا تعارف

9.2.2 نظم "مٹی کا دیا" (متن)

9.2.3 خلاصہ

9.3 علامہ اقبال

9.3.1 علامہ اقبال کا تعارف

9.3.2 نظم "چاند اور تارے" (متن)

9.3.3 خلاصہ

9.4 اسماعیل میرٹھی

9.4.1 اسمعیل میرٹھی کا تعارف

9.4.2 نظم "صبح کی آمد" (منتخب متن)

9.4.3 خلاصہ

9.5 اکتسابی نتائج

9.6 نمونہ امتحانی سوالات

9.0 تمہید

پچھلی اکائی میں آپ نے اردو کے دو مشہور نظم نگار "قلی قطب شاہ" اور "نظیر اکبر آبادی" کے بارے میں پڑھا۔ ساتھ میں ان کی اہم نظموں کا مطالعہ بھی کیا۔ یہ اکائی بھی نظم ہی کے حوالے سے ہے۔ اس اکائی میں آپ تین اہم نظم نگاروں "مولانا حالی"، "علامہ اقبال"

اور "اسماعیل میرٹھی" کے بارے میں پڑھیں گے۔ ساتھ ہی ان کی اہم نظموں "مٹی کا دیا" (مولانا حالی)، "چاند اور تارے" (علامہ اقبال) اور "صبح کی آمد" (اسماعیل میرٹھی) کے متن کی قرأت اور ان کے خلاصے کا مطالعہ کریں گے۔

9.1 مقاصد

اس اکائی کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- مولانا الطاف حسین حالی کا تعارف پیش کر سکیں۔
- نظم "مٹی کا دیا" کے متن کی قرأت کر سکیں۔
- علامہ محمد اقبال کا تعارف پیش کر سکیں۔
- نظم "چاند اور تارے" کے متن کی قرأت کر سکیں۔
- اسماعیل میرٹھی کا تعارف پیش کر سکیں۔
- نظم "صبح کی آمد" کے منتخب متن کی قرأت اور اس کے خلاصے کا مطالعہ کر سکیں۔

9.2 مولانا حالی

9.2.1 مولانا حالی کا تعارف:

مولانا الطاف حسین حالی 1837ء میں ہندوستان کے شہر پانی پت میں پیدا ہوئے۔ ان کا تعلق ایک مذہبی اور تعلیم یافتہ خاندان سے تھا۔ بچپن ہی سے مطالعے اور شعر و ادب سے لگاؤ رکھتے تھے۔ وہ مکتب میں فارسی اور عربی کی تعلیم حاصل کرتے رہے اور بعد ازاں دہلی آ کر علمی اور ادبی حلقوں میں شامل ہو گئے۔ حالی نے ابتدائی تعلیم پانی پت میں حاصل کی، پھر دہلی جا کر مولوی نصیرالدین سے عربی و فارسی پڑھی۔ ان کی علمی اور ادبی تربیت میں غالب اور سر سید احمد خان جیسے اکابرین کا گہرا اثر رہا۔

مولانا حالی نے شاعری، نثر، تنقید اور سوانح نگاری کے میدان میں ناقابلِ فراموش خدمات انجام دیں۔ مولانا حالی نے اردو تنقید کی بنیاد رکھی۔ ان کی تنقیدی تصنیف "مقدمہ شعر و شاعری" اردو تنقید کی اولین اور معیاری کتاب مانی جاتی ہے۔ اس میں حالی نے شاعری کے اخلاقی اور اصلاحی پہلوؤں پر زور دیا اور ادب کو معاشرتی فلاح کا ذریعہ بتایا۔ سوانح نگاری میں "حیات سعدی"، "یادگار غالب" اور "حیات جاوید" حالی کی یادگار ہیں۔ حالی کی شاعری میں سادگی، اثر انگیزی، اصلاحِ نفس، اور قوم پرستی کے عناصر ملتے ہیں۔ وہ میر و غالب کی شعری روایت سے متاثر ضرور تھے، مگر ان کا انداز جداگانہ اور فکری لحاظ سے منفرد ہے۔ حالی کی مشہور نظموں میں "مد و جزرِ اسلام (مسدس حالی)"، "برکھارت"، "چپ کی داد"، "حب وطن"، "نشاط امید"، "مٹی کا

دیا" وغیرہ نہایت ہی اہم ہیں۔

مولانا حالی سر سید احمد خان کے قریبی ساتھی تھے اور علی گڑھ تحریک کے ایک اہم فکری معمار تھے۔ انہوں نے اردو شاعری اور نثر کو تعلیمی، سماجی اور فکری مقاصد کے لیے استعمال کیا۔ ان کی تمام تحریریں قوم کی بیداری، تعلیم، خود شناسی اور اصلاح پر مبنی تھیں۔ مولانا الطاف حسین حالی 31 دسمبر 1914 کو پانی پت میں وفات پا گئے۔

9.2.2 نظم "مٹی کا دیا" (متن):

جھٹپٹے کے وقت گھر سے ایک مٹی کا دیا
ایک بڑھیا نے سر رہ لا کے روشن کر دیا

تاکہ رہگیر اور پردیسی کہیں ٹھوکر نہ کھائیں
راہ سے آساں گزر جائے ہر ایک چھوٹا بڑا

یہ دیا بہتر ہے ان جھاڑوں سے اور اس لیمپ سے
روشنی محلوں کے اندر ہی رہی جن کی سدا

گر نکل کر اک ذرا محلوں سے باہر دیکھیے
ہے اندھیرا گھپ در و دیوار پر چھایا ہوا

سرخ رو آفاق میں وہ رہنما مینار ہیں
روشنی سے جن کی ملاحوں کے بیڑے پار ہیں

ہم نے ان عالی بناؤں سے کیا اکثر سوال
آشکارا جن سے ان کے بانیوں کا ہے جلال

شان و شوکت کی تمہاری دھوم ہے آفاق میں
دور سے آ آ کے تم کو دیکھتے ہیں با کمال

قوم کو اس شان و شوکت سے تمہاری کیا ملا
دو جواب اس کا اگر رکھتی ہو یارائے مقال

سرنگوں ہو کر وہ سب بولیں زبان حال سے
ہو سکا ہم سے نہ کچھ الانفعال الانفعال

بانیوں نے تھا بنایا اس لیے گویا ہمیں
ہم کو جب دیکھیں خلف اسلاف کو رویا کریں

شوق سے اس نے بنایا مقبرہ اک شاندار
اور چھوڑا اس نے اک ایوان عالی یادگار

ایک نے دنیا کے پودے باغ میں اپنے لگائے
ایک نے چھوڑے دفینے سیم و زر کے بے شمار

اک محب قوم نے اپنے مبارک ہاتھ سے
قوم کی تعلیم کی بنیاد ڈالی استوار

ہوگی عالم میں کہو سرسبز یہ پچھلی مراد
یا وہ اگلوں کی امیدیں لائیں گی کچھ برگ و بار

چشمۂ سر جیوں ہے جو بہتا رہے گا یاں وہی
سب اتر جائیں گی چڑھ چڑھ ندیاں برسات کی

9.2.3 خلاصہ:

نظم "مٹی کا دیا" میں شاعر ایک بہت ہی اہم معاشرتی پیغام دینا چاہتا ہے۔وہ کہتا ہے کہ انسان کی اصل عظمت، اصل

خوبی اور حقیقی خدمت وہ ہوتی ہے جس کا براہِ راست فائدہ دوسروں کو ہو، نہ کہ وہ جو صرف دکھاوے اور ظاہری شان و شوکت کے لیے کی جائے۔ نظم کی ابتدا ایک سادہ اور دل کو چھو لینے والے منظر سے ہوتی ہے۔ایک بوڑھی عورت شام کے وقت، جب اندھیرا پھیلنے لگتا ہے،اپنے گھر سے باہر آ کر ایک مٹی کا دیا جلاتی ہے۔وہ دیا سادہ ہے، قیمتی نہیں، لیکن اس کی روشنی سے راہ چلنے والوں کو سہولت ہوتی ہے، اندھیرے میں چلنے والے ٹھوکر نہیں کھاتے اورپردیسیوں کو راستہ دکھائی دیتا ہے۔یہ کام اگرچہ چھوٹا اور معمولی لگتا ہے، مگرفائدہ مند ہے۔شاعر کے نزدیک یہی اصل خدمت ہے۔شاعر کہتا ہے کہ ان کی چمک صرف دکھاوے کے لیے ہے، ان سے نہ کوئی تعلیم ملی، نہ کوئی راستہ ملا، نہ ہی وہ کسی اندھیرے دل یا ذہن کو روشن کر سکیں۔دکھاوے کے کام دیرپا نہیں ہوتے، اصل خدمت وہ ہے جو سادگی کے ساتھ دوسروں کے کام آئے۔ہمیں اپنی زندگی میں ایسے نیک اعمال کرنے چاہئیں جو دوسروں کی زندگی آسان بنائیں۔جیسے ایک سادہ دیا اندھیرے کو دور کرتا ہے، ویسے ہی علم، محبت، خلوص اور اصلاح انسانیت کی راہوں کو روشن کرتے ہیں۔

مشکل الفاظ:

بعدازاں	اس کے بعد	Afterwards / Later
رہ گیر	مسافر	Traveler / Wayfarer
پردیسی	مسافر	Foreigner / Traveler
جھٹ پٹے	شام	Evening / Dusk
فانوس	شیشے کا شمع دان	Lantern / Glass lamp
بیڑا	کشتی،ناؤ	Boat / Vessel
سیم وزر	چاندی، سونا اور دولت	Silver, Gold, and Wealth
الانفعال	شرمندگی، اشکِ ندامت	Embarrassment / Shame / Remorse
محب قوم	قوم سے محبت کرنے والا	Patriot / Lover of the nation
اسلاف	اگلے زمانے کے لوگ، باپ دادا	Ancestors / Forefathers

مشقیں:

مشق 1: ذیل کے مصرعوں کو مکمل کیجیے۔

1۔ جھٹپٹے کے وقت گھر...

2۔ .... دھوم ہے آفاق میں

3۔ تا کہ رہگیر اور پردیسی...

4۔ .... مقبرہ اک شاندار

5۔ یا وہ اگلوں کی امیدیں...

مشق 2: دیے گئے جملوں میں صحیح اور غلط کی نشاندہی کیجیے۔

1۔ مولانا حالی کی پیدائش دہلی میں ہوئی۔

2۔ نظم "مٹی کا دیا" حالی نے لکھی ہے۔

3۔ "مقدمہ شعر و شاعری" نظموں کا مجموعہ ہے۔

4۔ مولانا حالی 1937 میں پیدا ہوئے۔

5۔ مولانا حالی کا انتقال پانی پت میں ہوا۔

9.3 علامہ اقبال

9.3.1 علامہ اقبال کا تعارف:

علامہ محمد اقبال برصغیر کے ایک عظیم شاعر، فلسفی، مفکر اور قومی رہنما تھے، جنہوں نے اپنی شاعری اور فکر کے ذریعے مسلمانوں کو بیدار کیا اور انہیں خودی، علم، اتحاد اور آزادی کا پیغام دیا۔ وہ 9 نومبر 1877ء کو سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم سیالکوٹ میں حاصل کی اور بعد ازاں گورنمنٹ کالج لاہور سے فلسفے میں ایم اے کیا۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے وہ یورپ گئے، جہاں انہوں نے کیمبرج یونیورسٹی سے قانون اور جرمنی کی میونخ یونیورسٹی سے فلسفے میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔

اقبال نے اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں شاعری کی، اور ان کی شاعری میں ملتِ اسلامیہ کی بیداری، خودی کا پیغام، عشقِ رسول ﷺ اور قوم کی اصلاح جیسے موضوعات نمایاں ہیں۔ ان کے مشہور اردو مجموعوں میں بانگِ درا، بالِ جبریل، ضربِ کلیم اور ارمغانِ حجاز شامل ہیں، جب کہ فارسی مجموعوں میں اسرارِ خودی، رموزِ بے خودی، پیامِ مشرق اور جاوید نامہ قابلِ ذکر ہیں۔ اقبال کا سب سے بڑا پیغام "خودی" کا تصور ہے، جس کے ذریعے وہ انسان کو اپنی پہچان، مقام اور کردار بلند کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔ ان کی شاعری صرف جذباتی نہیں بلکہ فکری اور عملی پیغام سے بھرپور ہے۔ علامہ اقبال کا انتقال 21 اپریل 1938ء کو لاہور میں ہوا۔ ان کا مزار بادشاہی مسجد کے قریب واقع ہے۔

9.3.2 نظم "چاند اور تارے" (متن):

ڈرتے ڈرتے دم سحر سے
تارے کہنے لگے قمر سے

نظارے رہے وہی فلک پر
ہم تھک بھی گئے چمک چمک کر

کام اپنا ہے صبح و شام چلنا
چلنا چلنا ، مدام چلنا

بے تاب ہے اس جہاں کی ہر شے
کہتے ہیں جسے سکوں، نہیں ہے

رہتے ہیں ستم کش سفر سب
تارے، انساں، شجر، حجر سب

ہو گا کبھی ختم یہ سفر کیا؟
منزل کبھی آئے گی نظر کیا؟

کہنے لگا چاند ، ہم نشینو
اے مزرع شب کے خوشہ چینو!

جنبش سے ہے زندگی جہاں کی
یہ رسم قدیم ہے یہاں کی

ہے دوڑتا اشہب زمانہ
کھا کھا کے طلب کا تازیانہ

اس رہ میں مقام بے محل ہے
پوشیدہ قرار میں اجل ہے

چلنے والے نکل گئے ہیں
جو ٹھہرے ذرا، کچل گئے ہیں

انجام ہے اس خرام کا حسن
آغاز ہے عشق، انتہا حسن

9.3.3 خلاصہ:

نظم "چاند اور تارے" علامہ اقبال کے پہلے شعری مجموعے "بانگ درا" میں شامل ہے۔اس نظم میں شاعر نے زندگی کے سفر اور اس کی حقیقت کو بیان کیا ہے، جس میں انسان، کائنات اور دیگر مخلوقات سب کے لیے ایک مسلسل چلنے کا پیغام دیا گیا ہے۔ یہ نظم ایک فلسفیانہ اور عمیق سوچ کی عکاسی کرتی ہے، جس میں انسان کے وجود، اس کی جدوجہد اور اس کی منزل کو بیان کیا گیا ہے۔

نظم کی ابتدا میں شاعر نے دم سحر یعنی رات کے وقت کے منظر کا ذکر کیا ہے جہاں تارے قمر سے بات کرتے ہیں۔ جس میں تارے اور چاند جیسے قدرتی اجسام کو انسانی خصوصیات دی گئی ہیں۔ یہاں شاعر نے کہا کہ وہ اپنے مقام پر تھک چکے ہیں اور مسلسل چمک چمک کر بھی کسی مقصد کو حاصل نہیں کر پاتے، جیسے انسان بھی دنیا کی جدوجہد میں تھک کر بھی سکون حاصل نہیں کر پاتا۔شاعر نے اس نظم میں زندگی کے مستقل چلنے کی بات کی ہے، یعنی صبح و شام کا سلسلہ اور اس کا ایک نہ ختم ہونے والا عمل۔ یہاں "چلنا" کا لفظ زندگی کے سفر کی علامت ہے، جس سے مراد یہ ہے کہ زندگی میں سکون نہیں ہے، اور انسان کو مسلسل کوشش، محنت اور جدوجہد کی ضرورت ہوتی ہے۔اس کے بعد شاعر نے کہا ہے کہ دنیا کی ہر شے بے سکون ہے۔ یہاں تک کہ وہ چیزیں جو سکون کی علامت سمجھی جاتی ہیں، جیسے رات کا وقت یا چاند، وہ بھی دراصل سکون کا احساس نہیں دیتی ہیں۔ شاعر کا کہنا ہے کہ سکون صرف ایک خیال ہے، حقیقت میں زندگی کا کوئی بھی لمحہ سکون کا نہیں ہوتا۔ نظم میں اس بات کا ذکر کیا گیا ہے کہ اس سفر میں ہر مخلوق، جیسے انسان، درخت، پتھر اور دیگر چیزیں، ستم کشی کا سامنا کرتی ہیں۔یعنی، ہر شے کو تکالیف اور مشکلات کا سامنا ہوتا ہے، اور اس سفر میں ہر کسی کو اپنی منزل کی تلاش ہوتی ہے۔شاعر نے سوال اٹھایا ہے کہ یہ سفر کب ختم ہو گا؟ کب کوئی منزل نظر آئے گی؟ یعنی انسان کی زندگی کا سفر کب تک جاری رہے گا اور اس کی تلاش کب ختم ہو گی؟ یہ سوال انسان کے دل میں ہمیشہ موجود رہتا ہے کہ کب اس کا مقصد پورا ہو گا اور کب اسے سکون ملے گا۔ نظم میں چاند کا ایک پیغام دیا گیا ہے جس میں اس نے انسانوں کو بتایا کہ یہ زندگی کا سفر ایک قدیم رسم ہے، یعنی یہ ہر کسی کی تقدیر میں ہے کہ وہ اس میں شریک ہو۔ زندگی کی حقیقت یہ ہے کہ اس میں حرکت ہے اور یہی اس کا حصہ ہے۔ چاند نے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ جو چیزیں بھی حرکت کرتی ہیں، وہ زندہ ہیں، اور یہ اصول زمانے سے جاری ہے۔

شاعر نے وقت کی دوڑ کو ایک "اشہب" (گھوڑا) سے تشبیہ دی ہے، جس کا مطلب ہے کہ وقت تیز رفتاری سے گزر رہا ہے اور انسان کو

اس دوڑ کا سامنا کرنا ہے۔ اس میں "تازیانہ" (پٹائی) کا ذکر کیا گیا ہے تاکہ انسان کو یہ سمجھایا جاسکے کہ وقت کی دوڑ میں ہر کوئی اپنی تلاش میں لگتا ہے، اور اس کی شدت کو برداشت کرنا ضروری ہوتا ہے۔ شاعر نے اس بات کی طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ اس راستے میں رکنا یا ٹھہرنا کبھی بھی فائدہ مند نہیں ہوتا۔ جو لوگ رکتے ہیں یا تھم جاتے ہیں، وہ راستے میں کچلے جاتے ہیں، یعنی زندگی میں ناکامی یا رکنا ان کے لیے تباہ کن ہوتا ہے۔ اس کے برعکس، جو لوگ مسلسل چلتے رہتے ہیں، وہ آخرکار اپنی منزل کو پاتے ہیں۔ نظم کے اختتام پر شاعر نے کہا کہ اس سفر کا آغاز "عشق" ہے اور اس کا اختتام بھی "حسن" ہے۔ یہاں عشق کی علامت اس جدوجہد سے ہے جو انسان اپنی منزل کی طرف بڑھنے کے لئے کرتا ہے، اور حسن اس کا مقصد ہے، جو آخرکار اسے اپنی محنت کے نتیجے میں ملتا ہے۔

یہ نظم انسان کی زندگی کے سفر کی حقیقت کو بیان کرتی ہے، جس میں مشکلات، تکالیف اور مسلسل جدوجہد کا سامنا ہوتا ہے۔ شاعر کا پیغام یہ ہے کہ زندگی میں سکون نہیں ہوتا اور انسان کو ہمیشہ چلتے رہنا ہوتا ہے تاکہ وہ اپنی منزل تک پہنچ سکے۔ اس سفر میں جو رکتا ہے وہ ناکام ہوتا ہے اور جو مسلسل چلتا رہتا ہے، وہ آخرکار اپنے مقصد تک پہنچتا ہے۔

مشکل الفاظ:

خودی	اپنی ذات، خودپسندی	Selfhood / Ego
تصور	دھیان، خیال، ذہن میں کسی چیز کی صورت لانا	Imagination / Concept / Visualization
دم سحر	رات کا وقت	Early morning / Dawn
ستم کش	ظلم کرنے والا	Oppressor / Tyrant
مزرع	کھیتی کرنے کی جگہ	Farmland / Cultivated land
اشہب	گھوڑا	Horse
پوشیدہ	چھپا ہوا	Hidden / Concealed
عمیق	گہرا	Deep / Profound
جدوجہد	کوشش	Struggle / Effort
خوشہ چینو	وہ لوگ جو فصل کٹنے کے بعد کھیت میں بچی کھچی بالیاں چنتے ہیں	Gleaners
جنبش	حرکت، ہلکی سی ہلچل	Movement / Stirring
برصغیر	جنوبی ایشیا کا علاقہ جس میں ہندوستان، پاکستان،	Indian Subcontinent

بنگلہ دیش وغیرہ شامل ہیں

مشقیں:

مشق 1: دیے گئے جملوں میں صحیح اور غلط کی نشاندہی کیجیے۔

1۔ نظم چاند اور تارے علامہ اقبال نے لکھی ہے۔ (   )

2۔ نظم چاند اور تارے ضرب کلیم میں شامل ہے۔ (   )

3۔ علامہ اقبال لاہور میں پیدا ہوئے۔ (   )

4۔ اسرارِ خودی فارسی شاعری کا مجموعہ ہے۔ (   )

5۔ اشہب کے معنی گھوڑا ہے۔ (   )

6۔ اقبال کا انتقال سیال کوٹ میں ہوا تھا۔ (   )

مشق 2: ذیل کے مصرعوں کو مکمل کیجیے۔

1۔ ڈرتے ڈرتے...

2۔ .... زندگی جہاں کی

3۔ ہم تھک بھی گئے.......................................

4۔ .... کے خوشہ چینو!

5۔ آغاز ہے عشق..

9.4 اسماعیل میرٹھی

9.4.1 اسماعیل میرٹھی کا تعارف:

مولوی محمد اسماعیل میرٹھی اردو ادب کے ممتاز شاعر، معلم، اور مصلح تھے جنہوں نے بچوں کے ادب، جدید نظم نگاری، اور تعلیمی اصلاحات میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ اسماعیل میرٹھی 12 نومبر 1844ء کو میرٹھ کے محلہ مشائخان میں پیدا ہوئے، جو اب "اسماعیل نگر" کے نام سے معروف ہے۔ ان کے والد شیخ پیر بخش ان کے پہلے استاد تھے۔ انہوں نے ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی، فارسی اور قرآن مجید کی تعلیم مکمل کی اور بعد ازاں انگریزی زبان اور انجینئرنگ میں مہارت حاصل کی۔ تاہم، انہوں نے اعلیٰ ملازمت کے بجائے تدریس کو اپنا پیشہ بنایا تاکہ قوم کی تعلیمی ترقی میں کردار ادا کر سکیں۔

اسماعیل میرٹھی اردو کے ان شعرا میں شمار کیے جاتے ہیں، جنہوں نے جدید نظم کے ہئیتی تجربات کیے۔ انہوں نے مثنوی، مسدس، مثلث، مربع، مخمس اور مثمن جیسی اصناف میں نظمیں لکھیں۔ ان کی شاعری میں سادگی، اخلاقی پیغام اور تعلیمی عناصر نمایاں ہیں۔ انہوں نے بچوں کے لیے پچاس سے زائد نظمیں لکھیں، جن میں "نصیحت"، "برسات"، "ہماری گائے"، "صبح کی آمد"، "سچ کہو" اور "بارش کا پہلا قطرہ" شامل ہیں۔ اسماعیل میرٹھی نے 73 سال کی عمر میں یکم نومبر 1917ء کو وفات پائی۔ ان کی ادبی اور تعلیمی خدمات آج بھی اردو ادب میں ان کے مقام کو نمایاں کرتی ہیں۔

9.4.2 نظم "صبح کی آمد" (منتخب متن):

خبر دن کے آنے کی میں لا رہی ہوں
اجالا زمانہ میں پھیلا رہی ہوں
بہار اپنی مشرق سے دکھلا رہی ہوں
پکارے گلے صاف چلا رہی ہوں
اٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

میں سب کار بہوار کے ساتھ آئی
میں رفتار و گفتار کے ساتھ آئی
میں باجوں کی جھنکار کے ساتھ آئی
میں چڑیوں کی چہکار کے ساتھ آئی
اٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

اذاں پر اذاں مرغ دینے لگا ہے
خوشی سے ہر اک جانور بولتا ہے
درختوں کے اوپر عجب چہچہا ہے
سہانا ہے وقت اور ٹھنڈی ہوا ہے
اٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

یہ چڑیاں جو پیڑوں پہ ہیں غل مچاتی
ادھر سے ادھر اڑ کے ہیں آتی جاتی

دموں کو ہلاتی پروں کو پھلاتی
مری آمد آمد کے ہیں گیت گاتی
اٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

جو طوطے نے باغوں میں ٹیں ٹیں مچائی
تو بلبل بھی گلشن میں ہے چہچہائی
اور اونچی منڈیروں پہ شاما بھی گائی
میں سو سو طرح دے رہی ہوں دہائی
اٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

ہر ایک باغ کو میں نے مہکا دیا ہے
نسیم اور صبا کو بھی لہکا دیا ہے
چمن سرخ پھولوں سے دہکا دیا ہے
مگر نیند نے تم کو بہکا دیا ہے
اٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

9.4.5 خلاصہ:

"صبح کی آمد" اسماعیل میرٹھی کی مشہور نظم ہے۔اس نظم میں کل پندرہ (15) بند ہیں، جن میں آپ نے پانچ ابتدائی بندوں کا مطالعہ کیا۔ نظم میں شاعر صبح کی آمد کو ایک زندہ، متحرک اور خوشگوار تجربہ بنا کر پیش کرتا ہے۔ صبح خود کو ایک پیامبر کی طرح ظاہر کرتی ہے جو روشنی، خوشی اور تازگی لے کر آتی ہے۔ وہ انسانوں کو سستی اور غفلت کی نیند سے جگانے کے لیے پکارتی ہے۔ پرندوں کی چہچہاہٹ، درختوں کی سرسراہٹ، ہوا کی ٹھنڈک اور باغوں کی خوشبو۔ سب مل کر صبح کی آمد کا اعلان کرتے ہیں۔ شاعر کہتا ہے کہ دنیا جاگ چکی ہے، صرف انسان ہیں جو اب تک نیند میں ہیں، اور صبح ان سے بار بار کہتی ہے" اٹھو سونے والو کہ میں آرہی ہوں " نظم میں فطرت کے مختلف مناظر کے ذریعے صبح کی رونق اور زندگی کو اجاگر کیا گیا ہے۔

شاعر صبح کے وقت کی منظر کشی کر رہا ہے اور صبح کو ایک جیتی جاگتی ہستی کے روپ میں پیش کرتا ہے۔ صبح خود اعلان کر رہی ہے کہ وہ روشنی، خوشی اور نئی زندگی کی امید لے کر آرہی ہے۔ وہ کہتی ہے کہ میں دنیا کو اجالا دینے آئی ہوں، ہر طرف روشنی پھیلا رہی ہوں اور

مشرق سے بہار کا پیغام لے کر آئی ہوں۔ میرا پیغام صاف اور بلند ہے، جسے سن کر ہر ذی شعور کو جاگ جانا چاہیے۔

صبح بتاتی ہے کہ وہ صرف اجالا نہیں، بلکہ زندگی کی تمام رونقیں لے کر آئی ہے۔ اس کے ساتھ دنیا کی چہل پہل، انسانوں کی بات چیت، سازوں کی جھنکار اور پرندوں کی چہچہاہٹ بھی شامل ہے۔ ہر طرف خوشی کی فضا ہے۔ جب مرغ اذان دینے لگتا ہے اور تمام جانور خوشی سے آوازیں نکالتے ہیں، درختوں پر پرندے چہچہا رہے ہیں، ٹھنڈی اور خوشگوار ہوا چل رہی ہے، تو یہ سب صبح کی آمد کا اعلان کرتے ہیں۔ یہ منظر بہت سہانا ہے۔

شاعر مزید کہتا ہے کہ درختوں پر چڑیاں شور مچا رہی ہیں، اِدھر اُدھر اُڑ رہی ہیں، اپنے پروں کو پھیلا رہی ہیں اور خوشی کے گیت گا رہی ہیں۔ طوطے، بلبل اور شاما جیسے پرندے بھی صبح کی خوشی میں گیت گا رہے ہیں۔ صبح فخر سے کہتی ہے کہ میں نے باغوں کو مہکا دیا ہے، نرم ہواؤں کو چلا دیا ہے اور پھولوں سے چمن کو سرخ کر دیا ہے۔ مگر افسوس کہ تم (انسان) اب بھی نیند میں ہو اور تمہاری غفلت تمہیں بیدار ہونے نہیں دے رہی۔ اس لیے صبح بار بار کہتی ہے " اٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں"!

مشکل الفاظ:

مسدس	چھ (چھ مصرعے والی نظم	Six-line poem (Hexastich)
مثلث	تین (تین مصرعے والی نظم	Three-line poem (Tercet)
مربع	چار (چار مصرعے والی نظم	Four-line poem (Quatrain)
مخمس	پانچ (پانچ مصرعے والی نظم	Five-line poem (Quintain)
مثمن	آٹھ (آٹھ مصرعے والی نظم	Eight-line poem (Octave)
غل	شور	Noise / Clamor
غفلت	بھول	Negligence / Forgetfulness
شاما	ایک چھوٹا پرندہ، جو سیاہ رنگ کا ہوتا ہے	A small black-colored bird
ذی شعور	سمجھ دار، عقل مند، ہوشیار	Intelligent / Wise / Conscious
نسیم	ٹھنڈی ہوا، خوشبودار ہوا	Breeze / Cool wind / Fragrant air
صبا	پورب سے چلنے والی ہوا	East wind / Morning breeze

مشقیں:

مشق 1: خالی جگہ کو پُر کیجیے۔

1۔ اسماعیل میرٹھی کی پیدائش سنہ............. میں ہوئی۔

2۔ نظم "صبح کی امید" .... نے لکھی۔

3۔ اسماعیل میرٹھی کے پہلے استاد ان کے .... تھے۔

4۔ اسماعیل میرٹھی کے والد کا نام .... تھا۔

5۔ نظم "صبح کی آمد" میں کل .... بند ہیں۔

مشق 2: ذیل کے الفاظ کے معنی لکھیے۔

1۔ مثمن ....

2۔ مربع ....

3۔ مخمس ....

4۔ مثلث ....

5۔ ذی شعور ....

9.5 اکتسابی نتائج

اس اکائی کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ نے درج ذیل باتیں سیکھیں:

- مولانا حالی 1837ء میں ہندوستان کے شہر پانی پت میں پیدا ہوئے۔ان کا تعلق ایک مذہبی اور تعلیم یافتہ خاندان سے تھا۔ بچپن ہی سے مطالعے اور شعر و ادب سے لگاؤ رکھتے تھے۔
- حالی کی شاعری میں سادگی، اثر انگیزی، اصلاحِ نفس، اور قوم پرستی کے عناصر زیادہ ملتے ہیں۔ ان کی مشہور نظموں میں "مد و جزرِ اسلام (مسدس حالی) "،"برکھارت"،"چپ کی داد"،"حب وطن"،"نشاط امید"،"مٹی کا دیا" وغیرہ نہایت ہی اہم ہیں۔
- نظم "مٹی کا دیا" میں شاعر ایک بہت ہی اہم معاشرتی پیغام دینا چاہتا ہے۔وہ کہتا ہے کہ انسان کی اصل عظمت، اصل خوبی اور حقیقی خدمت وہ ہوتی ہے جس کا براہِ راست فائدہ دوسروں کو ہو، نہ کہ وہ جو صرف دکھاوے اور ظاہری شان و شوکت کے لیے کی جائے۔
- علامہ محمد اقبال برصغیر کے ایک عظیم شاعر، فلسفی، مفکر اور قومی رہنما تھے، جنھوں نے اپنی شاعری اور فکر کے ذریعے مسلمانوں کو بیدار کیا اور انہیں خودی، علم، اتحاد اور آزادی کا پیغام دیا۔ وہ 9 نومبر 1877ء کو سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔
- اقبال کے مشہور اردو مجموعوں میں بانگِ درا، بالِ جبریل، ضربِ کلیم اور ارمغانِ حجاز شامل ہیں۔
- نظم "چاند اور تارے" علامہ اقبال کے پہلے شعری مجموعے "بانگ درا" میں شامل ہے۔اس نظم میں شاعر نے زندگی کے سفر اور

اس کی حقیقت کو بیان کیا ہے، جس میں انسان، کائنات اور دیگر مخلوقات سب کے لیے مسلسل چلتے رہنے کا پیغام دیا گیا ہے۔

- نظم "چاند اور تارے" ایک فلسفیانہ اور عمیق سوچ کی عکاسی کرتی ہے، جس میں انسان کے وجود، اس کی جدوجہد اور اس کی منزل کو بیان کیا گیا ہے۔
- مولوی محمد اسماعیل میرٹھی اردو ادب کے ممتاز شاعر، معلم اور مصلح تھے جنہوں نے بچوں کے ادب، جدید نظم نگاری اور تعلیمی اصلاحات میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ اسماعیل میرٹھی 12 نومبر 1844ء کو میرٹھ کے محلہ مشائخان میں پیدا ہوئے، جو اب "اسماعیل نگر" کے نام سے معروف ہے۔
- اسماعیل میرٹھی نے بچوں کے لیے پچاس سے زائد نظمیں لکھیں، جن میں "نصیحت"، "برسات"، "ہماری گائے"، "صبح کی امید"، "سچ کہو" اور "بارش کا پہلا قطرہ" شامل ہیں۔
- "صبح کی آمد" اسماعیل میرٹھی کی مشہور نظم ہے۔ اس نظم میں کل پندرہ (15) بند ہیں، جن میں پانچ ابتدائی بندوں آپ نے مطالعہ کیا۔ نظم میں شاعر صبح کی آمد کو ایک زندہ، متحرک اور خوشگوار تجربہ بنا کر پیش کرتا ہے۔
- شاعر نظم "صبح کی آمد" میں صبح کے وقت کی منظر کشی کر رہا ہے اور صبح کو ایک جیتی جاگتی ہستی کے روپ میں پیش کرتا ہے۔ صبح خود اعلان کر رہی ہے کہ وہ روشنی، خوشی اور نئی زندگی کی امید لے کر آ رہی ہے۔

9.6 نمونہ امتحانی سوالات

9.6.1 معروضی سوالات:

1۔ مولانا حالی کا اصل نام کیا تھا؟

(a) مولانا حالی (b) الطاف احمد (c) محمد الطاف (d) الطاف حسین

2۔ حالی کی پیدائش کہاں ہوئی؟

(a) پانی پت (b) ہریانہ (c) پنجاب (d) دہلی

3۔ مولانا حالی کا انتقال کس سنہ میں ہوا؟

(a) 1910 (b) 1914 (c) 1920 (d) 1925

4۔ "مٹی کا دیا" کس کی نظم ہے؟

(a) علامہ اقبال (b) اسمعیل میرٹھی (c) مولانا حالی (d) اکبر الہ آبادی

5۔ اقبال کا اصل نام کیا تھا؟

(a) محمد اقبال (b) علامہ اقبال (c) اقبال احمد (d) اقبال حسین

6۔ نظم "چاند اور تارے" علامہ اقبال کے کس شعری مجموعے شامل ہے؟

(a) بانگ درا (b) بال جبریل (c) ضرب کلیم (d) ارمغان حجاز

7۔ " ڈرتے ڈرتے دم سحر سے" یہ مصرعہ کس نظم کا ہے؟

(a) مٹی کا دیا (b) صبح کی آمد (c) چاند تارے (d) روٹیاں

8۔ اسمٰعیل میرٹھی کا پورا نام کیا تھا؟

(a) محمد اسمٰعیل (b) اسمٰعیل احمد (c) اسمٰعیل علی (d) اسمٰعیل شیخ

9۔ محمد اسمٰعیل کے پہلے استاد کون تھے؟

(a) دادا (b) نانا (c) والد (d) ماموں

10۔ نظم "صبح کی آمد" میں کل کتنے بند ہیں؟

(a) 12 (b) 15 (c) 18 (d) 20

9.6.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات:

1۔ مولانا حالی کا تعارف پیش کیجیے۔

2۔ علامہ اقبال کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟ لکھیے۔

3۔ ایک نظم نگار کی حیثیت سے اسماعیل میرٹھی کی کیا اہمیت ہے؟ لکھیے۔

4۔ مولانا حالی کی کتابوں کے بارے میں لکھیے۔

5۔ درج ذیل بند کی تشریح کیجیے۔

اذاں پر اذاں مرغ دینے لگا ہے
خوشی سے ہر اک جانور بولتا ہے
درختوں کے اوپر عجب چہچہا ہے
سہانا ہے وقت اور ٹھنڈی ہوا ہے
اٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

9.6.3 طویل جوابات کے حامل سوالات:

1۔ نظم "مٹی کا دیا" کا خلاصہ اپنے الفاظ میں لکھیے۔

2۔ نظم "چاند اور تارے" میں کیا پیغام دیا گیا ہے؟ واضح کیجیے۔

3۔ نظم "صبح کی آمد" کی اہمیت پر روشنی ڈالیے۔

9.6.1 کے جوابات:

1-d	2-a	3-b	4-c	5-a
6-a	7-c	8-a	9-c	10-b

اکائی 10: نظم

اردو (علی سردار جعفری) آم نامہ (اکبر الہ آبادی)، چاند تاروں کا بن (مخدوم محی الدین)

اکائی کے اجزا

10.0 تمہید
10.1 مقاصد
10.2 علی سردار جعفری
10.2.1 علی سردار جعفری کا تعارف
10.2.2 نظم "اردو" (متن)
10.2.3 خلاصہ
10.3 اکبر الہ آبادی
10.3.1 اکبر الہ آبادی کا تعارف
10.3.2 نظم " آم نامہ" (متن)
10.3.3 خلاصہ
10.4 مخدوم محی الدین
10.4.1 مخدوم محی الدین کا تعارف
10.4.2 نظم "چاند تاروں کا بن" (متن)
10.4.3 خلاصہ
10.5 اکتسابی نتائج
10.6 نمونہ امتحانی سوالات

10.0 تمہید

پچھلی اکائی میں آپ نے اردو کے مشہور نظم نگار "مولانا حالی"، "علامہ اقبال" اور "اسماعیل میر ٹھی" کے بارے میں پڑھا۔ ساتھ

ہی ان کی اہم نظموں کا مطالعہ بھی کیا۔ یہ اکائی بھی نظم ہی کے حوالے سے ہے۔ اس اکائی میں آپ اردو کے تین اور اہم نظم نگاروں "علی سردار جعفری"، "اکبر الہ آبادی" اور "مخدوم محی الدین" کے بارے میں پڑھیں گے۔ ساتھ ہی ان کی اہم نظموں "اردو"(علی سردار جعفری)، "آم نامہ"(اکبر الہ آبادی) اور "چاند تاروں کا بن"(مخدوم محی الدین) کے متن کی قرأت اور ان کے خلاصے کا تفصیل سے مطالعہ کریں گے۔

10.1 مقاصد

اس اکائی کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- علی سردار جعفری کا تعارف پیش کر سکیں۔
- نظم "اردو" کے متن کی قرأت کر سکیں۔
- اکبر الہ آبادی کا تعارف پیش کر سکیں۔
- نظم "آم نامہ" کے متن کی قرأت کر سکیں۔
- مخدوم محی الدین کا تعارف پیش کر سکیں۔
- نظم "چاند تاروں کا بن" کے متن کی قرأت کر سکیں۔

10.2 علی سردار جعفری

10.2.3 علی سردار جعفری کا تعارف:

علی سردار جعفری اردو ادب کے ممتاز ترقی پسند شاعر، نقاد، افسانہ نگار اور دانشور تھے، جنہوں نے اپنی شاعری اور نثر کے ذریعے سماجی انصاف، امن، انسان دوستی اور ترقی پسندی کے نظریات کو فروغ دیا۔ علی سردار جعفری 26 نومبر 1913 کو اتر پردیش کے ضلع گونڈہ کے شہر بلرام پور میں پیدا ہوئے۔ ان کے خاندان کے اجداد شیراز (ایران) سے ہجرت کر کے ہندوستان آئے تھے۔ ان کے والد کا نام سید جعفر طیار تھا اور وہ ایک مذہبی شیعہ گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ انہوں نے ابتدائی تعلیم بلرام پور میں حاصل کی اور بعد ازاں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ میں داخلہ لیا۔ 1936 میں علی گڑھ یونیورسٹی سے طلبہ تحریک میں حصہ لینے کے باعث نکالے گئے، جس کے بعد دہلی کے اینگلو عربک کالج سے بی اے کی ڈگری حاصل کی۔

علی سردار جعفری نے اپنے ادبی سفر کا آغاز افسانہ نگاری سے کیا اور 1938 میں ان کا پہلا افسانوی مجموعہ "منزل" شائع ہوا۔ اس کے بعد وہ شاعری کی طرف مائل ہوئے اور ترقی پسند تحریک سے وابستہ ہو گئے۔ انہوں نے "نیا ادب" اور "پرچم" جیسے ادبی رسائل کی ادارت کی۔ ان کی شاعری میں انقلابی اور حب الوطنی کے جذبات نمایاں تھے، جس کے باعث 1940 میں انہیں گرفتار کیا گیا۔ وہ کمیونسٹ

پارٹی آف انڈیا کے رکن تھے اور ٹریڈ یونین کی سرگرمیوں میں بھی حصہ لیتے تھے۔ سردار جعفری کا انتقال 1 اگست 2000 کو ممبئی میں ہوا۔

علی سردار جعفری کی شاعری کا کینوس بہت وسیع تھا۔ ان کے مشہور شعری مجموعوں میں "پرواز" (1944)، "نئی دنیا کو سلام" (1946)، "خون کی لکیر" (1949)، "امن کا ستارہ" (1950)، "ایشیا جاگ اٹھا" (1964)، "ایک خواب اور" (1965) اور "لہو پکارتا ہے" (1978) شامل ہیں۔

10.2.2 نظم "اردو" (متن):

ہماری پیاری زبان اردو
ہماری نغموں کی جان اردو
حسین دل کش جوان اردو

زبان وہ دھل کے جس کو گنگا کے جل سے پاکیزگی ملی ہے
اودھ کی ٹھنڈی ہوا کے جھونکے سے جس کے دل کی کلی کھلی ہے
جو شعر و نغمہ کے خلد زاروں میں آج کوئل سی کوکتی ہے

اسی زباں میں ہمارے بچپن نے ماؤں سے لوریاں سنی ہیں
جوان ہو کر اسی زباں میں کہانیاں عشق نے کہی ہیں
اسی زباں کو چمکتے ہیروں سے علم کی جھولیاں بھری ہیں

اسی زباں سے وطن کے ہونٹوں نے نعرۂ انقلاب پایا
اسی سے انگریز حکمرانوں نے خود سری کا جواب پایا
اسی سے میری جواں تمنا نے شاعری کا رباب پایا

یہ اپنے نغمات پر اثر سے دلوں کو بیدار کر چکی ہے
یہ اپنے نعروں کی فوج سے دشمنوں پہ یلغار کر چکی ہے
ستم گروں کی ستم گری پر ہزار ہا وار کر چکی ہے

کوئی بتاؤ وہ کون سا موڑ ہے جہاں ہم جھجک گئے ہیں
وہ کون سی رزم گاہ ہے جس میں اہل اردو دبک گئے ہیں
وہ ہم نہیں ہیں جو بڑھ کے میداں میں آئے ہوں اور ٹھٹھک گئے ہیں

یہ وہ زباں ہے کہ جس نے زنداں کی تیرگی میں دیئے جلائے
یہ وہ زباں ہے کہ جس کے شعلوں سے جل گئے پھانسیوں کے سائے
فراز دار و رسن سے بھی ہم نے سرفروشی کے گیت گائے

کہا ہے کس نے ہم اپنے پیارے وطن میں بھی بے وطن رہیں گے
زبان چھن جائے گی ہمارے دہن سے ہم بے سخن رہیں گے
ہم آج بھی کل کی طرح دل کے ستار پر نغمہ زن رہیں گے

یہ کیسی باد بہار ہے جس میں شاخ اردو نہ پھل سکے گی
وہ کیسا روئے نگار ہوگا نہ زلف جس پر مچل سکے گی
ہمیں وہ آزادی چاہیے جس میں دل کی مینا ابل سکے گی

ہمیں یہ حق ہے ہم اپنی خاک وطن میں اپنا چمن سجائیں
ہماری ہے شاخ گل تو پھر کیوں نہ اس پہ ہم آشیاں بنائیں
ہم اپنے انداز اور اپنی زباں میں اپنے گیت گائیں

کہاں ہو متوالو آؤ بزم وطن میں ہے امتحاں ہمارا
زبان کی زندگی سے وابستہ آج سود و زیاں ہمارا
ہماری اردو رہے گی باقی اگر رہے ہندوستاں ہمارا

چلے ہیں گنگ و جمن کی وادی میں ہم ہوائے بہار بن کر
ہمالیہ سے اتر رہے ہیں ترانۂ آبشار بن کر
رواں ہیں ہندوستاں کی رگ رگ میں خون کی سرخ دھار بن کر

ہماری پیاری زبان اردو
ہماری نغموں کی جان اردو
حسین، دل کش جوان اردو

10.2.3 خلاصہ:

علی سردار جعفری کی نظم "اردو" ان کے شعری مجموعے "ایک خواب اور" میں شامل ہے۔ یہ نظم اردو زبان کی عظمت، اس کے تاریخی و ثقافتی کردار اور قومی تشخص سے اس کی گہری وابستگی کا ایک جامع اور پر اثر اظہار ہے۔ شاعر اردو زبان کو محض ایک ذریعہ اظہار نہیں بلکہ ایک زندہ، متحرک اور باوقار تہذیب کا مظہر قرار دیتا ہے۔ نظم کا آغاز اردو کی تعریف سے ہوتا ہے جہاں اسے "ہماری پیاری زبان" اور "نغموں کی جان" کہا گیا ہے، یعنی اردو صرف بولی جانے والی زبان نہیں بلکہ جذبات، فن، موسیقی اور محبتوں کی زبان ہے۔ شاعر اردو کی پاکیزگی کو گنگا کے پانی سے تشبیہ دیتا ہے، جو نہایت پاک اور مقدس سمجھا جاتا ہے اور اس کی خوشبو کو اودھ کی ٹھنڈی ہوا سے جوڑتا ہے، جو نفاست اور نرمی کی علامت ہے۔ یہ تشبیہیں اردو زبان کے روحانی اور ثقافتی حسن کی علامت ہیں۔

نظم میں اردو کی ہمہ جہت اہمیت کو اجاگر کیا گیا ہے۔ یہ وہ زبان ہے جس میں بچوں نے ماؤں کی لوریاں سنی ہیں، نوجوانوں نے محبت کے افسانے کہے ہیں، علم و ادب نے اسی زبان کے دامن میں پرورش پائی ہے، اور قوم نے انقلابی نعرے اسی زبان میں بلند کیے ہیں۔ اردو وہ زبان ہے جس نے قوم کو شعور دیا، دشمنوں کے خلاف آواز بلند کی، اور تاریکی میں روشنی کی شمع جلائی۔ شاعر فخر سے کہتا ہے کہ اردو نے نہ صرف ستمگروں کا مقابلہ کیا بلکہ جابر حکمرانوں کے سامنے کلمۂ حق بھی بلند کیا۔ وہ زبان جو قید خانوں میں بھی چراغ جلا سکتی ہے، جو پھانسی کے سائے میں بھی سرفروشی کے گیت گا سکتی ہے، وہ زبان کمزور کیسے ہو سکتی ہے؟ شاعر سوال اٹھاتا ہے کہ تاریخ کا وہ کون سا موڑ تھا جہاں اردو نے پیچھے ہٹنا سیکھا؟ وہ کون سی جنگ تھی جس میں اہلِ اردو نے ہار مانی؟ جواب میں شاعر اعلان کرتا ہے کہ اردو اور اردو بولنے والے ہمیشہ سینہ تان کر آگے بڑھے ہیں، وہ نہ جھجکے، نہ دبکے۔

آخر میں شاعر اردو زبان کو ہندوستانی تہذیب کی نمائندہ زبان قرار دیتا ہے، جو گنگا اور جمنا کی وادیوں میں بہتی ہوئی، ہمالیہ سے اترتی ہوئی، آبشار کی صورت دلوں میں رواں دواں ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ جب تک ہندوستان باقی ہے، اردو بھی زندہ رہے گی، کیونکہ اردو اس سرزمین کی روح میں بسی ہوئی ہے۔ یہ نظم نہ صرف اردو زبان سے محبت کا اظہار ہے بلکہ اس کے تحفظ، فروغ اور وقار کے لیے ایک پکار بھی ہے۔ شاعر قارئین کو دعوت دیتا ہے کہ وہ اردو کی بقا کے لیے اٹھ کھڑے ہوں، اپنی شناخت، زبان اور تہذیب کو زندہ رکھیں۔

مشکل الفاظ:

اجداد	دادا، پردادا کا سلسلہ، پرکھے	Ancestors / Forefathers
دل کش	دل چسپ، دل کو لبھانے والا	Attractive / Charming

پاکیزگی	پاک ہونے کی حالت، پاک صاف	Purity / Cleanliness
خلد	جنت، بہشت	Paradise / Heaven
رباب	ایک قسم کا ساز جو تاروں سے بجایا جاتا ہے	Stringed Musical Instrument
سود وزیاں	نفع ونقصان	Profit and Loss
فراز	بلندی، چوٹی	Height / Peak / Elevation
زندان	قید خانہ، جیل	Prison / Jail
دار ورسن	پھانسی کا پھندا اور اس کا سامان	Gallows / Hanging apparatus
ثقافت	رسم ورواج، طرزِ زندگی	Culture / Civilization
تیرگی	اندھیرا، تاریکی	Darkness / Gloom
دہن	منہ	Mouth
سرفروشی	جان نچھاور کرنا، قربانی دینا	Sacrifice / Devotion
مینا	شراب کا جام یا پیالہ	Goblet / Wine cup
یلغار	حملہ، وار	Attack / Raid
ستم گر	ظالم، ظلم کرنے والا	Oppressor / Tyrant
رزم گاہ	لڑائی کی جگہ، جنگ کا میدان	Battlefield / Arena
آبشار	پانی کی چادر	Waterfall
تشخص	پہچان، شناخت	Identity / Distinction

مشقیں:

مشق 1: ذیل کے مصرعوں کو مکمل کیجیے۔

1۔ اسی زباں میں ہمارے بچپن.......................................

2۔ ....میں کہانیاں عشق نے کہی ہیں

3۔ اسی زباں کو چمکتے ہیروں.......................................

4۔ ....میں ہم ہوائے بہار بن کر

5۔ ہمیں یہ حق ہے ہم اپنی..

مشق2: خالی جگہ کو پُر کیجیے۔

1۔ علی سردار جعفری 26 نومبر 1913 .... ضلع گونڈہ کے شہر بلرام پور میں پیدا ہوئے۔

2۔ علی سردار جعفری کے والد کا نام.................. تھا۔

3۔ علی سردار جعفری کا.......................... 1 اگست 2000 کو ممبئی میں ہوا۔

4۔ علی سردار جعفری کی نظم ''اردو'' ان کے شعری مجموعے.......................... میں شامل ہے۔

5۔ ''ایک خواب اور''.......................... میں شائع ہوا۔

10.3 اکبر الہ آبادی

10.3.1 اکبر الہ آبادی کا تعارف:

اکبر الہ آبادی اردو ادب کے ممتاز شاعر، مزاح نگار اور طنز نگار تھے، جنہوں نے انیسویں اور بیسویں صدی کے شروع میں اردو شاعری کو نئی جہت عطا کی۔اکبر الہ آبادی کا اصل نام سید اکبر حسین رضوی تھا۔وہ 16 نومبر 1846ء کو ضلع الہ آباد کے قصبہ بارہ میں پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی، جہاں فارسی، عربی اور ریاضی کی تعلیم پائی۔1856ء میں جامعہ مشن اسکول میں داخلہ لیا، لیکن مالی حالات کی وجہ سے تعلیم مکمل نہ کر سکے۔پندرہ برس کی عمر میں ملازمت اختیار کی اور بعد میں محکمہ تعمیرات میں ملازم ہو گئے۔1869ء میں مختاری کا امتحان پاس کرکے نائب تحصیلدار مقرر ہوئے اور 1872ء میں وکالت کا امتحان پاس کیا۔1880ء تک وکالت کرتے رہے، پھر منصف مقرر ہوئے۔1894ء میں عدالت خفیفہ کے جج بنے اور 1898ء میں "خان بہادر" کا خطاب ملا۔1903ء میں ملازمت سے سبکدوش ہو گئے۔ اکبر الہ آبادی کا انتقال 9 ستمبر 1921ء کو الہ آباد میں ہوا۔وہیں دفن ہوئے۔

اکبر الہ آبادی کو اردو شاعری میں طنز و مزاح کا بادشاہ مانا جاتا ہے۔ان کی شاعری میں مشرقی اقدار کی حمایت اور مغربی تہذیب کی کورانہ تقلید پر تنقید نمایاں ہے۔ان کا انداز بیان کہیں قلندرانہ، کہیں شاعرانہ، کہیں سادہ، کہیں روایتی اور کہیں انقلابی ہے۔انہوں نے غزل، قطعہ، رباعی اور نظموں میں عمدہ کلام پیش کیا اور اردو شاعری میں علامتی شاعری کی راہ ہموار کی۔اکبر الہ آبادی کی شاعری آج بھی اردو ادب میں اہم مقام رکھتی ہے۔

10.3.2 نظم "آم نامہ "(متن):

نامہ نہ کوئی یار کا پیغام بھیجئے
اس فصل میں جو بھیجئے بس آم بھیجئے

ایسا ضرور ہو کہ انہیں رکھ کے کھا سکوں
پختہ اگرچہ بیس تو دس خام بھیجئے

معلوم ہی ہے آپ کو بندے کا ایڈریس
سیدھے الہ آباد مرے نام بھیجئے

ایسا نہ ہو کہ آپ یہ لکھیں جواب میں
تعمیل ہوگی پہلے مگر دام بھیجئے

10.3.3 خلاصہ:

اکبر الہ آبادی کی نظم ''آم نامہ ''بظاہر ایک ہلکی پھلکی، مزاحیہ اور خوش ذائقہ انداز میں آم کی فرمائش پر مبنی ہے، لیکن درحقیقت اس میں شاعر کی مخصوص ظرافت، فقرہ بازی، معاشرتی روش پر طنز اور انسانی جذبات کا دل چسپ امتزاج موجود ہے۔اکبر الہ آبادی نے اردو شاعری میں جس خوبی سے طنز و مزاح کو شعری قالب میں ڈھالا ہے، یہ نظم اس کا شاندار نمونہ ہے۔ نظم میں شاعر اپنے کسی عزیز یا دوست سے آم بھیجنے کی درخواست کرتا ہے، لیکن انداز ایسا شائستہ اور شگفتہ ہے کہ قاری محض آم کی فرمائش کو بھی دلچسپی سے پڑھتا ہے اور مسکرا اٹھتا ہے۔

اس نظم میں شاعر کہتا ہے کہ مجھے اس موسم میں کسی دوست کے خط یا محبت بھرے پیغام کی ضرورت نہیں، بس آم بھیجیے۔ یہاں وہ محبت کو بھی آم کی طلب پر قربان کر دیتا ہے، جو مزاحیہ مبالغہ آرائی کا حسین نمونہ ہے۔ یہاں شاعر آم بھیجنے کے ساتھ ساتھ ان کے معیار اور مقدار کی تفصیلات بھی بیان کرتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ آم پکے ہوئے ہوں، لیکن کچھ کچے آم بھی ہوں تاکہ بعد میں پکا کر استعمال کیے جا سکیں۔ یہ مصرع شاعر کی عملی ذہنیت اور مزاحیہ تاکید کو ظاہر کرتا ہے۔ یہاں شاعر ہنستے ہنستے اپنے شہر اور پتہ کی یاد دہانی کراتا ہے، کہ بھول نہ جانا! آم کہیں اور نہ پہنچ جائیں، سیدھا میرے نام الہ آباد روانہ کر دینا۔ یہ مصرع شاعر کی برجستگی اور روزمرہ زندگی کی زبان کو شاعری میں برتنے کی خوبی ظاہر کرتا ہے۔ اختتامی شعر میں شاعر اس ممکنہ صورتِ حال کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ کہیں جواب میں یہ نہ کہا جائے کہ آم تو مل جائیں گے، لیکن پہلے قیمت بھیج دیجیے۔ یہ مصرع ایک معاشرتی مشاہدہ بھی ہے، جہاں رشتوں اور تعلقات میں بھی لین دین کا تصور شامل ہو رہا ہے۔

مشکل الفاظ:

عدالت خفیفہ	چھوٹی عدالت، نچلی سطح کی عدالت	Lower court / Minor court
منصف	انصاف کرنے والا، جج	Judge / Arbitrator
کورانہ تقلید	بغیر سوچے سمجھے کسی کی پیروی کرنا	Blind imitation / Unthinking following
پختہ	مضبوط، مکمل، تجربہ کار	Strong / Experienced / Well-established
خام	کچا، ناپختہ	Raw / Unripe / Unfinished
قاری	پڑھنے والا	Reader / Reciter
نامہ	خط	Letter / Document
تعمیل	فرماں برداری	Obedience / Compliance
ظرافت	عقل مند ہونا	Wit / Cleverness / Intelligence
فقرہ بازی	جملے بازی	Wordplay / Sentence crafting
روش	طور، طریقہ	Method / Way / Approach
امتزاج	آمیزش، ملاوٹ	Mixture / Blending
قالب	سانچہ، وہ آلہ جس میں کوئی چیز ڈھالی جائے	Mold / Template / Form
مبالغہ آرائی	بڑھا چڑھا کر بیان کرنا	Exaggeration / Overstatement
مشاہدہ	دیکھنا، نظارہ	Observation / Viewing

مشقیں:

مشق 1: دیے گئے جملوں میں صحیح اور غلط کی نشاندہی کیجیے۔

1۔ اکبر الہ آبادی کی پیدائش 1846 میں ہوئی۔ (   )

2۔ اکبر الہ آبادی کا اصل نام سید اکبر حسین رضوی تھا۔ (   )

3۔ اکبر الہ آبادی کا انتقال بنارس میں ہوا۔ (   )

4۔ نظم "آم نامہ" اکبر الہ آبادی نے لکھی ہے۔ (   )

5۔ اکبر الہ آبادی کو 1898ء میں "خان بہادر" کا خطاب ملا۔ (   )

مشق 2: درج ذیل الفاظ کے معنی لکھیے۔

1۔ نامہ ....

2۔ ظرافت ....

3۔ مبالغہ آرائی ....

4۔ قالب ....

5۔ امتزاج ....

10.4 مخدوم محی الدین

10.4.1 مخدوم محی الدین کا تعارف:

مخدوم محی الدین، جن کا اصل نام ابو سعید محمد مخدوم محی الدین قادری تھا۔ اردو ادب کے ممتاز انقلابی شاعر، ادیب اور سیاسی کارکن تھے۔ وہ 4 فروری 1908ء کو ریاست حیدر آباد کے ضلع میدک کے قصبہ اندول میں ایک مذہبی خانوادے میں پیدا ہوئے۔ ان کے دادا حیدر آباد کے مکہ مسجد میں قاری تھے اور والد غوث محی الدین بھی مذہبی ادارے سے وابستہ تھے۔ ابتدائی زندگی میں غربت اور سماجی ناہمواریوں کا مشاہدہ کرنے کے بعد وہ بائیں بازو کے نظریات سے متاثر ہوئے اور ترقی پسند تحریک سے وابستہ ہو گئے۔ 25 اگست 1969ء کو دہلی میں ایک میٹنگ کے دوران ان کا انتقال ہوا۔ انہیں حیدر آباد کے قبرستان شاہ خموش میں سپردِ خاک کیا گیا۔

مخدوم محی الدین کو "شاعرِ انقلاب" کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ ان کی شاعری میں انقلابی جذبہ، سماجی شعور اور انسانی محبت کا گہرا عکس ملتا ہے۔ انہوں نے نظم اور غزل دونوں اصناف میں طبع آزمائی کی، تاہم نظم میں ان کی مہارت نمایاں ہے۔ ان کے تین اہم شعری مجموعے "سرخ سویرا"، "گل تر" اور "بساطِ رقص" شائع ہوئے ہیں۔

10.4.2 نظم "چاند تاروں کا بن" (متن):

موم کی طرح جلتے رہے ہم شہیدوں کے تن
رات بھر جھلملاتی رہی شمع صبح وطن
رات بھر جگمگاتا رہا چاند تاروں کا بن
تشنگی تھی مگر

تشنگی میں بھی سرشار تھے
پیاسی آنکھوں کے خالی کٹورے لیے
منتظر مرد و زن
مستیاں ختم، مد ہوشیاں ختم تھیں، ختم تھا بانکپن
رات کے جگمگاتے دہکتے بدن
صبح دم ایک دیوار غم بن گئے
خار زار الم بن گئے
رات کی شہ رگوں کا اچھلتا لہو
جوئے خوں بن گیا
کچھ اماماں صد مکر و فن
ان کی سانسوں میں افعی کی پھنکار تھی
ان کے سینے میں نفرت کا کالا دھواں
اک کمیں گاہ سے
پھینک کر اپنی نوک زباں
خون نور سحر پی گئے
رات کی تل چھٹیں ہیں اندھیرا بھی ہے
صبح کا کچھ اجالا بھی ہے
ہمدمو!
ہاتھ میں ہاتھ دو
سوئے منزل چلو
منزلیں پیار کی
منزلیں دار کی
کوئے دل دار کی منزلیں
دوش پر اپنی اپنی صلیبیں اٹھائے چلو

10.4.3 خلاصہ:

نظم "چاند تاروں کا بن" مخدوم محی الدین نے 1958ء میں لکھی۔ یہ آزاد نظم کی ہیئت میں لکھی گئی ہے جو چار بندوں پر مشتمل ہے۔ یہ ایک انقلابی، جذباتی اور علامتی نظم ہے جو شہادت، قربانی، ظلم، امید اور جدوجہد کا گہرا پیغام اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔ اس نظم میں شاعر نے وطن کی آزادی، ظلم کے خلاف جدوجہد اور شہدا کی قربانیوں کو انتہائی مؤثر انداز میں بیان کیا ہے۔ نظم میں شاعرانہ زبان کے ذریعے سماجی اور سیاسی حالات کی عکاسی کی گئی ہے۔

شاعر نظم کا آغاز اس منظر سے کرتا ہے جہاں وطن کی آزادی کی خاطر قربان ہونے والے شہدا کے جسم موم کی طرح جل رہے ہیں۔ ان کی قربانی سے وطن کے افق پر صبح کی روشنی نمودار ہو رہی ہے۔ رات کے اندھیرے میں چاند ستارے جگمگا رہے ہیں، لیکن فضا میں تشنگی ہے، پیاس ہے۔ محبت اور سکون کی پیاس، آزادی کی پیاس۔ لوگ پیاسی آنکھوں کے ساتھ، امید اور انتظار کے کٹورے ہاتھ میں لیے صبح کے منتظر ہیں۔ یہ نظم وطن کی آزادی اور سماجی انصاف کے لیے دی جانے والی قربانیوں کو خراجِ عقیدت پیش کرتی ہے۔ شاعر نے شہدا کے جسموں کو "موم کی طرح جلتے ہوئے" دکھا کر ان کی تکلیف، جذبۂ ایثار اور قربانی کی شدت کو اجاگر کیا ہے۔ پوری رات ظلم، اذیت اور اندھیرے کی علامت ہے، لیکن اسی رات میں ایک ایسی صبح کا خواب بھی پروان چڑھتا ہے جو روشنی، امید اور آزادی کی نوید ہے۔ نظم میں شاعر کہتا ہے کہ ظلم کے خلاف لڑنے والے لوگ پیاسے تھے، مگر اپنے عزم میں سرشار تھے۔ وہ انتظار میں تھے۔ ایسی صبح کا جو انقلاب لے کر آئے، مگر یہ صبح آسانی سے نہیں آئے گی۔ اس کے لیے بڑی بڑی قربانیاں دینی ہوں گی۔ شاعر ان ظالم عناصر کی بھی نشاندہی کرتا ہے جو اس نئی صبح کو روکنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ نفرت، مکاری اور فریب سے بھری ہوئی قوتیں ہیں۔

آخر میں شاعر ایک ولولہ انگیز پیغام دیتا ہے کہ اب وقت ہے کہ سب لوگ ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر، یکجہتی کے ساتھ، منزل کی طرف روانہ ہوں۔ یہ منزل محبت کی بھی ہے، سولی کی بھی، یعنی اس راہ میں عشق بھی ہے اور قربانی بھی۔ ہر شخص کو اپنی اپنی "صلیب" (ذمہ داری، قربانی، درد) اٹھا کر آگے بڑھنا ہوگا۔

مشکل الفاظ:

منتظر	جس کا انتظار ہو، جس کا انتظار کیا جائے	One who is waiting / Awaited
بانکپن	ٹیڑھاپن، کجی	Curvature / Crookedness
خارزار	کانٹوں کا جنگل	Thorny forest / Thicket
افعی	ایک قسم کا زہریلا سانپ	Venomous snake / Viper
صلیب	ذمہ داری، قربانی، درد	Cross / Burden / Sacrifice

جذبۂ ایثار	قربانی کا جذبہ	Spirit of sacrifice / Altruism
عزم	ارادہ	Determination / Resolve

مشقیں:

مشق 1: درج ذیل مصرعوں کو مکمل کیجیے۔

1۔ موم کی طرح جلتے رہے.......................................

2۔ رات بھر جگمگاتا رہا...

3۔ پیاسی آنکھوں کے...

4۔ .... میں افعی کی پھنکار تھی

5۔ .... صلیبیں اٹھائے چلو

مشق 2: دیے گئے جملوں میں صحیح اور غلط کی نشاندہی کیجیے۔

1۔ مخدوم محی الدین کا اصل نام ابو سعید محمد مخدوم محی الدین قادری تھا۔

2۔ مخدوم محی الدین کی پیدائش اورنگ آباد میں ہوئی۔

3۔ مخدوم محی الدین کو "شاعرِ انقلاب" کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

4۔ نظم "چاند تاروں کا بن" دس بندوں پر مشتمل ہے۔

10.5 اکتسابی نتائج

اس اکائی کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ نے درج ذیل باتیں سیکھیں:

- علی سردار جعفری اردو ادب کے ممتاز ترقی پسند شاعر، نقاد، افسانہ نگار اور دانشور تھے، جنھوں نے اپنی شاعری اور نثر کے ذریعے سماجی انصاف، امن، انسان دوستی اور ترقی پسندی کے نظریات کو فروغ دیا۔
- علی سردار جعفری 26 نومبر 1913 کو اتر پردیش کے ضلع گونڈہ کے شہر بلرام پور میں پیدا ہوئے۔ ان کے خاندان کے اجداد شیراز (ایران) سے ہجرت کر کے ہندوستان آئے تھے۔
- علی سردار جعفری کی شاعری کا کینوس بہت وسیع تھا۔ ان کے مشہور شعری مجموعوں میں "پرواز" (1944)، "نئی دنیا کو سلام" (1946)، "خون کی لکیر" (1949)، "امن کا ستارہ" (1950)، "ایشیا جاگ اٹھا" (1964)، "ایک خواب اور" (1965) اور "لہو پکارتا ہے" (1978) شامل ہیں۔

- علی سردار جعفری کی نظم "اردو" ان کے شعری مجموعے "ایک خواب اور" میں شامل ہے۔ یہ نظم اردو زبان کی عظمت، اس کے تاریخی و ثقافتی کردار اور قومی تشخص سے اس کی گہری وابستگی کا ایک جامع اور پر اثر اظہار ہے۔
- اکبر الہ آبادی اردو ادب کے ممتاز شاعر، مزاح نگار اور طنز نگار تھے، جنہوں نے انیسویں اور بیسویں صدی کے اوائل میں اردو شاعری کو نئی جہت عطا کی۔ اکبر الہ آبادی کا اصل نام سید اکبر حسین رضوی تھا۔ وہ 16 نومبر 1846ء کو ضلع الہ آباد کے قصبہ بارہ میں پیدا ہوئے۔
- اکبر الہ آبادی کو اردو شاعری میں طنز و مزاح کا بادشاہ مانا جاتا ہے۔ ان کی شاعری میں مشرقی اقدار کی حمایت اور مغربی تہذیب کی کورانہ تقلید پر تنقید نمایاں ہے۔
- اکبر الہ آبادی کی "آم نامہ" نظم بظاہر ایک ہلکی پھلکی، مزاحیہ اور خوش دلانا انداز میں آم کی فرمائش پر مبنی ہے، لیکن درحقیقت اس میں شاعر کی مخصوص ظرافت، فقرہ بازی، معاشرتی روش پر طنز اور انسانی جذبات کا دل چسپ امتزاج موجود ہے۔
- مخدوم محی الدین، جن کا اصل نام ابو سعید محمد مخدوم محی الدین قادری تھا۔ اردو ادب کے ممتاز انقلابی شاعر، ادیب اور سیاسی کارکن تھے۔ مخدوم محی الدین 4 فروری 1908ء کو ریاست حیدرآباد کے ضلع میدک کے قصبہ اندول میں ایک مذہبی خانوادے میں پیدا ہوئے۔
- مخدوم محی الدین کو "شاعرِ انقلاب" کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ ان کی شاعری میں انقلابی جذبہ، سماجی شعور اور انسانی محبت کا گہرا عکس ملتا ہے۔ ان کے تین اہم شعری مجموعے "سرخ سویرا"، "گل تر" اور "بساطِ رقص" شائع ہوئے ہیں۔
- نظم "چاند تاروں کا بن" مخدوم محی الدین نے 1958ء میں لکھی۔ یہ آزاد نظم کی ہیئت میں لکھی گئی ہے جو چار بندوں پر مشتمل ہے۔ یہ ایک انقلابی، جذباتی اور علامتی نظم ہے جو شہادت، قربانی، ظلم، امید اور جدوجہد کا گہرا پیغام اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔

10.6 نمونہ امتحانی سوالات

10.6.1 معروضی سوالات:

1۔ علی سردار جعفری کی پیدائش کس سنہ میں ہوئی؟

1900(a) 1905(b) 1909(c) 1913(d)

2۔ شعری مجموعہ "ایک خواب اور" کب شائع ہوا؟

1965(a) 1960(b) 1954(c) 1954(d)

3۔ نظم "اردو" علی سردار جعفری کے کس شعری مجموعے میں شامل ہے؟

(a)ایشیاجاگ اٹھا (b)ایک خواب اور (c)خون کی لکیر (d)نئی دنیاکو سلام

4۔ اکبر الہ آبادی کا اصل نام کیا تھا؟

(a)سید احمد حسین (b)سید محمد حسین (c)سید اکبر حسین (d)سید اصغر حسین

5۔ اکبر الہ آبادی کی پیدائش کس سنہ میں ہوئی؟

(a)1846 (b)1850 (c)1854 (d)1859

6۔ نظم "آم نامہ" کس نے لکھی ہے؟

(a)اکبر الہ آبادی (b)علی سردار جعفری (c)مخدومحی الدین (d)علامہ اقبال

7۔ اکبر الہ آبادی کا انتقال کہاں ہوا؟

(a)کان پور (b)جون پور (c)الہ آباد (d)بنارس

8۔ مخدوم محی الدین کا اصل نام کیا تھا؟

(a)ابو سعید محمد (b)مخدوم (c)مخدوم محی الدین (d) محی الدین قادری

9۔ نظم "چاند تاروں کا بن" کس نے لکھی؟

(a) علامہ اقبال (b)اکبر الہ آبادی (c)مخدوم محی الدین (d)علی سردار جعفری

10۔ نظم "چاند تاروں کا بن" کس ہیئت میں لکھی گئی ہے؟

(a)پابند نظم (b)نثری نظم (c)آزاد نظم (d)معریٰ نظم

10.6.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات:

1۔ علی سردار جعفری کا تعارف پیش کیجیے۔

2۔ اکبر الہ آبادی کے بارے میں مختصر لکھیے۔

3۔ مخدوم محی الدین کا تعارف کرائیے۔

4۔ علی سردار جعفری کے شعری مجموعوں کے نام لکھیے۔

5۔ درج ذیل شعر کی تشریح کیجیے۔

نامہ نہ کوئی یار کا پیغام بھیجئے
اس فصل میں جو بھیجئے بس آم بھیجئے

10.6.3 طویل جوابات کے حامل سوالات:

1۔ نظم "اردو" کا خلاصہ پیش کیجیے۔

2۔ نظم "آم نامہ" کی خصوصیات بیان کیجیے۔

3۔ نظم "چاند تاروں کا بن" کا خلاصہ لکھیے۔

10.6.1 کے جوابات:

1-d	2-a	3-b	4-c	5-a
6-a	7-c	8-a	9-c	10-b

اکائی 11: رباعیات

(قلی قطب شاہ، ولی، مولانا حالی، انیس، دبیر، جوش، اکبر، امجد، اور رواں کی رباعیات)

اکائی کے اجزا

11.0 تمہید

11.1 مقاصد

11.2 قلی قطب شاہ، ولی، مولانا حالی، انیس، دبیر، جوش، فراق، محروم، امجد اور رواں کی رباعیات

11.2.1 قلی قطب شاہ

11.2.2 ولی دکنی

11.2.3 مولانا الطاف حسین حالی

11.2.4 میر انیس

11.2.5 مرزا دبیر

11.2.6 جوش ملیح آبادی

11.2.7 اکبر الہ آبادی

11.2.8 امجد حیدر آبادی

11.2.9 جگت موہن لال رواں

11.3 اکتسابی نتائج

11.4 نمونہ امتحانی سوالات

11.0 تمہید

پچھلی تین اکائیوں میں آپ نے نظم کے بارے میں پڑھا، جن میں محمد قلی قطب شاہ، نظیر اکبر آبادی، مولانا حالی، علامہ اقبال، اسماعیل میر ٹھی، علی سردار جعفری، اکبر الہ آبادی اور مخدوم محی الدین کی نظموں کا مطالعہ کیا۔ نظم ہی کی طرح رباعی بھی اردو کی ایک اہم صنف ہے۔ رباعی چار مصرعوں پر یا دو بیتوں پر مشتمل ہوتی ہے، اس لیے یہ رباعی کہلاتی ہے۔

اصطلاح میں رباعی اس مختصر نظم کو کہتے ہیں جو صرف چار مصرعوں پر مشتمل ہوتی ہے۔رباعی کا پہلا، دوسرا اور چوتھا مصرع ہم قافیہ ہوتا ہے اور چوتھے مصرعے میں شاعر اپنے خیال کو مکمل کرتا ہے۔گویا چوتھا مصرع رباعی کا خلاصہ ہوتا ہے۔رباعی میں کسی بھی موضوع کو اس طرح پیش کیا جاتا ہے کہ مصرع بہ مصرع خیال کا تسلسل و ارتقا پایا جاتا ہے۔اس اکائی میں ہم اردو کے چند اہم رباعی گو شاعر اور ان کی رباعیات کا مطالعہ کریں گے۔

11.1 مقاصد

اس اکائی کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- محمد قلی قطب شاہ اور ولی دکنی کی رباعیات اور ان کی تشریحات کا مطالعہ کر سکیں۔
- مولانا حالی کی رباعیات پڑھ کر ان کی تشریح کر سکیں۔
- میر انیس اور مرزا دبیر کی رباعیات کو سمجھ سکیں۔
- فراق گورکھپوری اور اکبر الہ آبادی کی رباعیات اور ان کی تشریحات کا مطالعہ کر سکیں۔
- امجد حیدر آبادی اور جگت موہن لال رواں کی رباعیات کو پڑھ کر ان کی انفرادیت کو پہچان سکیں۔

11.2 قلی قطب شاہ، ولی، مولانا حالی، انیس، دبیر، جوش، اکبر، امجد اور رواں کی رباعیات

11.2.1 قلی قطب شاہ:

قلی قطب شاہ (1580–1612) نہ صرف دکنی ادب کے ایک ممتاز شاعر تھے بلکہ وہ رباعی گوئی میں بھی خاص مہارت رکھتے تھے۔وہ دکن (حیدرآباد) کے قطب شاہی سلسلے کے پانچویں حکمران تھے اور فارسی کے ساتھ ساتھ دکنی (قدیم اردو) زبان میں بھی شاعری کرتے تھے۔ان کا کلام تصوف، حسن و عشق، فطرت، اور زندگی کے دیگر لطیف پہلوؤں کو بڑی خوبصورتی سے بیان کرتا ہے۔

قلی قطب شاہ کی رباعیاں دکنی، فارسی، عربی اور کبھی کبھی ہندی الفاظ کا حسین امتزاج پیش کرتی ہیں۔ان کی رباعیوں میں عشقِ مجازی اور عشقِ حقیقی کا امتزاج ملتا ہے۔وہ خدا سے عشق کو بھی انسانی محبت کی مانند محسوس کرتے ہیں۔قلی قطب شاہ کی رباعیوں میں عورت کی خوبصورتی کا تفصیلی بیان ایک خاص پہلو ہے۔ان کی رباعیوں میں عروضی حسن پایا جاتا ہے۔قلی قطب شاہ کی رباعیوں میں محبوبہ کے حسن کو چاند، کنول، مور، یا خوشبودار پھولوں وغیرہ کی خوب صورت تشبیہ دیکھنے کو ملتے ہے، جو دکنی تہذیب کا عکس ہے۔

قلی قطب شاہ کی رباعی:

انپڑیا ہے علی ہت تھے بدن جام منجے
متوال کہ اس تھے رکھے جگ نام منجے

دو جگ میں نہیں کام کسی دھیاں سوں منج
ہے دھیاں سوں حیدر کے سدا کام منجے

خلاصہ:

یہ رباعی ایک عاشقِ علیؑ کے دل کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی آواز ہے۔ قلی قطب شاہ اپنی روحانی نسبت، عقیدت، اور عشقِ علیؑ کو نہایت سادہ مگر پر اثر الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں میرا جسم و جان حضرت علیؑ کی ولایت سے فیض یاب ہے، میری پہچان حضرت علیؑ کے سبب ہے، مجھے کسی اور کی طرف دیکھنے کی ضرورت نہیں اور میری دنیا و آخرت کی بھلائی صرف حضرت علیؑ کے دھیان میں ہے۔ یہ رباعی دینی عشق، روحانی فخر اور کامل عقیدت کی مکمل تصویر ہے۔

مشکل الفاظ:

انپڑیا	انڈیل دیا گیا، بھر دیا گیا	Poured, filled
ہت	ہاتھ	Hand
جام منجے	جام میرے لیے	Goblet for me / Wine cup for me
متوال	مست، پرجوش	Enthusiastic, passionate, intoxicated
جگ	دنیا، کائنات	World, universe
دھیاں	دھیان، توجہ	Attention, focus
دوجگ	دنیا و آخرت	This world and the hereafter
حیدر	حضرت علیؑ کا لقب	Title of Hazrat Ali (A.S.) meaning "Lion"

مشق: ذیل کے الفاظ کو جملوں میں استعمال کیجیے۔

1۔ متوالا ....
2۔ جگ ....
3۔ رباعی ....
4۔ حیدر ....
5۔ عشق ....

11.2.2 ولی دکنی:

ولی دکنی (1667–1707) کا اصل نام ولی محمد تھا، جو اردو شاعری کے باقاعدہ بانی سمجھے جاتے ہیں۔ اگرچہ ان کی شہرت زیادہ تر

غزل گوئی کے حوالے سے ہے، مگر انہوں نے رباعی کے میدان میں بھی طبع آزمائی کی اور اس صنف کو دکنی اردو میں ایک نئے انداز سے پیش کیا۔ ولی دکنی کی رباعیاں عشقِ مجازی سے شروع ہو کر عشقِ حقیقی تک پہنچتی ہیں۔ ان کے یہاں حسنِ محبوب، وصال کی آرزو اور دل کی وارداتیں ایک روحانی رنگ میں ڈھل جاتی ہیں۔ ولی دکنی نے رباعی میں دکنی زبان کی مٹھاس کو خوب نبھایا۔ ان کی زبان میں سادگی کے ساتھ ساتھ تہذیبی لطافت بھی ہے۔ وہ اپنے محبوب کو نرگس، قمر، شمع اور بلبل جیسے استعاروں سے تعبیر کرتے ہیں۔ ان کی رباعیاں ایک طرف تصوف کا نور لیے ہوتی ہیں، تو دوسری طرف جذبات کی شدت بھی رکھتی ہیں۔ ولی کی کچھ رباعیوں میں وقت، فنا، بقا اور خودی جیسے فلسفیانہ موضوعات کا بھی عکس ملتا ہے۔ ولی دکنی کا یہ انداز فارسی رباعیات سے مستعار نظر آتا ہے اور یہ رباعیات دکنی زبان میں نئی تازگی کے ساتھ منظرعام پر آتی ہیں۔

ولی دکنی کی رباعی:

کسوت کوں اپس رنگ سوں گل فام کیا
جب بر میں دو دامی کوں گل اندام کیا
دو دام بادام نین دوجے یو زلف
اور دام نے مجھ ششدر و ناکام کیا

خلاصہ:

یہ رباعی ولی دکنیؔ کے محبت اور حسن کی پیچیدگیوں کو نہایت نفاست اور فصاحت سے بیان کرتی ہے۔ شاعر نے اپنے دل کی کیفیت، محبت کی چالاکی اور معشوق کی کشش کو بہت دلکش انداز میں پیش کیا ہے۔ ولی دکنیؔ نے معشوق کی آنکھوں اور زلف کو ایسے پھندوں سے تشبیہ دی ہے جو نرم، دلکش مگر گرفت میں لینے والے ہیں۔ محبت کا یہ کھیل بھی عجیب ہے، خوبصورتی میں جکڑنا، پھنسنا اور پھر بے بسی کا احساس۔ شاعر کا دل حیران اور ناکام ہے کیونکہ وہ اس دلکشی اور محبت کے جال سے آزاد نہیں ہو پا رہا۔ یہ رباعی محبت کی دلکشی، گرفت اور اس کی پیچیدگی کا مختصر مگر گہرا بیان ہے۔

مشکل الفاظ:

کسوت	لباس، پوشاک	Dress, garment
اپس رنگ سوں	اپنے رنگ سے	With its own color
گل فام	خوب صورت رنگ کا	Rosy, beautiful-colored

دامی	جال، پھندا (محبت کا جال)	Net, snare (metaphorically: trap of love)
گل اندام	پھول سا بدن رکھنے والا، خوش اندام	Flower-like body, graceful figure
دو دام	دو جال (یہاں آنکھیں اور زلفیں مراد ہیں)	Two traps (here: eyes and hair/locks)
بادام نین	بادامی شکل کی آنکھیں	Almond-shaped eyes
ششدر	حیران، حیرت زدہ	Astonished, amazed
دوجے یو زلف	دوسرا جال یعنی زلف (بالوں کی لٹ)	Second trap, i.e., locks of hair

مشق: درج ذیل دکنی الفاظ کے اردو معنی لکھیے۔

1۔ اپس ....

2۔ سوں ....

3۔ کسوت ....

4۔ نین ....

5۔ دوجے ....

11.2.3 مولانا الطاف حسین حالی:

مولانا الطاف حسین حالیؔ (1837–1914) اردو ادب کی تاریخ میں ایک عظیم مصلح، نقاد، اور شاعر کے طور پر جانے جاتے ہیں۔ ان کی شاعری اصلاحِ قوم، اخلاق، انسانیت، اور دین کے گہرے پیغام پر مبنی ہوتی ہے۔ حالیؔ نے رباعی گوئی میں بھی اپنے خیالات کو مؤثر اور مختصر پیرائے میں پیش کیا ہے، اگرچہ ان کی اصل شہرت مسدس حالی اور غزل کے حوالے سے ہے۔

حالیؔ کی رباعیوں میں سب سے نمایاں پہلو ان کی اصلاحی فکر ہے۔ وہ فرد اور قوم دونوں کی اخلاقی تربیت چاہتے ہیں، اور رباعی جیسے مختصر قالب میں بھی سنجیدہ اور بلند خیالات بیان کرتے ہیں۔ حالیؔ کی زبان سادہ، رواں، اور عام فہم ہوتی ہے، مگر اس کے اندر دانش، بصیرت، **اور گہرائی** چھپی ہوتی ہے۔ ان کی رباعیوں میں اسلامی اقدار، دینی تعلیم، اور مسلمانوں کی زبوں حالی پر فکری نوحہ موجود ہے۔ وہ انسان کو خدا، خودی، اور علم کی طرف بلاتے ہیں۔ حالیؔ رباعی کے ذریعے اپنے دور کے معاشرتی اور فکری مسائل پر روشنی ڈالتے ہیں، جیسے تعلیم کی کمی، جہالت، فرقہ واریت، وغیرہ۔

مولانا حالی کی رباعی:

نیکوں کو نہ ٹھہرائیو بد اے فرزند
اک آدھ ادا اُن کی اگر ہو نہ پسند

کچھ نقص انار کی لطافت میں نہیں
ہو اس میں اگر گلے سڑے دانے چند

خلاصہ:

مولانا الطاف حسین حالی کی یہ رباعی اخلاقی شاعری کا ایک عمدہ نمونہ ہے، جس کا عنوان "نیکوں کی جانچ" ہے۔اس رباعی میں ایک گہرا سبق اور انسانی رویے پر حکیمانہ تبصرہ موجود ہے۔

یہاں شاعر ایک باپ یا بزرگ کی حیثیت سے مخاطب ہے اور پیار، شفقت اور حکمت سے مخاطب (فرزند) کو نصیحت کر رہا ہے کہ اگر کوئی شخص عمومی طور پر نیک ہے تو صرف اس کی ایک دو کمزوریوں کی بنیاد پر اُسے برا یا بدکار نہ سمجھو۔شاعر کہتا ہے اگر کسی نیک شخص کی کوئی عادت یا بات تمہیں ناپسند ہو، تو اس جزوی ناپسندیدگی کی بنا پر اس کی پوری شخصیت کو رد نہ کرو۔ انسان کامل نہیں ہوتا، ہر ایک میں کچھ نہ کچھ کمی رہ جاتی ہے۔یہاں شاعر نے ایک نہایت دلکش تشبیہ دی ہے: جیسے انار ایک خوش ذائقہ اور نفیس پھل ہے اور اگر اس میں چند دانے گلے سڑے نکل آئیں تو ہم اسے ناقص یا برا پھل نہیں کہتے، اسی طرح اگر کسی نیک انسان میں چند نقائص ہوں، تو اس کی مجموعی خوبیوں کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔

مشکل الفاظ:

نیکیوں	نیک لوگ، اچھے کردار کے حامل افراد	Good deeds, virtues
ٹھہرائیو	مت سمجھو، قرار نہ دو، نہ جانو	Do not consider, do not assume
نقص	کمی، خامی، عیب	Defect, flaw, deficiency
لطافت	نرمی، نفاست، خوش ذائقہ ہونا، خوشبو یا خوش مزگی	Delicacy, subtlety, elegance, fineness

مشق: ذیل کے مصرعے مکمل کیجیے۔

1۔ نیکوں کو نہ...
2۔ .... کی اگر ہو نہ پسند
3۔ کچھ نقص انار کی.......................................
4۔ ....گلے سڑے دانے چند

11.2.4 میر انیس:

میر ببر علی انیسؔ (1802–1874) اردو ادب میں مرثیہ گوئی کے بے تاج بادشاہ کے طور پر مشہور ہیں، مگر وہ صرف مرثیہ نگار ہی

نہیں، بلکہ ایک قادر الکلام شاعر بھی تھے، جنہوں نے قصیدہ، رباعی، سلام اور دیگر اصنافِ سخن میں بھی اعلیٰ درجے کا کلام پیش کیا ہے۔ رباعی گوئی میں بھی انیس کا ایک خاص مقام ہے، جو فنی کمال، فکری بلندی اور جذباتی تاثیر سے بھرپور ہے۔

میر انیس اکثر اپنے مراثی کی ابتدا تین چار رباعیوں سے کرتے تھے، جو پیش منظر کے طور پر کام دیتی تھیں۔ میر انیس کی رباعیاں عروضی اعتبار سے مکمل، پر شکوہ اور غنائیت سے بھرپور ہوتی ہیں۔ ان کے یہاں رباعی صرف خیال کی ترسیل نہیں بلکہ جمالیاتی تجربہ بھی ہے۔اس کے علاوہ میر انیس کی رباعیوں میں امام حسینؑ، ان کے اہل بیت اور اصحابؓ کی شہادت، ایثار، صبر اور اصول پسندی کو مختصر مگر بلند انداز میں پیش کیا جاتا ہے۔ ایک ہی رباعی میں وہ جذبہ، تصویر، منظر اور معنی سب کچھ سمو دیتے ہیں۔ سامع یا قاری ایک لمحے کے لیے گویا کربلا کا منظر دیکھتا ہے۔

میر انیس کی رباعی:

گلشن میں صبا کو جستجو تیری ہے
بلبل کی زباں پہ گفتگو تیری ہے
ہر رنگ میں جلوہ تیری قدرت کا
جس پھول کو سونگھتا ہوں بو تیری ہے

خلاصہ:

میر انیس کی یہ رباعی اللہ تعالیٰ کی صفات اور اس کی تخلیق میں اس کی جلوہ گری پر ایک گہرا مشاہدہ اور وجدانی احساس ہے۔ شاعر، فطرت کے مناظر کے ذریعے اللہ کی موجودگی اور عظمت کو محسوس کرتا ہے۔

میر انیس کہتے ہیں کہ باغ میں چلنے والی ہوا (صبا) بھی تیری تلاش میں سرگرداں ہے۔ یہاں صبا کو ایک جاندار حسّی پیکر کے طور پر پیش کیا گیا ہے جو اپنے وجود سے اللہ کی طرف متوجہ ہے۔ بلبل جو چہچہاتی ہے، اس کے نغموں میں بھی تیرا ذکر ہے، تیری باتیں ہیں۔ گویا کائنات کی ہر آواز، ہر نغمہ خالق کی ثنا میں مصروف ہے۔ دنیا کے ہر رنگ، ہر منظر، ہر پیکر میں اللہ کی قدرت کا جلوہ موجود ہے۔ فطرت کے رنگین مناظر خالق کی صناعی کا عکس ہیں۔ ہر خوشبو، جو پھول سے آتی ہے، اصل میں تیری عطا کردہ ہے، تیری موجودگی کی علامت ہے۔ یہاں خوشبو کو الٰہی قرب کا استعارہ بنایا گیا ہے۔

مشکل الفاظ:

گلشن	باغ، پھولوں سے بھرا ہوا باغیچہ	Garden
صبا	صبح کی نرم و ملائم خوشبودار ہوا	Morning breeze, gentle fragrant wind
جستجو	تلاش، خواہش، تڑپ	Search, quest, desire

بلبل	ایک خوش آواز پرندہ جو اکثر شاعری میں محبوب یا شاعر کی زبان بنتا ہے	Nightingale (a melodious bird)
جلوہ	ظہور، چمک، نمود، ظاہری حسن	Splendor, manifestation, radiance
قدرت	اللہ تعالیٰ کی طاقت، تخلیق کرنے کی صفت	Divine power, nature, creation

مشق: درج ذیل الفاظ کے مطلب لکھیے۔

1۔ قدرت ....

2۔ جستجو ....

3۔ بلبل ....

4۔ گلشن ....

11.2.5 مرزا دبیر:

مرزا سلامت علی دبیرؔ (1803–1875) اردو مرثیہ نگاری کے عظیم ستونوں میں سے ایک ہیں، جنہیں میر انیسؔ کے ہم رتبہ اور بعض اوقات ان سے بھی زیادہ فنی سلیقہ مند سمجھا جاتا ہے۔ ان کی شاعری کا دائرہ وسیع ہے، لیکن ان کی شہرت کا مرکز مرثیہ اور رباعی ہے، جو انہوں نے خاص طور پر کربلا کے واقعات، اہل بیتؑ کی مدح اور غمِ حسینؑ کے بیان کے لیے اختیار کی۔

مرزا دبیر کی رباعیات میں الفاظ کا چناؤ نہایت موزوں ہوتا ہے، جو دل کو بہت متاثر تا ہے ان کی رباعیات صرف جذباتی نہیں بلکہ فکری اور روحانی پیغام لیے ہوتی ہیں، خاص طور پر امام حسینؑ، حضرت علیؑ، حضرت عباسؑ اور علی اکبرؑ کے تذکروں میں۔ دبیرؔ رباعی میں بھی ایسا منظر کھینچتے ہیں جو قاری کی آنکھوں کے سامنے زندہ ہو جاتا ہے۔ وہ چند مصرعوں میں ایک مکمل کیفیت پیدا کرتے ہیں۔ ان کے کلام میں لکھنوی تہذیب، احترام، اور آہنگ جھلکتا ہے۔ انہوں نے رباعی کو محض شعری فارم نہیں، بلکہ ایک مکمل جذباتی اظہار کا ذریعہ بنایا۔۔ دبیر کی زبان بہت صاف، شستہ اور پر اثر ہے۔

مرزا دبیر کی رباعی:

رحمت کا تری امید وار آیا ہوں
منہ ڈھانپے کفن سے شرمسار آیا ہوں
چلنے نہ دیا بارِ گنہ نے پیدل
تابوت میں کاندھوں پر سوار آیا ہوں

خلاصہ:

یہ رباعی قیامت کے دن کی حالت کو ظاہر کرتی ہے، جہاں شاعر یا انسان اللہ کی بارگاہ میں شرمندگی اور عاجزی کے ساتھ حاضر ہوتا

ہے۔ ہر مصرع گناہوں کے بوجھ اور اللہ کی رحمت پر انحصار کی شدت کو ظاہر کرتا ہے۔

مرزا دبیر کہتے ہیں کہ اے اللہ! میں تیری رحمت کا امیدوار بن کر آیا ہوں۔ میں نیکیاں لے کر نہیں، بلکہ صرف تیری بخشش کی آس لے کر آیا ہوں۔ یہاں اللہ کی صفاتِ رحمت پر کامل اعتماد ظاہر کیا گیا ہے۔ میں اس قدر شرمندہ ہوں کہ اپنے چہرے کو کفن سے چھپائے ہوئے آیا ہوں۔ شاعر نے یہاں کفن کو ندامت کی علامت بنایا ہے۔ گویا گناہوں کی شرم اتنی شدید ہے کہ چہرہ دکھانے کی ہمت نہیں۔ میرے گناہوں کا بوجھ اتنا زیادہ تھا کہ وہ مجھے پیدل چلنے نہ دے سکا۔ یہ مصرع گناہوں کی سنگینی کو مجازی انداز میں ظاہر کرتا ہے۔ یعنی میں اپنے پاؤں سے نہیں بلکہ کاندھوں پر اٹھا کر تابوت میں لایا گیا ہوں۔ یہ اشارہ ہے موت، ناتوانی، اور گناہوں کی حالت کی طرف، کہ انسان اپنی زندگی کے اعمال کا بوجھ اٹھا کر نہیں آسکتا، بلکہ مردہ، بے بس اور شرمندہ حالت میں آتا ہے۔

مشکل الفاظ:

رحمت	مہربانی، بخشش، اللہ کا کرم	Mercy, blessing
شرمسار	شرمندہ، نادم، پشیمان	Ashamed, embarrassed
بارِ گنہ	گناہوں کا بوجھ، اعمالِ بد کی بھاری ذمہ داری	Burden of sins
تابوت	وہ لکڑی کا صندوق جس میں مُردے کو رکھ کر دفنانے کے لیے لے جایا جاتا ہے	Coffin

مشق: ذیل کے مصرعے مکمل کیجیے۔

1۔ رحمت کا تری امید.......................................

2۔ ....بارِ گنہ نے پیدل

3۔ تابوت میں کاندھوں.......................................

11.2.6 جوش ملیح آبادی:

جوش ملیح آبادی (1898–1982) اردو ادب کے ایک عظیم انقلابی، جذباتی، اور بلند آہنگ شاعر تھے۔ وہ بالعموم حمد، نعت، قومی جذبہ، انقلاب، اور انسان دوستی جیسے موضوعات پر طویل نظمیں اور قصائد لکھنے کے لیے معروف ہیں، لیکن ان کی رباعی گوئی بھی نہایت پر اثر، فکری اور زوردار ہے۔ اگرچہ ان کی رباعیات کی شہرت اُن کی نظموں کے مقابلے میں نسبتاً کم ہے۔

جوش ملیح آبادی کی رباعی گوئی اردو ادب میں ایک منفرد اور پُر اثر جہت رکھتی ہے۔ اگرچہ جوش بنیادی طور پر نظم گو شاعر تھے، لیکن ان کی رباعیات میں بھی وہی فکری گہرائی، انقلابی جوش، زبان کی شان و شوکت اور لفظی شعلہ بیانی موجود ہے۔ جوش کی رباعیات میں ظلم، جہالت، جمود، مذہبی تنگ نظری اور استبداد کے خلاف بھرپور بغاوت دکھائی دیتی ہے۔ جوش کی رباعیات محض جذباتی نہیں بلکہ فکری

اور عقلی بھی ہیں۔ وہ وجود، تقدیر، موت، اور حقیقت جیسے سوالات کو رباعی کے محدود دائرے میں بڑی مہارت سے سمو دیتے ہیں۔ جوش کو "شاعرِ شباب" اور "شعلہ بیان شاعر" کہا جاتا ہے۔ ان کی رباعیات میں بھی زبان کا بانکپن، شوکت اور طنطنہ صاف نظر آتا ہے۔ وہ مشکل الفاظ کے بغیر بھی شاعرانہ عظمت کو برقرار رکھتے ہیں۔ رباعیات میں جوش کا انداز ہمیشہ پُر تاثیر اور ولولہ انگیز ہوتا ہے۔ وہ ہر مصرع میں ایسا احساس جگاتے ہیں جیسے قاری کو جھنجھوڑ رہے ہوں۔ جوش کی شاعری میں ایک آزاد فکری رجحان ہے۔ وہ رباعی میں مذہب کے ٹھوس ڈھانچوں، صوفیانہ مبالغہ آرائی یا روایتی اخلاقیات پر گہری تنقید کرتے ہیں۔ جوش کی رباعی گوئی صرف نظریاتی بغاوت نہیں، اس میں انسان کی عظمت، آزادی، اور وقار کا بھی بھرپور اعتراف ہے۔ ان کی شاعری میں مذہب، قوم، اور طبقے سے بلند ہو کر انسان کی بات کی گئی ہے۔

جوش ملیح آبادی کی رباعی:

افسوس ہے اے جی کے گنوانے والو
ہر سانس میں سو فریب کھانے والو
غم موجِ تبسم سے ترش جاتا ہے
بیدار ہو اے اشک بہانے والو

خلاصہ:

جوش ملیح آبادی کی یہ رباعی انسانی کمزوری، دنیا کے دھوکے، اور حوصلہ و بیداری کی تلقین پر مبنی ہے۔ شاعر اپنے مخاطبین کو پکار کر جھنجھوڑتا ہے، اُنہیں رنج، بے حسی اور فریب خوردگی سے نکال کر بیداری، وقار اور استقامت کی طرف بلاتا ہے۔

شاعر کہتا ہے کہ افسوس ہے اُن لوگوں پر جو اپنی زندگی، جوانی، قوت، یا عزتِ نفس کو ضائع کر رہے ہیں۔ یہ مصرع ایک طنز آلود ہمدردی کا اظہار ہے۔ شاعر کو افسوس ہے ان پر جو اپنی قدر و قیمت کو پہچان نہیں پاتے۔ جو ہر لمحے، ہر سانس کے ساتھ دھوکے، فریب اور جھوٹ کو برداشت کر رہے ہو یا اُنہیں سچ مان رہے ہو۔ یہاں شاعر، لوگوں کی سماجی بے حسی اور سادہ لوحی پر نکتہ چینی کرتا ہے کہ وہ دھوکہ کھا کر بھی خاموش ہیں۔ غم، جب ہنسی کی ہلکی سی لہر سے ٹکراتا ہے تو کڑوا ہو جاتا ہے، جیسے مٹھاس پر زہر کی چھینٹ۔ یہ ایک گہری نفسیاتی بات ہے: شاعر کہنا چاہتا ہے کہ بعض اوقات زبردستی خوش رہنے کی کوشش، اندرونی غم کو مزید تلخ کر دیتی ہے۔ اے لوگو جو صرف آنسو بہاتے ہو، غم سے نڈھال ہو، اب جاگو! ہوش میں آؤ! یہ انقلابی پکار ہے: شاعر رونے، نالہ کرنے، اور بے عملی سے نکل کر عمل، بیداری اور شعور کی دعوت دیتا ہے۔

مشکل الفاظ:

افسوس	دکھ، رنج، غم	Regret, sorrow
فریب	دھوکہ، مکر، فریبی بات	Deception, fraud

موجِ تبسم	ہنسی کی لہر، مسکراہٹ کی نرم سی جھلک	Wave of smile
ترش	کڑوا، تلخ، ناخوشگوار	Sour, bitter (expression)
بیدار	جاگے ہوئے، ہوشیار	Awake, conscious
اشک	آنسو	Tear

مشق: درج ذیل الفاظ کے معنی لکھیے۔

1۔ فریب ....

2۔ ترش ....

3۔ موجِ تبسم ....

11.2.7 اکبر الہ آبادی:

اکبر الہ آبادی (1846–1921) اردو ادب کے منفرد اور یکتائے روزگار شاعر تھے، جنہوں نے طنز، مزاح، اصلاحِ معاشرہ، اور فکری مکالمے کو شاعری کے دامن میں سمو دیا۔ ان کی شاعری کا ایک اہم پہلو رباعی گوئی بھی ہے، جس میں اُنہوں نے معاشرتی تضادات، جدیدیت کے اثرات، تہذیبی کشمکش اور فرد کی الجھنوں کو نہایت دلچسپ، تیز اور معنی خیز انداز میں بیان کیا۔

اکبر الہ آبادی نے رباعی کو محض فلسفیانہ یا صوفیانہ اظہار کا ذریعہ نہیں بنایا، بلکہ وہ اسے طنز کا ایک تیر بنا کر استعمال کرتے ہیں۔ ان کی رباعیات بظاہر ہلکی پھلکی لگتی ہیں، مگر ان میں گہرے فکری نکات پوشیدہ ہوتے ہیں۔ وہ معاشرے کی سچائیوں کو ایک چٹکی میں بیان کر دیتے ہیں۔ وہ اپنے دور کے تہذیبی انحطاط، مغربی اثرات، تعلیمی نظام اور مذہبی تضادات پر تنقید کرتے ہیں۔ ان کی رباعیات اصلاحِ نفس اور بیداری کا پیغام بھی دیتی ہیں۔ اکبر کی رباعیات میں سادہ زبان، محاورہ، اور روزمرہ کی باتوں کو نہایت خوبصورتی سے برتا گیا ہے، اور ہر رباعی کا آخری مصرع اکثر چونکا دینے والا اور فکر انگیز ہوتا ہے۔ اردو رباعی میں اگر فلسفہ اور تصوف کے نمائندے ہمیں غالب یا اقبال کی صورت میں ملتے ہیں، تو طنز و مزاح اور اصلاحِ معاشرہ کی رباعی کو اکبر الہ آبادی نے بامِ عروج تک پہنچایا۔ ان کی رباعیات نے شاعری کو مکالمہ، تنقید اور تفکر کا ذریعہ بنایا۔ اکبر الہ آبادی کی رباعی گوئی اردو ادب میں ایک زندہ طنزیہ روایت ہے۔ انہوں نے رباعی کو نہ صرف ایک موثر ادبی ہتھیار بنایا بلکہ اسے سماجی شعور اور علمی بیداری کا آئینہ بھی بنا دیا۔ ان کی رباعیات آج بھی اتنی ہی تازہ، تلخ اور سچی محسوس ہوتی ہیں جتنی اپنے زمانے میں تھیں۔

اکبر الہ آبادی کی رباعی:

حاصل کرو علم ، طبع کو تیز کرو
باتیں جو بری ہیں ان سے پرہیز کرو

قومی عزت ہے نیکیوں سے اکبر
اس میں کیا ہے جو نقل انگریز کرو

خلاصہ:

اکبر الہ آبادی کی یہ رباعی زندگی کے اہم اصولوں پر روشنی ڈالتی ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ انسان کو علم حاصل کرنا چاہیے، کیوں کہ علم انسان کی عقل کو تیز کرتا ہے اور اس کی سوچ کو بہتر بناتا ہے۔ علم انسان کے اندر شعور پیدا کرتا ہے۔ شاعر مزید نصیحت کرتا ہے کہ انسان کو برے رویوں اور باتوں سے پرہیز کرنا چاہیے، کیوں کہ یہ انسان کی شخصیت کو داغ دار کرتے ہیں اور اس کی عزت کو نقصان پہنچاتے ہیں۔

اکبر الہ آبادی کہتے ہیں کہ قومی عزت نیکیوں میں ہے، یعنی جو قوم نیک اور اچھے کاموں کی پیروی کرتی ہے وہ کامیاب ہوتی ہے اور اس کی عزت دنیا بھر میں قائم رہتی ہے۔ شاعر اس بات کی بھی مذمت کرتا ہے کہ ہم مغربی تہذیب یا انگریزوں کی نقل کرتے ہیں، کیوں کہ ہمارے اپنے اصول اور روایات بھی اتنے ہی اہم ہیں۔ ہمیں اپنی ثقافت، مذہب اور روایات کا احترام کرنا چاہیے اور دوسروں کی اندھی تقلید سے بچنا چاہیے۔

مشکل الفاظ:

طبع	طبیعت، ذہن، عقل	Nature, temperament
قومی عزت	قوم کی عزت، اجتماعی وقار	National honor/dignity
نقل انگریز	انگریزوں کی نقل، مغربی انداز اپنانا	Imitation of the English

مشق: اکبر الہ آبادی کی رباعی گوئی کی کوئی دو خصوصیات لکھیے۔

1۔ ....

2۔ ....

11.2.8 امجد حیدر آبادی:

امجد حیدر آبادی (1961-1886) اردو ادب کے ایک معتبر شاعر تھے جنھوں نے اپنے منفرد اسلوب اور فکر انگیز کلام سے رباعی کو خاص مقام دیا۔ ان کی رباعیات میں اکثر زندگی، محبت، تقدیر اور فلسفۂ حیات کے موضوعات ملتے ہیں۔

امجد حیدر آبادی کی رباعیات زبان کی سادگی میں گہری معنویت رکھتی ہیں، جو عام قاری کو بھی آسانی سے سمجھ آجاتی ہیں مگر ان میں فلسفیانہ اور فکری پہلو بھی پوشیدہ ہوتے ہیں۔ ان کی شاعری میں محبت، درد، زندگی کی تلخیوں اور انسانی جذبات کی خوبصورت عکاسی ملتی ہے۔ ان کے کلام میں امید اور مایوسی دونوں کا امتزاج پایا جاتا ہے۔ امجد کی رباعیات میں تقدیر کے تصور اور انسان کی کوشش و جدوجہد کی عکاسی بھی عام ہے۔ امجد کا کلام اکثر روحانی اور فلسفیانہ نوعیت کا ہوتا ہے، جہاں وہ حقیقت کی تلاش، وجود کے معانی، اور زندگی کی ناپائیداری پر غور

کرتے ہیں۔

امجد حیدر آبادی کی رباعی:

کم ظرف اگر دولت و زر پاتا ہے
مانند حباب ابھر کے اتر آتا ہے
کرتے ہیں ذرا سی بات پر فخر خسیس
تنکا تھوڑی سی ہوا سے اڑ جاتا ہے

خلاصہ:

امجد حیدر آبادی کی یہ رباعی انسانی کردار، ظرف اور دولت کے اثرات پر ایک عمیق مشاہدے کا اظہار ہے۔ شاعر نے بہت سادہ مگر پُر اثر الفاظ میں یہ بتایا ہے کہ انسان کا اصل مقام اس کی شخصیت اور اخلاق سے ہوتا ہے، نہ کہ دولت یا شان و شوکت سے۔

شاعر کہتا ہے کہ اگر کوئی کم ظرف یعنی اخلاقی طور پر کمزور، گھٹیا سوچ رکھنے والا انسان دولت یا سونا چاندی حاصل کرلے، تو وہ دولت اُسے بلندی کا زعم تو دیتی ہے، مگر اس میں وقار، برداشت یا عقل نہیں آتی۔ وہ کم ظرف دولت پاکر بلبلے کی طرح اُبھرتا ہے، مگر جلد ہی پھٹ کر ختم ہو جاتا ہے۔ یعنی اس کی بڑائی عارضی، کھوکھلی اور وقتی ہوتی ہے، جیسے بلبلہ سطح پر آکر غائب ہو جاتا ہے۔ یہاں "خسیس" سے مراد ہے: تنگ دل، خود غرض۔ ایسے لوگ معمولی بات پر بھی فخر کرتے ہیں، لیکن ان کا یہ فخر اس تنکا کی طرح ہوتا ہے جس کو ہوا اڑا لے جاتا ہے، جس طرح ایک ہلکا تنکا معمولی سی ہوا سے اُڑ جاتا ہے، ویسے ہی کم ظرف یا خسیس لوگ بھی معمولی حالات میں بکھر جاتے ہیں، خود کو سنبھال نہیں پاتے۔

مشکل الفاظ:

کم ظرف	کم حیثیت، گھٹیا مزاج رکھنے والا، چھوٹی سوچ رکھنے والا شخص	Narrow-minded, petty
دولت وزر	مال و دولت، سونا چاندی، مادی اثاثے	Wealth and gold
مانند حباب	بلبلے کی مانند، بلبلے کی طرح	Like a bubble
فخر خسیس	معمولی بات پر فخر کرنا	Pride of a mean person / ignoble pride

مشق: امجد حیدر آبادی کے بارے میں چند جملے لکھیے۔

....

....

11.2.9 جگت موہن لال رواں:

جگت موہن لال رواں(1934-1889) اردو کے مشہور رباعی گو شاعر تھے، جنہوں نے اپنی رباعیات میں زندگی کے فلسفے، محبت، اور انسانی جذبات کی خوبصورتی کو پیش کیا۔ ان کی رباعی گوئی کا انداز سادہ مگر پر اثر ہوتا ہے، جو قاری کے دل کو چھو جاتا ہے۔

جگت موہن لال رواں کی رباعیات میں پیچیدہ الفاظ کی بجائے سادہ اور روزمرہ کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں جو عام لوگوں کے دل کو آسانی سے سمجھ آجاتے ہیں۔ ان کے اشعار میں زندگی کی حقیقت، وقت کی قدر اور تقدیر پر گہری نظر ہوتی ہے۔ رواں کی رباعیات میں محبت، غم اور انسانی احساسات کی خوبصورت عکاسی ملتی ہے۔ ان کا کلام مشرقی اور مغربی ادبی روایات سے متاثر نظر آتا ہے، مگر ان کی اپنی منفرد زبان اور انداز بھی نمایاں ہے۔

رواں کی رباعی:

حرص و ہوس حیاتِ فانی نہ گئی
اس دل سے ہوائے کامرانی نہ گئی
ہے سنگ مزار پر ترا نام رواں
مر کر بھی امید زندگانی نہ گئی

خلاصہ:

یہ رباعی جگت موہن لال رواں کی فکری گہرائی اور انسان کے داخلی کشمکش کی خوبصورت عکاسی کرتی ہے۔ شاعر نے حیاتِ فانی (عارضی زندگی)، خواہشات اور مرنے کے بعد بھی باقی رہنے والی امید کی کیفیت کو نہایت پر اثر انداز میں بیان کیا ہے۔

شاعر کہتا ہے کہ دنیاوی لالچ (حرص و ہوس) اور عارضی زندگی کی خواہش مرنے تک بھی انسان کا پیچھا نہیں چھوڑتی۔ انسان دنیا کی نعمتوں، مال و دولت اور کامیابی کی چاہت میں اس قدر گرفتار ہے کہ موت بھی ان جذبات کو مکمل ختم نہیں کر پاتی۔ یعنی دل میں کامیابی، عزت اور بلندی کی تمنا ہمیشہ زندہ رہتی ہے۔ خواہ انسان کتنی بھی ناکامیوں کا سامنا کرے، یہ خواہشیں دل سے جاتی نہیں۔ پھر شاعر اشارہ دیتا ہے کہ مرنے کے بعد بھی انسان کا نام باقی رہتا ہے، اُس کے مزار پر کندہ ہوتا ہے۔ یعنی جسم ختم ہو جاتا ہے، لیکن نام یا شہرت چلتی رہتی ہے۔ مرنے کے بعد بھی گویا انسان کے اندر جینے کی امید، کسی نہ کسی صورت میں باقی رہتی ہے۔ شاید اولاد، نام، یا یادگاروں کی شکل میں۔ یہ ایک گہری فلسفیانہ بات ہے کہ انسان کی "زندگی کی خواہش" صرف سانسوں سے نہیں جُڑی بلکہ اس کے اثرات سے وابستہ ہے۔

مشکل الفاظ:

حرص و ہوس	لالچ اور شہوت، دنیاوی خواہشات	Greed and lust

حیاتِ فانی	عارضی زندگی، دنیاوی زندگی	Mortal life / Perishable life
ہوائے کامرانی	کامیابی کی تمنا یا خواہش	Desire for success
سنگ مزار	قبر کا پتھر، قبر کا کتبہ	Tombstone / Gravestone
امیدِ زندگانی	جینے کی امید، زندہ رہنے یا باقی رہنے کی خواہش	Hope of life

مشق: درج ذیل الفاظ کی ضد لکھیے۔

1۔ حیات ....

2۔ انسان ....

3۔ داخل ....

11.3 اکتسابی نتائج

اس اکائی کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ نے درج ذیل باتیں سیکھیں:

- رباعی چار مصرعوں پر یا دو بیتوں پر مشتمل ہوتی ہے، اس لیے یہ رباعی کہلاتی ہے۔اصطلاح میں رباعی اس مختصر نظم کو کہتے ہیں جو صرف چار مصرعوں پر مشتمل ہوتی ہے۔
- رباعی کا پہلا' دوسرا اور چوتھا مصرع ہم قافیہ ہوتا ہے اور چوتھے مصرع میں خیال اپنی تکمیل کو پہنچتا ہے۔گویا چوتھا مصرع رباعی کا خلاصہ ہوتا ہے۔
- رباعی میں کسی بھی موضوع کو اس طرح پیش کیا جاتا ہے کہ مصرع بہ مصرع خیال کا تسلسل و ارتقا پایا جاتا ہے۔
- قلی قطب شاہ کی رباعیاں دکنی، فارسی، عربی اور کبھی کبھی ہندی الفاظ کا حسین امتزاج پیش کرتی ہیں۔ان کی رباعیوں میں عشقِ مجازی اور عشقِ حقیقی کا امتزاج ملتا ہے۔
- ولی دکنی کی رباعیاں عشقِ مجازی سے شروع ہو کر عشقِ حقیقی تک پہنچتی ہیں۔ان کے یہاں حسنِ محبوب، وصال کی آرزو اور دل کی وارداتیں ایک روحانی رنگ میں ڈھل جاتی ہیں۔
- حالیؔ کی رباعیوں میں سب سے نمایاں پہلو ان کی اصلاحی فکر ہے۔وہ فرد اور قوم دونوں کی اخلاقی تربیت چاہتے ہیں، اور رباعی جیسے مختصر قالب میں بھی سنجیدہ اور بلند خیالات بیان کرتے ہیں۔
- میر انیسؔ کی رباعیاں عروضی اعتبار سے مکمل، پر شکوہ اور غنائیت سے بھرپور ہوتی ہیں۔ان کے یہاں رباعی صرف خیال کی ترسیل نہیں بلکہ جمالیاتی تجربہ بھی ہے۔
- مرزا دبیر کی رباعیات میں الفاظ کا چناؤ نہایت موزوں ہوتا ہے، جو دل کو بہت متاثر کرتا ہے ان کی رباعیات صرف جذباتی نہیں بلکہ

فکری اور روحانی پیغام لیے ہوتی ہیں، خاص طور پر امام حسینؑ، حضرت علیؑ، حضرت عباسؑ اور علی اکبرؑ کے تذکروں میں۔

- جوش کی رباعیات میں زبان کا بانکپن، شوکت اور طنطنہ صاف نظر آتا ہے۔ وہ مشکل الفاظ کے بغیر بھی شاعرانہ عظمت کو برقرار رکھتے ہیں۔ رباعیات میں جوش کا انداز ہمیشہ پُر تاثیر اور ولولہ انگیز ہوتا ہے۔
- اکبر الہ آبادی نے رباعی کو محض فلسفیانہ یا صوفیانہ اظہار کا ذریعہ نہیں بنایا، بلکہ وہ اسے طنز کا ایک تیر بنا کر استعمال کرتے ہیں۔ ان کی رباعیات بظاہر ہلکی پھلکی لگتی ہیں، مگر ان میں گہرے فکری نکات پوشیدہ ہوتے ہیں۔
- امجد حیدرآبادی کی رباعیات زبان کے سادگی میں گہری معنویت رکھتی ہیں، جو عام قاری کو بھی آسانی سے سمجھ آجاتی ہیں مگر ان میں فلسفیانہ اور فکری پہلو بھی پوشیدہ ہوتے ہیں۔
- جگت موہن لال رواں کی رباعیوں میں پیچیدہ الفاظ کی بجائے سادہ اور روزمرہ کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں جو عام لوگوں کے دل کو آسانی سے سمجھ میں آجاتے ہیں۔ ان کے اشعار میں زندگی کی حقیقت، وقت کی قدر اور تقدیر پر گہری نظر ہوتی ہے۔

11.4 نمونہ امتحانی سوالات

11.4.1 معروضی سوالات:

1۔ رباعی میں کتنے مصرعے ہوتے ہیں؟

(a) ایک (b) دو (c) تین (d) چار

2۔ قطب شاہی سلسلے کے پانچویں حکمران کون تھے؟

(a) محمد قلی قطب (b) جمشید قلی قطب (c) ابراہیم قلی قطب (d) سلطان قلی قطب

3۔ ولی دکنی کا اصل نام کیا تھا؟

(a) محمد ولی (b) ولی محمد (c) احمد ولی (d) ولی احمد

4۔ الطاف حسین حالی کی پیدائش کس سنہ میں ہوئی؟

(a) 1817 (b) 1827 (c) 1837 (d) 1847

5۔ میر انیس کا پورا نام کیا تھا؟

(a) میر ببر علی (b) میر جعفر علی (c) میر سلامت علی (d) میر شجاعت علی

6۔ مرزا دبیر کا انتقال کب ہوا؟

(a) 1875 (b) 1870 (c) 1860 (d) 1865

7۔ جوش ملیح آبادی بنیادی طور پر کس صنف کے شاعر ہیں؟

(a) غزل (b) مرثیہ (c) نظم (d) رباعی

8۔ اکبر الہ آبادی کا انتقال کس سنہ میں ہوا؟

(a) 1921　(b) 1925　(c) 1935　(d) 1930

9۔ امجد حیدرآبادی کی پیدائش کہاں ہوئی؟

(a) دہلی　(b) لکھنؤ　(c) حیدرآباد　(d) کلکتہ

10۔ جگت موہن لال رواں کی پیدائش کب ہوئی؟

(a) 1880　(b) 1889　(c) 1885　(d) 1892

11.4.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات:

1۔ رباعی کی تعریف بیان کیجیے۔

2۔ قلی قطب شاہ کی رباعی گوئی پر نوٹ لکھیے۔

3۔ مولانا حالی کی رباعی کے خاص پہلوؤں کو اجاگر کیجیے۔

4۔ جوش ملیح آبادی کی رباعی کی خوبیاں بیان کیجیے۔

5۔ امجد حیدرآبادی کی رباعی گوئی پر تبصرہ کیجیے۔

11.4.3 طویل جوابات کے حامل سوالات:

1۔ میر انیس کی رباعی گوئی کی خصوصیات بیان کیجیے۔

2۔ مرزا دبیر کی رباعی گوئی کی خوبیوں پر روشنی ڈالیے۔

3۔ اکبر الہ آبادی اور جگت موہن لال رواں کی رباعی گوئی پر نوٹ لکھیے۔

11.4.1 کے جوابات: 1-d　2-a　3-b　4-c　5-a

6-a　7-c　8-a　9-c　10-b

اکائی 12: گیت

(حفیظ جالندھری، شاد عارفی، احسان دانش، ساحر لدھیانوی، قتیل شفائی اور زبیر رضوی کے گیت)

اکائی کے اجزا

12.0 تمہید

12.1 مقاصد

12.2 حفیظ جالندھری، شاد عارفی، احسان دانش، ساحر لدھیانوی، قتیل شفائی اور زبیر رضوی کے گیت

12.2.1 حفیظ جالندھری

12.2.2 شاد عارفی

12.2.3 احسان دانش

12.2.4 قتیل شفائی

12.2.5 ساحر لدھیانوی

12.2.6 زبیر رضوی

12.3 اکتسابی نتائج

12.4 نمونہ امتحانی سوالات

12.0 تمہید

گیت نگاری وہ صنفِ سخن ہے جس میں شاعر نغمگی، سادگی، جذباتیت اور موسیقیت کے امتزاج سے ایسا کلام تخلیق کرتا ہے جو گایا جاسکے اور دل پر اثر کرے۔ گیت عام طور پر سادہ زبان میں لکھے جاتے ہیں، لیکن اس سادگی میں جذبوں کی گہرائی ہوتی ہے۔ گیت میں مخصوص بحور اور صوتی تکرار (مثلاً قافیہ، ردِیف، ترنم) استعمال ہوتی ہے جو اسے گانے کے قابل بناتی ہے۔ اردو گیتوں میں زیادہ تر موضوعات محبت، فطرت، جدائی، موسم اور یادیں ہوتے ہیں۔ گیت عوامی مزاج کے مطابق ہوتے ہیں، اس لیے ان کی قبولیت عام ہوتی ہے۔ اس اکائی میں ہم اردو کے چند اہم گیت نگار مثلاً حفیظ جالندھری، شاد عارفی، احسان دانش، ساحر لدھیانوی، قتیل شفائی اور زبیر رضوی کے گیتوں اوران کے خلاصے کا مطالعہ کریں گے۔

12.1 مقاصد

اس اکائی کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- حفیظ جالندھری کے گیت اور اس کے خلاصے کا مطالعہ کر سکیں۔
- عظمت اللہ خاں کے گیت اور اس کے خلاصے کا مطالعہ کر سکیں۔
- شاد عارفی کے گیت اور اس کے خلاصے کا مطالعہ کر سکیں۔
- احسان دانش کے گیت اور اس کے خلاصے کا مطالعہ کر سکیں۔
- قتیل شفائی کے گیت اور اس کے خلاصے کا مطالعہ کر سکیں۔
- زبیر رضوی کے گیت اور اس کے خلاصے کا مطالعہ کر سکیں۔

12.2 حفیظ جالندھری، شاد عارفی، احسان دانش، ساحر لدھیانوی، قتیل شفائی اور زبیر رضوی کے گیت

12.2.1 حفیظ جالندھری:

ابو الاثر حفیظ جالندھری (1900-1982) اردو ادب کے ممتاز شاعر، مصنف اور گیت نگار ہیں، جنہوں نے نہ صرف غزل اور نظم میں بلکہ خاص طور پر گیت نگاری میں بھی اپنی نمایاں خدمات انجام دیں۔ ان کی گیت نگاری اردو اور پنجابی موسیقی میں ایک خاص مقام رکھتی ہے۔ حفیظ جالندھری کے گیتوں میں زبان بہت سادہ، عام فہم اور دل کو چھونے والی ہوتی ہے، جو سننے والوں کو فوراً متاثر کر لیتی ہے۔ ان کے گیتوں میں پنجاب کی روایتی ثقافت، لوک موسیقی اور محبت کے رنگ نمایاں ہوتے ہیں۔ ان کا کلام عوام کی زندگی کے جذبات اور احساسات کی عکاسی کرتا ہے۔ حفیظ جالندھری کے گیتوں میں محبت، درد، امید اور جذبات کی بہت گہرائی ہوتی ہے، جو سننے والوں کے دل سے جڑ جاتی ہے۔ ان کے گیتوں کے بول بہاؤ دار اور موسیقی کے ساتھ ہم آہنگ ہوتے ہیں، جو انہیں موسیقاروں کے لیے بہترین مواد بناتے ہیں۔ حفیظ جالندھری نے اردو اور پنجابی فلموں کے لیے بھی بے شمار گیت لکھے، جنہوں نے شائقین کے دل جیت لیے۔

حفیظ جالندھری کے گیت:

اپنے من میں پریت
بسالے
اپنے من میں پریت

من مندر میں پریت بسالے او مورکھ او بھولے بھالے
دل کی دنیا کر لے روشن اپنے گھر میں جوت جگالے

پریت ہے تیری ریت پروانی　　　بھول گیا او بھارت والے

بسالے

اپنے من میں پریت

اپنے من میں پریت

بسالے

اپنے من میں پریت

کردوہ کپٹ کا اترا ڈیرا　　　چھایا چاروں کوٹ اندھیرا

شیخ برہمن دونوں رہزن　　　ایک سے بڑھ کر ایک لٹیرا

ظاہر داروں کی سنگت میں　　　کوئی نہیں ہے سنگی تیرا

کوئی نہیں ہے سنگی تیرا

من ہے تیرا میت

بسالے

اپنے من میں پریت

اپنے من میں پریت

بسالے

اپنے من میں پریت

نفرت اک آزار ہے پیارے　　　دکھ کا دارو پیار ہے پیارے

آجا اصلی روپ میں آجا　　　تو ہی پریم اوتار ہے پیارے

یہ ہارا تو سب کچھ ہارا　　　من کے ہارے ہار ہے پیارے

من کے ہارے ہار ہے پیارے

من کے جیتے جیت

بسالے

اپنے من میں پریت

اپنے من میں پریت

بسالے

اپنے من میں پریت

دیکھ بڑوں کی ریت نہ جائے	سر جائے پر میت نہ جائے
میں ڈرتا ہوں کوئی تیری	جیتی بازی جیت نہ جائے
جو کرنا ہے جلدی کر لے	تھوڑا وقت ہے بیت نہ جائے

تھوڑاوقت ہے بیت نہ جائے

وقت نی جائے بیت!

بسالے

اپنے من میں پریت

خلاصہ:

حفیظ جالندھری کے اس گیت کا مرکزی پیغام محبت، خود شناسی، اور باطنی روشنی کا درس ہے۔ یہ گیت ایک روحانی اور اصلاحی پیغام لیے ہوئے ہے۔ اس گیت میں گیت نگار کہتا ہے کہ اپنے دل میں محبت کو جگہ دے، کیونکہ یہی وہ روشنی ہے جو اندھیرے دل کو منور کرتی ہے۔ انسان دوسروں کی راہ پر نہ چلے، بلکہ وہ خود کو پہچانے اور اپنے اندر کی روشنی جگائے۔ انسان کو دھوکہ، نفرت، مذہبی منافرت، اور ریاکاری سے بچنا چاہیے، کیوں کہ شیخ وبرہمن دونوں ہی رہزن ہیں، یعنی اصل دشمن وہ ہیں جو انسانوں کو بانٹتے ہیں۔

پھر شاعر کہتا ہے انسان کا سچا دوست اس کا دل ہے، جو اگر صاف ہو، تو وہی اسے سچائی کی طرف لے جا سکتا ہے۔ نفرت ایک بیماری ہے اور محبت اس کا علاج۔ اگر انسان ہار مان لے تو وہ سب کچھ ہار جاتا ہے، لیکن کسی کا من جیت لے تو سب کچھ پالیتا ہے۔ شاعر آخر میں وقت کی کمی کی طرف توجہ دلاتا ہے کہ جلدی فیصلہ کر لو، کہیں ایسا نہ ہو کہ وقت بیت جائے اور نیکی کرنے کا موقع ختم ہو جائے۔ المختصر یہ گیت روحانیت، انسانیت اور محبت کے فلسفے پر مبنی ہے۔ یہ گیت نہ صرف ایک شخصی اصلاح کی دعوت دیتا ہے بلکہ معاشرتی بیداری اور انسانوں میں باہمی محبت کو فروغ دینے کی ایک سچی کوشش بھی ہے۔

مشکل الفاظ:

پریت	محبت، پیار	Love / Affection
من مندر	دل کی مندر، دل کی پاک جگہ	Temple of the heart
جوت	روشنی	Light / Flame
کردہ کپٹ	دھوکہ اور فریب	Act of deceit / Hypocrisy
رہزن	لٹیرا	Highway robber / Bandit

سنگی	ساتھی، ہمسفر	Companion / Friend
آزار	بیماری، مصیبت	Pain / Suffering / Trouble
اوتار	خدا کا روپ	Incarnation / Avatar
ریت	رسوم و رواج	Sand / Tradition / Custom
میت	دوست، محبوب	Firend / Loved One

مشق: حفیظ جالندھری کی گیت نگاری پر نوٹ لکھیے۔

....

....

....

12.2.2 شاد عارفی:

احمد علی خاں شاد عارفی (1900–1964) اردو ادب کے ممتاز شاعروں میں شمار ہوتے ہیں جنھوں نے نہ صرف غزل اور نظم میں مہارت دکھائی بلکہ گیت نگاری میں بھی اپنا منفرد رنگ پیش کیا۔ ان کے گیت خالص ہندوستانی فضا میں رچے بسے ہوتے ہیں، جن میں دیہی زندگی کی سادگی، فطرت کا حسن اور انسانی جذبوں کی لطافت جھلکتی ہے۔ شاد عارفی کے گیتوں کی زبان نہایت سادہ، رواں اور جذباتی ہوتی ہے۔ ان کا اسلوب دل کو چھو لینے والا، نغمگی سے بھرپور اور سچائی سے مزین ہوتا ہے۔ ان کے گیت میں نہ تو غیر ضروری تصنع پایا جاتا ہے، نہ پیچیدہ الفاظ کا استعمال، بلکہ وہ بات کو سلیقے سے سامع کے دل تک پہنچاتے ہیں۔

شاد عارفی کی گیت نگاری اردو ادب میں ایک نمایاں مقام رکھتی ہے۔ وہ اپنے گیتوں کے ذریعے دلوں کو جوڑنے، احساس جگانے اور انسانیت کا پیغام دینے والے شاعر تھے۔ ان کا گیت ایک پل کے لیے نہیں بلکہ دل میں دیر تک بسنے کے لیے ہوتا ہے۔ شاد عارفی کے گیت موسیقیت، نرمی، اور الفاظ کی باہمی ہم آہنگی کے بہترین نمونے ہوتے ہیں۔ ان کے اشعار گنگنائے جا سکتے ہیں، اور یہی ایک کامیاب گیت کی اصل پہچان ہے۔

شاد عارفی کے گیت:

کیا ایسا گیت سناؤں

کیا ایسا گیت سناؤں، جس کا رس کانوں کو بھائے
بھائے جس کا رس کانوں کو دل کو آگ لگائے
آشاؤں کی گنگا جمنا نینوں میں لہرائے!

کیا ایسا گیت سناؤں

جو بھولے بسرے نینوں میں تاروں کی جوت جگادے
جو ہر دوں سے اندھیاری کے گھونگھٹ کا پٹ سرکادے
جو تن میں آگ لگائے، ایسا من کندن بنادے

کیا ایسا گیت سناؤں

شبدوں کی مایا میں چھیڑوں کیسے مدھر سنگیت
پریت کے دکھ میں، چپ رہنا ہو جس کی سندر ریت
من مندر میں آن بسا ہے کوئی من کا میت

کیا ایسا گیت سناؤں

خلاصہ:

شاد عارفی نے اس گیت میں ایک ایسے نغمے کی خواہش کی ہے جو صرف سننے میں خوشگوار نہ ہو بلکہ دل کی گہرائیوں کو بھی چھو جائے۔ شاعر کہتا ہے کہ کیا میں ایسا گیت سناؤں جو کانوں کو بھائے اور دل میں آگ لگادے یعنی جذبات کو شدید طور پر متاثر کرے۔ وہ نغمہ جس سے پرانے یادوں کی ندی آنکھوں میں بہنے لگے اور یادیں جاگ اٹھیں۔ ایسا گیت جو دل کے اندھیرے کو روشنی دے، اداسی کو دور کرے اور انسان کے باطن کو سنوار دے۔ شاعر ایسے لفظوں اور موسیقی کی تلاش میں ہے جو دکھ کو خاموشی سے سہنے کی خوبصورتی دکھائے اور آخر میں وہ کہتا ہے کہ دل کے مندر میں کوئی پیارا محبوب آبسا ہے یعنی یہ گیت محبت اور روحانی قربت کا اظہار ہے۔

یہ گیت ایک روحانی، جذباتی اور جمالیاتی تلاش ہے۔ شاعر صرف ایک عام گیت نہیں، بلکہ ایسا نغمہ گانا چاہتا ہے جو دلوں کو جگادے، سچائی کو چھولے، اور روح میں ارتعاش پیدا کرے۔

مشکل الفاظ:

رس	مٹھاس	Sweetness / Juice
آشناؤں	جاننے والے	Acquaintances / Known people
بھولے بسرے	پرانے، بھول چکی یادیں	Forgotten / Old memories
جوت	روشنی	Light / Flame
من کندن	دل جیسا خالص سونا	Pure heart / Heart like gold

مشق: شاد عارفی کے گیت "کیا ایسا گیت سناؤں" کا مرکزی خیال کیا ہے؟

....

....

12.2.3 احسان دانش:

احسان دانش (1914-1982) اردو کے ایک ممتاز شاعر، مزدور طبقے کی نمائندہ آواز اور نغمگی کے بھرپور شاعر تھے۔ ان کی گیت نگاری میں زندگی کی سچائی، محنت کشوں کے دکھ، اور خالص انسانی جذبات کی خوبصورت عکاسی ملتی ہے۔ احسان دانش کی زبان عام فہم، سادہ، اور دل میں اتر جانے والی ہوتی ہے۔ انھوں نے گیت کو صرف الفاظ کی موسیقی نہیں بنایا بلکہ احساسات کا ترجمان بنا دیا۔ ان کے گیت نرمی، سوز، اور درد کے ساتھ ساتھ امید اور حوصلے سے بھرے ہوتے ہیں۔

احسان دانش کے گیتوں کے موضوعات میں مزدوروں اور غریبوں کی زندگی، محبت، وفا اور جدائی، فطرت کی خوبصورتی، قومی شعور اور بیداری، ذاتی تجربات اور مشاہدات وغیرہ شامل ہیں۔ ان کے گیتوں میں سوز اور موسیقیت کا حسین امتزاج ملتا ہے۔ عام لوگوں کی بولی اور احساسات کی نمائندگی ہوتی ہے۔ بعض گیت ترقی پسند تحریک کے اثرات بھی لیے ہوتے ہیں ان کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ گیت میں بھی شعور، درد اور مقصد ڈال دیتے ہیں۔ احسان دانش کی گیت نگاری دل، درد، اور دردمندی کا حسین امتزاج ہے۔ وہ عام انسان کی زبان میں غیر معمولی باتیں کہتے ہیں اور ان کے گیت محبت، مزاحمت اور امید کے استعارے بن جاتے ہیں۔

احسان دانش کے گیت:

چلا چل یونہی گنگناتا چلا چل!
وفا کے کرشمے دکھاتا چلا چل!
پیام محبت سناتا چلا چل!
اندھیرے میں شمعیں جلاتا چلا چل!
بہر گام طوفاں اٹھاتا چلا چل!
مصائب سے شانہ لڑاتا چلا چل!
چلا چل یونہی گنگناتا چلا چل!
گھٹائیں جو ہیں تیرہ و تار کیا غم؟
جو ہیں بجلیاں تند و خونخوار کیا غم؟
جو کھینچی ہے باطل نے تلوار کیا غم؟

اگر وقت ہے زور آثار کیا غم؟

جو آگے ہوں پیچھے ہٹاتا چلا چل!

مصائب سے شانہ لڑاتا چلا چل!

تو جس سمت یلغار کرتا بڑھے گا!

زمانے کو ہموار کرتا بڑھے گا!

زمینوں کو بیدار کرتا بڑھے گا!

مقابر کو بازار کرتا بڑھے گا!

یونہی اپنا پرچم اڑاتا چلا چل

جو آگے ہوں پیچھے ہٹاتا چلا چل!

بڑھاپے کو زورِ جوانی عطا کر!

جوانی کو شعلہ فشانی عطا کر!

تھکے زلزلوں کو روانی عطا کر!

روانی کو ایذا رسانی عطا کر!

سفاہت کے ایوان ڈھتا چلا چل!

فلک بوس نعرے لگاتا چلا چل!

چلا چل یونہی گنگناتا چلا چل!

خلاصہ:

احسان دانش کا یہ گیت ایک حوصلہ افزا، انقلابی اور بیدار کن نغمہ ہے جو انسان کو مایوسی، ظلم اور اندھیرے کے خلاف لڑنے کا پیغام دیتا ہے۔ شاعر انسان سے کہتا ہے کہ تمہارا راستہ چاہے کتنا ہی مشکل ہو، تم رکنا نہیں، گاتے ہو جاؤ، جگاتے ہو جاؤ، آگے بڑھتے جاؤ۔ اندھیرے میں روشنی، نفرت میں محبت اور مایوسی میں امید پیدا کرو۔ مصیبتوں سے نہ گھبراؤ، بلکہ ان کا بہادری سے سامنا کرو۔ اگر دشمن طاقتور ہے، وقت سخت ہے، پھر بھی سچ کے راستے پر قائم رہو۔ تمہاری جدوجہد سے سوئی ہوئی زمین جاگ اٹھے گی، سماج بدل جائے گا، اور حق کا پرچم بلند ہو گا۔

شاعر چاہتا ہے کہ ہر انسان میں جوش، آگ، اور انقلاب کی روح ہو، جو نہ صرف خود بدلے، بلکہ زمانے کو بھی بدل دے۔ یہ گیت صرف ایک ترانہ نہیں، بلکہ زندگی کی راہ میں استقامت، عزم اور سچائی کی جدوجہد کا منشور ہے۔ احسان دانش نے اس کے ذریعے قاری کو

ایک حوصلہ مند، نڈر اور بیدار انسان بننے کا پیغام دیا ہے۔

مشکل الفاظ:

کرشمہ	حیرت انگیز کام، معجزہ	Miracle / Wonder
بہر گام	ہر قدم پر، ہر جگہ	At every step / Everywhere
مصائب	مشکلات، پریشانیاں	Troubles / Hardships
شانہ لڑانا	مقابلہ کرنا، ڈٹ کر سامنا کرنا	To confront / Face bravely
یلغار	حملہ، چڑھائی	Attack / Assault
پرچم	جھنڈا	Flag / Banner
شعلہ فشانی	آگ لگنے جیسا جوش	Fiery enthusiasm / Blaze of energy
ایذارسائی	تکلیف دینا	Causing harm / Inflicting pain
سفاہت	جہالت، نادانی	Folly / Ignorance
ایوان	عمارت	Hall / Palace
فلک بوس نعرے	آسمان تک گونجنے والے نعرے، بلند آواز	Thunderous slogans / Sky-reaching cries

مشق: ذیل میں دیے گئے الفاظ کے معنی لکھیے۔

1۔ مصائب ....

2۔ یلغار ....

3۔ ایذارسائی ....

4۔ شعلہ فشانی ....

5۔ ایوان ....

12.2.4 قتیل شفائی:

قتیل شفائی (1919–2001) اردو کے ممتاز شاعر تھے، جنھوں نے غزل، نظم اور خاص طور پر فلمی گیت نگاری میں شہرت پائی۔ ان کا اصل نام اورنگزیب خان تھا، مگر وہ "قتیل شفائی" کے قلمی نام سے معروف ہوئے۔ وہ نہ صرف اردو ادب بلکہ ہندوستانی فلمی دنیا میں بھی ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں۔

قتیل شفائی کے گیت نرم، نازک اور دل کو چھو لینے والے ہوتے ہیں۔ ان کی زبان سادہ، جذباتی اور موسیقیت سے بھرپور ہوتی

ہے۔ ان کے گیتوں میں محبت، ہجر، وصال، فطرت، تنہائی اور خواب جیسے موضوعات بار بار آتے ہیں۔ وہ عام جذبات کو غیر معمولی انداز میں بیان کرتے ہیں۔ ان کے گیت سادگی میں گہرائی رکھتے ہیں۔ الفاظ کا انتخاب دل نشین اور موسیقانہ ہوتا ہے۔ اکثر اشعار نغمہ بن کر گونجنے لگتے ہیں۔ وہ دھیمی رومانویت کے شاعر کہلائے جاسکتے ہیں۔ قتیل شفائی کی گیت نگاری اردو شاعری کا ایک نازک، نغمہ ریز اور دلفریب باب ہے۔ ان کے گیت نہ صرف دل میں اترتے ہیں، بلکہ سراپا محسوسات بن جاتے ہیں۔ ان کی شاعری ادب اور موسیقی کے سنگم پر کھڑی ایک حسین یادگار ہے۔

قتیل شفائی کے گیت:

وہ ساون ہے
من بھاون ہے
چھا جائے تو ڈھم ڈھم ڈھول بجے
برسے تو چھنکی جھانجھن ہے

وہ ساون ہے
من بھاون ہے
وہ اپنے پیار کے چھینٹوں سے من دھرتی کو جل تھل کر دے
جو دھڑکن مرجھائی ہوئی اس دھڑکن کو چنچل کر دے
وہ برسا ہے مجھ پر جب سے
من میرا گلشن گلشن ہے

وہ ساون ہے
من بھاون ہے
وہ مست ہوا کا جھونکا ہے اور چال ہے اس کی متوالی
وہ پاؤں جہاں بھی دھرتا ہے اگتی ہے وہیں سے ہریالی
دھرتی کی طرح اس کے دم سے
آباد مرا بھی آنگن ہے

وہ ساون ہے
من بھاون ہے

وہ دور ہو جب تک نظروں سے، من میں رہ رہ کر ہوک اٹھے
وہ جھلک دکھائے جب اپنی، جذبات میں کویل کوک اٹھے
سچ بات کہوں تو من میرا
سیر اب اسی کے کارن ہے

وہ ساون ہے
من بھاون ہے

خلاصہ:

قتیل شفائی کا یہ گیت ایک محبوب کی تعریف اور اس کے اثرات پر مبنی ہے۔ شاعر اپنے محبوب کو ساون یعنی برسات کے موسم سے تشبیہ دیا ہے جو دل کو بھاتا ہے، ہر سو خوشبو، تازگی اور رنگ بھر دیتا ہے۔ محبوب کا وجود ساون کی طرح ہے۔ وہ آتا ہے تو جیسے دل پر خوشی برسنے لگتی ہے، ہر طرف زندگی لوٹ آتی ہے۔ وہ جہاں جاتا ہے، خوشبو، ہریالی، نرمی اور سرشاری چھوڑ جاتا ہے۔ محبوب کی باتوں، لمس اور موجودگی سے شاعر کا دل گلزار بن جاتا ہے۔ جب محبوب دور ہوتا ہے تو دل میں اداسی، تڑپ اور خلش اٹھتی ہے۔ اور جب وہ سامنے آجائے تو دل کے جذبات کوئل کی کوک کی طرح مچلنے لگتے ہیں۔ محبوب کی برکت سے شاعر کا دل، آنگن اور دنیا آباد ہو گئی ہے۔ وہی ہے جس نے دل کو سیر اب کیا، خوشی دی، اور زندگی کو نیا رنگ بخشا۔ یہ گیت محبت کی خوشبو، شدت، اور خوبصورتی کو فطرت کے استعاروں کے ذریعے بیان کرتا ہے۔ شاعر کا محبوب صرف ایک شخص نہیں بلکہ خوشی، بہار، اور روحانی تازگی کا سرچشمہ بن جاتا ہے۔

مشکل الفاظ:

ساون	برسات کا مہینہ	Monsoon / Rainy month
من بھاون	دل کو پسند	Heart's desire / Pleasing to the heart
گلشن	باغ	Garden / Flower garden
ہوک اٹھنا	تڑپ اٹھنا	To yearn / To long for
سیر اب	تروتازہ، تشنگی کا ختم ہو جانا	Quenched / Refreshing
کارن	سبب، وجہ	Cause / Reason

مشق: قتیل شفائی کے گیت "وہ ساون ہے" کا کوئی ایک بند لکھیے۔

....

....

12.2.5 ساحر لدھیانوی:

ساحر لدھیانوی (1921–1980) اردو ادب اور فلمی دنیا کے عظیم ترین نغمہ نگاروں میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کا اصل نام عبد الحئی تھا، مگر "ساحر" کے نام سے وہ ہمیشہ یاد رکھے جاتے ہیں۔ وہ نہ صرف ایک شاعرِ عشق تھے، بلکہ شاعرِ درد، انقلاب اور سماجی شعور بھی تھے۔ ان کی گیت نگاری میں محبت کی لطافت کے ساتھ ساتھ زمانے کی تلخی بھی شامل ہے۔

ساحر لدھیانوی کے گیت عام فلمی گیتوں سے بالاتر ہوتے ہیں۔ وہ ادب اور فن کی بلندی کو برقرار رکھتے ہیں۔ ان کے گیت شاعری کے اعلیٰ نمونے ہوتے ہیں۔ ان کے بیشتر گیتوں میں طبقاتی کشمکش، غربت، امن و جنگ، عورت کا مقام، اور انسانی ہمدردی جیسے موضوعات شامل ہوتے ہیں۔ ساحر نے روایتی عشق کو بھی جدید لہجے میں پیش کیا، جہاں صرف محبوب کی تعریف نہیں بلکہ عشق کی تکلیف اور معاشرتی رکاوٹوں کا بھی ذکر ملتا ہے۔ ساحر کی شاعری کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ زبان نہایت سادہ ہوتی ہے لیکن معنی بہت گہرے ہوتے ہیں۔ ہر مصرع ایک پیغام ہوتا ہے۔ مختصر یہ کہ ساحر لدھیانوی کی گیت نگاری صرف فلمی نغمہ نگاری نہیں، بلکہ ادبیات، فکر اور فن کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ انہوں نے گیت کو صرف نغمہ نہیں، بلکہ دل کی صدا، سماج کی پکار، اور انسانی جذبات کا آئینہ بنا دیا۔

ساحر لدھیانوی کے گیت:

وہ صبح کبھی تو آئے گی
ان کالی صدیوں کے سر سے جب رات آنچل ڈھلکے گا
جب دکھ کے بادل پگھلیں گے، جب سکھ کا ساگر چھلکے گا
جب امبر جھوم کے ناچے گا، جب دھرتی نغمے گائے گی
وہ صبح کبھی تو آئے گی

جس صبح کے خاطر جُگ جُگ سے ہم سب مر مر کر جیتے ہیں
جس صبح کے امرت کے دھن میں ہم زہر کے پیالے پیتے ہیں
ان بھوکی پیاسی روحوں پر اک دن تو کرم فرمائے گی
وہ صبح کبھی تو آئے گی

مانا کہ ابھی تیرے میرے ارمانوں کی قیمت کچھ بھی نہیں
مٹی کا بھی ہے کچھ مول مگر انسانوں کی قیمت کچھ بھی نہیں
انسانوں کی عزت جب جھوٹے سکوں میں نہ تولی جائے گی
وہ صبح کبھی تو آئے گی

مجبور بڑھاپا جب سونی راہوں کی دھول نہ پھانکے گا
معصوم لڑکپن جب گندی گلیوں میں بھیک نہ مانگے گا
حق مانگنے والوں کو جس دن سولی نہ دکھائی جائے گی

وہ صبح کبھی تو آئے گی

خلاصہ:

ساحر لدھیانوی کا یہ گیت امید، انقلاب اور انصاف کی ایک ایسی صبح کا خواب ہے، جس کا انتظار شاعر اور اُس جیسے لاکھوں لوگ ایک طویل عرصے سے کر رہے ہیں۔ شاعر اس نظم کے ذریعے سماجی ناانصافی، غربت، استحصال اور ظلم کے خلاف ایک بلند اور دل سے نکلی ہوئی آواز اٹھاتا ہے۔

اس گیت میں شاعر کہتا ہے کہ ایک دن ایسا ضرور آئے گا جب کالی صدیوں کا اندھیرا چھٹ جائے گا، غم کے بادل پگھلیں گے، اور خوشی کا سورج چمکے گا۔ وہ صبح اُس دن کی علامت ہے جس کے لیے لوگ صدیوں سے قربانیاں دے رہے ہیں، دکھ جھیل رہے ہیں اور زہر پی کر بھی جینے کی کوشش کر رہے ہیں۔ شاعر موجودہ معاشرے کی تلخی بیان کرتا ہے کہ جہاں مٹی کی قیمت ہے مگر انسان کی نہیں، عزت اور حرمت کو جھوٹے سکّوں میں تولا جاتا ہے۔ وہ دن آئے گا جب انسان کی قدر و منزلت بحال ہوگی۔ یہ گیت صرف شاعری نہیں، بلکہ ایک انقلابی خواب ہے۔ یہ وہ صبح ہے جو ظلم کے اندھیرے کو چیر کر انصاف، مساوات، عزت، اور روشنی لے کر آئے گی اور شاعر کو اس کا یقین بھی ہے اور انتظار بھی۔

مشکل الفاظ:

کالی صدیاں	ظلم سے بھری صدیاں	Dark ages / Centuries of oppression
امبر	آسمان	Sky / Atmosphere
نغمہ	گانا، سریلی آواز	Song / Melody
جُگ جُگ	لمبا عرصہ	Long time / Ages
امرت	امر ہونے والا رس	Immortality / Everlasting essence
ارمان	خواہش	Desire / Wish
مول	قیمت	Price / Value

مشق: ساحر لدھیانوی کے بارے میں دو جملے لکھیے۔

....

....

12.2.6 زبیر رضوی:

زبیر رضوی(1935-2016) اردو کے ممتاز جدید شاعر، نقاد، اور صحافی تھے جن کی شاعری میں لطافت، سچائی، اور جذبات کی گہرائی پائی جاتی ہے۔ وہ نہ صرف نظم اور غزل کے عمدہ شاعر تھے بلکہ گیت نگاری میں بھی ان کی تخلیقی شناخت نمایاں ہے۔ زبیر رضوی کے گیت سادہ زبان میں لکھے گئے مگر ان میں گہرا جذباتی اثر ہوتا ہے۔ ان کے گیت دل کو چھو لینے والے، موسیقیت سے بھرپور اور نغمہ ریز ہوتے ہیں۔ ان کے گیتوں میں اکثر فطری مناظر، جیسے بارش، پھول، چاندنی، ہوا اور پرندے، کو محبت کے استعارے کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ زبیر رضوی نے گیت میں صرف رومانوی موضوعات ہی نہیں باندھے، بلکہ ان میں عصری تلخی، انسانیت اور اخلاقی اقدار کو بھی شامل کیا۔ وہ اپنے عہد کے مسائل سے باخبر شاعر تھے۔ ان کی گیت نگاری میں اردو-ہندی تہذیب، دیہی زندگی کی سادگی، اور ہندوستانی خوشبو صاف محسوس کی جا سکتی ہے۔ زبیر رضوی کی گیت نگاری اردو ادب میں ایک ایسا باب ہے جس میں دل کی نرمی، آنکھ کی نمی، اور زبان کی مٹھاس یکجا ہو گئی ہے۔ ان کے گیت محض نغمے نہیں بلکہ دل کی دھڑکن، فطرت کی سرگوشی اور سماج کی آواز ہیں۔

زبیر رضوی کے گیت:

یہ ہے میرا ہندوستان
میرے سپنوں کا جہان
اس سے پیار ہے مجھ کو

ہنستا گاتا جیون اس کا دھوم مچاتے موسم
گنگا جمنا کی لہروں میں سات سروں کے سرگم
تاج ایلورا جیسے سندر تصویروں کے البم
یہ ہے میرا ہندوستان
میرے سپنوں کا جہان
اس سے پیار ہے مجھ کو

دن البیلے راتیں اس کی مستی کی سوداگر
دھرتی جیسے پھوٹ بہی ہو دودھ کی کچی گاگر
اونچے اونچے پربت اس کے نیلے نیلے ساگر

یہ ہے میرا ہندوستان
میرے سپنوں کا جہان
اس سے پیار ہے مجھ کو

بادل جھومے برکھا برسے پون جھکولے کھائے
دھرتی کے پھیلے آنگن میں یوں کھیتی لہرائے
جیسے بچہ ماں کی گود میں رہ رہ کے مسکائے
یہ ہے میرا ہندوستان
میرے سپنوں کا جہان
اس سے پیار ہے مجھ کو

رادھاسیتا چندر گائے گائے اندوبال
نینوں میں کاجل کے ڈورے سرخ گلابی گال
زلفوں کی وہ چھایا جیسے شملہ نینی تال
یہ ہے میرا ہندوستان
میرے سپنوں کا جہان
اس سے پیار ہے مجھ کو

ڈھولک جاگی مہندی لاگی رنگ رنگیلا ساون
سکھیاں مل مل ہولی کھیلیں سانوریا کے آنگن
گھونگھٹ میں گوری شرمائے پیا ملن کے کارن
یہ ہے میرا ہندوستان
میرے سپنوں کا جہان
اس سے پیار ہے مجھ کو

خلاصہ:

یہ گیت زبیر رضوی کی اپنے وطن ہندوستان سے سچی محبت، جذباتی وابستگی اور فخر کا بھرپور اظہار ہے۔ شاعر نہ صرف ہندوستان کی

قدرتی خوبصورتی بلکہ اس کی تہذیب، ثقافت، روایات، موسم اور لوگوں کی زندگی کو شاعرانہ انداز میں خراجِ عقیدت پیش کرتا ہے۔ شاعر ہندوستان کے خوبصورت دریا(گنگا، جمنا)، بلند پہاڑ، نیلے ساگر اور ہرے بھرے کھیتوں کو فخر اور محبت سے بیان کرتا ہے۔ یہاں کی رنگین راتیں، خوش مزاج دن، برستی برکھا، جھومتی ہوائیں، اور ہنستی مسکراتی دھرتی شاعر کو خوابوں کی دنیا جیسی لگتی ہے۔

شاعر ہندوستان کو تاج محل، ایلورہ، مہندی، ہولی، ساون، ڈھولک، رادھا،سیتا، اندو، نینی تال اور سانوریا جیسے علامتی اور ثقافتی حوالوں سے نغمگی کے ساتھ بیان کرتا ہے۔ ہندوستانی عورت کی خوبصورتی کو شاعر نے چاندنی، کاجل، گلابی گال، گھونگھٹ، شرم، اور پیار کے پُراثر انداز میں بیان کیا ہے۔"یہ ہے میرا ہندوستان، میرے سپنوں کا جہان، اس سے پیار ہے مجھ کو"شاعر کے سچے وطن پرست جذبات کی علامت ہے۔یہ گیت ایک خالص حب الوطنی پر مبنی نظم ہے جو نہ صرف وطن کی ظاہری خوبصورتی کو سراہتی ہے بلکہ اس کی روح، تہذیب، ثقافت اور رومانوی فضا کو بھی دل کی گہرائیوں سے محسوس کرتی ہے۔شاعر کا ہندوستان صرف ایک ملک نہیں بلکہ ایک خواب، ایک احساس، اور ایک پیار کا استعارہ ہے۔

مشکل الفاظ:

سرگم	سات سُر(سا، رے، گا...)کی موسیقی	Musical scale / Seven notes
البم	تصویروں کا مجموعہ	Album / Collection of pictures
البیلے دن	خوش مزاج، خوش رنگ دن	Cheerful day / Joyful day
گاگر	مٹی کا گھڑا یا برتن	Clay pot / Earthenware

مشق: ذیل کے مصرعوں کو مکمل کیجیے۔

1۔ ڈھولک جاگی مہندی ....

2۔ ....کھیلیں سانوریا کے آنگن

3۔ گھونگھٹ میں گوری شرمائے ....

12.3 اکتسابی نتائج

اس اکائی کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ نے درج ذیل باتیں سیکھیں:

- گیت نگاری وہ صنفِ سخن ہے جس میں شاعر نغمگی، سادگی، جذباتیت اور موسیقیت کے امتزاج سے ایسا کلام تخلیق کرتا ہے جو گایا جاسکے اور دل پر اثر کرے۔
- اردو گیتوں میں زیادہ تر موضوعات محبت، فطرت، جدائی، موسم اور یادیں ہوتے ہیں۔ گیت عوامی مزاج کے مطابق ہوتے ہیں،

اس لیے ان کی قبولیت عام ہوتی ہے۔

- حفیظ جالندھری کے گیتوں میں زبان بہت سادہ، عام فہم اور دل کو چھونے والی ہوتی ہے، جو سننے والوں کو فوراً متاثر کر لیتی ہے۔ ان کے گیتوں میں پنجاب کی روایتی ثقافت، لوک موسیقی اور محبت کے رنگ نمایاں ہوتے ہیں۔
- شاد عارفی کے گیت خالص ہندوستانی فضا میں رچے بسے ہوتے ہیں، جن میں دیہی زندگی کی سادگی، فطرت کا حسن اور انسانی جذبوں کی لطافت جھلکتی ہے۔
- احسان دانش کے گیتوں کے موضوعات میں مزدوروں اور غریبوں کی زندگی، محبت، وفا اور جدائی، فطرت کی خوبصورتی، قومی شعور اور بیداری، ذاتی تجربات اور مشاہدات وغیرہ شامل ہیں۔
- قتیل شفائی کے گیت نرم، نازک اور دل کو چھو لینے والے ہوتے ہیں۔ ان کی زبان سادہ، جذباتی اور موسیقیت سے بھرپور ہوتی ہے۔ ان کے گیتوں میں محبت، ہجر، وصال، فطرت، تنہائی اور خواب جیسے موضوعات بار بار آتے ہیں۔
- ساحر لدھیانوی کے گیت عام فلمی گیتوں سے بالاتر ہوتے ہیں۔ وہ ادب اور فن کی بلندی کو برقرار رکھتے ہیں۔ ان کے گیت شاعری کے اعلیٰ نمونے ہوتے ہیں۔ ان کے بیشتر گیتوں میں طبقاتی کشمکش، غربت، امن وجنگ، عورت کا مقام، اور انسانی ہمدردی جیسے موضوعات شامل ہوتے ہیں۔
- زبیر رضوی کے گیت سادہ زبان میں لکھے گئے مگر ان میں گہرا جذباتی اثر ہوتا ہے۔ ان کے گیت دل کو چھو لینے والے، موسیقیت سے بھرپور اور نغمہ ریز ہوتے ہیں۔ ان کے گیتوں میں اکثر فطری مناظر، جیسے بارش، پھول، چاندنی، ہوا اور پرندے، کو محبت کے استعارے کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔

12.4 نمونہ امتحانی سوالات

12.4.1 معروضی سوالات:

1۔ حفیظ جالندھری کا اصل نام کیا تھا؟

(a) ابوالاثر معظم (b) ابوالاثر جالندھری (c) ابوالاثر پنجابی (d) ابوالاثر حفیظ

2۔ حفیظ جالندھری کا انتقال کس سن میں ہوا؟

1982(a) 1985(b) 1988(c) 1992(d)

3۔ احمد علی خان کس کا اصل نام ہے؟

(a) قتیل شفائی (b) شاد عارفی (c) حفیظ جالندھری (d) ساحر لدھیانوی

4۔ گیت "کیا ایسا گیت سناؤں" کس نے لکھا ہے؟

(a) عظمت اللہ خاں (b)سلام مچھلی شہری (c)شاد عارفی (d)احسان دانش

5۔ احسان دانش کی پیدائش کس سنہ میں ہوئی ؟

(a) 1914 (b) 1916 (c)1948 (d)1920

6۔ احسان دانش کے گیت کے موضوع عام طور پر ہوتے ہیں:

(a) مزدور (b)مغرور (c)امیر (d)عورت

7۔ قتیل شفائی کا صل نام کیا تھا؟

(a)احمد علی خاں (b) ابوالاثر (c) اورنگزیب خان (d)زبیر رضوی

8۔ " عبدالحئ" کس کا قلمی نام ہے ؟

(a)ساحر لدھیانوی (b) قتیل شفائی (c)سلام مچھلی شہری (d)احسان دانش

9۔ زبیر رضوی کا انتقال کس سنہ میں ہوا؟

(a) 2010 (b) 2013 (c) 2016 (d) 2019

10۔گیت " یہ ہے میرا ہندوستان" کس نے لکھا ہے ؟

(a)حفیظ جالندھری (b)زبیر رضوی (c) قتیل شفائی (d)احسان دانش

12.4.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات:

1۔ حفیظ جالندھری کی گیت نگاری پر نوٹ لکھیے۔
2۔ شاد عارفی کی گیت نگاری کی خصوصیات بیان کیجیے۔
3۔ قتیل شفائی کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں ؟لکھیے۔
4۔ ساحر لدھیانوی کے گیتوں کی خوبی بیان کیجیے۔
5۔ زبیر رضوی کے گیتوں پر روشنی ڈالیے۔

12.4.3 طویل جوابات کے حامل سوالات:

1۔ احسان دانش کی گیت نگاری پر مضمون لکھیے۔
2۔ گیت " وہ صبح کبھی تو آئے گی"کا خلاصہ اپنی زبان میں لکھیے۔
3۔ گیت " یہ ہے میرا ہندوستان"کا خلاصہ لکھیے۔

12.4.1کے جوابات d۔1 a۔2 b۔3 c۔4 a۔5

a۔6 c۔7 a۔8 c۔9 b۔10

اکائی 13: ترانہ

ترانۂ ہندی (علامہ اقبال) ترانۂ مانو (پروفیسر سید عین الحسن)

اکائی کے اجزا

13.0 تمہید

13.1 مقاصد

13.2 "ترانۂ ہندی" (علامہ اقبال)

13.2.1 علامہ اقبال کا تعارف

13.2.2 "ترانۂ ہندی" کا متن

13.2.3 خلاصہ

13.3 "ترانۂ مانو" (پروفیسر سید عین الحسن)

13.3.1 پروفیسر سید عین الحسن کا تعارف

13.3.2 "ترانۂ مانو" کا متن

13.3.3 خلاصہ

13.4 اکتسابی نتائج

13.5 نمونہ امتحانی سوالات

13.0 تمہید

اس بلاک کی پچھلی اکائیوں میں آپ نے نظم، رباعی اور گیت کے بارے میں پڑھا۔ ترانہ بھی اسی کی ایک کڑی ہے۔ ترانہ ایک ایسی نظم یا گیت کو کہتے ہیں، جو کسی قوم، جماعت، ادارے یا کسی خاص مقصد سے جڑے ہوئے جذبے، اتحاد، فخر اور جوش و خروش کو ابھارنے لیے لکھا جاتا ہے۔ ترانے میں اکثر قومی و ملی جذبات کی عکاسی کی جاتی ہے، جیسے کسی محفل، اجتماع یا ادارے کے خاص پروگرام یا موقعے پر گایا جاتا ہے۔ اس اکائی میں ہم ایک قومی و ملی ترانہ "ترانۂ ہندی"، جو جذبۂ حب الوطنی پر لکھا گیا ہے اور ایک "ترانۂ مانو"، جو مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد جیسے فعال ادارے کے لیے لکھا گیا ہے، ان دونوں کا مطالعہ کریں گے۔

13.1 مقاصد

اس اکائی کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- علامہ اقبال کا تعارف پیش کر سکیں۔
- "ترانۂ ہندی" کا متن پڑھ سکیں اور سمجھ سکیں۔
- سید عین الحسن کا تعارف پیش کر سکیں۔
- "ترانۂ مانو" کے متن پڑھ کر اس ترانہ میں موجود عالمی پیغام کو سمجھ سکیں۔

13.2 ترانۂ ہندی (علامہ اقبال)

13.2.1 علامہ اقبال کا تعارف:

علامہ محمد اقبال برصغیر پاک و ہند کے ایک عظیم مفکر، شاعر، فلسفی اور سیاسی رہنما تھے۔ وہ 9 نومبر 1877 کو سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام "شیخ نور محمد" تھا۔ ان کی تعلیم و تربیت میں مشرقی اور مغربی دونوں تہذیبوں کا گہرا اثر تھا۔ انہوں نے لاہور، کیمبرج اور جرمنی کی یونیورسٹیوں سے اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ علامہ اقبال کو اردو، فارسی، عربی اور انگریزی پر مکمل عبور حاصل تھا۔ علامہ اقبال کا انتقال 21 اپریل 1938ء کو لاہور میں ہوا۔

علامہ اقبال صرف ایک شاعر نہ تھے، بلکہ وہ ایک فکری انقلاب کے داعی بھی تھے۔ انہوں نے مسلم اُمت کو بیدار کرنے کے لیے شاعری کو ذریعہ بنایا اور ان کی شاعری میں روحانی، اخلاقی، ملی اور سیاسی پیغامات نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔ علامہ اقبال نے اپنی شاعری میں ترانوں کے ذریعے جہاں وطن سے محبت کا اظہار کیا، وہیں ملتِ اسلامیہ کی عظمت، اتحاد اور بیداری کی تلقین بھی کی۔ ان کے ترانے صرف نغمے نہیں بلکہ قوموں کے ضمیر کو جگانے والی صدائیں ہیں۔

اقبال نے اپنا مشہور ترانہ "سارے جہاں سے، اچھا ہندوستاں ہمارا" 1904 میں لکھا جب برصغیر غلامی کی زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا۔ اس ترانے نے عوام میں حب الوطنی کا جذبہ پیدا کیا۔ اس میں ہندوستان کی خوبصورتی، اتحاد اور رواداری کی تصویر پیش کی گئی ہے۔

اقبال نے بچوں کے لیے بھی ترانوں کی شکل میں ایسے الفاظ دیے جو نسلوں کے کردار سازی کا ذریعہ بنے۔ دعائیہ ترانہ "لب پہ آتی ہے دعا بن کے تمنا میری" میں ایک مثالی انسان کے اوصاف کی دعا کی گئی ہے۔ یہ ترانہ بچوں کے دلوں میں روشنی، علم اور خدمتِ خلق کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔

اقبال کے ترانوں میں ایک اور اہم پہلو ملتِ اسلامیہ کا اتحاد ہے۔ ترانہ "چین و عرب ہمارا، ہندوستاں ہمارا" میں وہ

کہتے ہیں کہ مسلمان جہاں بھی ہوں، وہ ایک ملت کا حصہ ہیں۔یہ ترانہ امت کے اجتماعی شعور کو جگاتا ہے۔

علامہ اقبال کے ترانے اردو ادب کا قیمتی سرمایہ ہیں۔ان کے ترانے صرف شاعری کے نمونے نہیں، بلکہ بیداری، خودی، قربانی اور عظمتِ انسانیت کے آفاقی پیغامات ہیں۔ان کی تحریریں آج بھی ہماری راہنمائی کرتی ہیں۔اقبال نے ہمیں بتایا کہ ایک قوم صرف زمین کے ٹکڑے سے نہیں، بلکہ نظریے، ایمان اور کردار سے بنتی ہے۔علامہ اقبال کا کلام آج بھی اسی طرح زندہ ہے جیسے اُن کے دور میں زندہ تھے۔کیونکہ ان کے الفاظ دلوں کو گرماتے اور قوموں کو جگاتے ہیں۔

13.2.2 "ترانۂ ہندی" کا متن:

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا
ہم بلبلیں ہیں اس کی یہ گلستاں ہمارا

غربت میں ہوں اگر ہم رہتا ہے دل وطن میں
سمجھو وہیں ہمیں بھی دل ہو جہاں ہمارا

پربت وہ سب سے اونچا ہم سایہ آسماں کا
وہ سنتری ہمارا وہ پاسباں ہمارا

گودی میں کھیلتی ہیں اس کی ہزاروں ندیاں
گلشن ہے جن کے دم سے رشک جناں ہمارا

اے آب رود گنگا وہ دن ہے یاد تجھ کو
اترا ترے کنارے جب کارواں ہمارا

مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا
ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستاں ہمارا

یونان و مصر و روما سب مٹ گئے جہاں سے
اب تک مگر ہے باقی نام و نشاں ہمارا

کچھ بات ہے کہ ہستی مٹتی نہیں ہماری
صدیوں رہا ہے دشمن دور زماں ہمارا

اقبالؔ کوئی محرم اپنا نہیں جہاں میں
معلوم کیا کسی کو درد نہاں ہمارا

13.2.3 خلاصہ:

علامہ اقبال اس ترانہ میں اپنے وطن ہندوستان سے گہری محبت اور فخر کا اظہار کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ دنیا کے تمام ممالک میں سے ہمارا ہندوستان سب سے خوبصورت اور پیارا ہے۔ ہم لوگ اس سرزمین کے لیے ایسے ہیں جیسے بلبل کسی باغ کے لیے ہوتی ہے، یعنی یہاں کی خوبصورتی میں ہم شامل ہیں اور اسے خوشیوں سے بھر دیتے ہیں۔ پھر شاعر کہتا ہے کہ اگرچہ ہم کبھی غربت یا تنگی میں ہوں، مگر ہمارا دل ہمیشہ اپنے وطن میں ہی لگا رہتا ہے۔ ہمارا دل وہیں خوش رہتا ہے جہاں ہمارا پیارا وطن ہے۔ یہ وطن ہماری اصل شناخت ہے۔

اقبال ہندوستان کے قدرتی حسن کی بھی تعریف کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ یہاں کے پہاڑ بہت بلند ہیں، گویا وہ آسمان کو چھو رہے ہیں، اور وہ پہاڑ ہماری سرزمین کے محافظ بھی ہیں۔ ہماری سرزمین میں بہت سی ندیاں بہتی ہیں، جو اس کی گود میں کھیلتی محسوس ہوتی ہیں۔ ان ندیوں کی وجہ سے ہمارا وطن جنت کی طرح حسین لگتا ہے۔ شاعر دریا گنگا کو مخاطب کر کے پوچھتا ہے کہ کیا تمہیں وہ دن یاد ہیں جب ہمارے قافلے تمہارے کنارے اترا کرتے تھے؟ یہ اشارہ ہندوستان کی قدیم تہذیب اور شاندار تاریخ کی طرف ہے۔

ترانہ میں شاعر یہ بہت اہم بات بھی کہتا ہے کہ ہمارا مذہب ہمیں دوسروں سے نفرت کرنا نہیں سکھاتا۔ ہم سب ہندوستانی ہیں اور یہی ہماری پہچان ہے۔ ہمیں آپس میں محبت، بھائی چارے اور اتحاد کے ساتھ رہنا چاہیے، چاہے ہمارا مذہب کچھ بھی ہو۔ اقبال یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ دنیا کی کئی بڑی بڑی تہذیبیں، جیسے یونان، مصر اور روم، ختم ہو گئیں، مگر ہمارا وطن اب تک قائم ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ ہماری تہذیب اور ملک میں کوئی خاص بات ہے جس کی وجہ سے یہ آج تک باقی ہے۔ آخری اشعار میں اقبال تھوڑا سا ذاتی درد بھی ظاہر کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اس دنیا میں کوئی ہمارا اپنا نہیں جو ہمارے دل کا چھپا ہوا درد سمجھے۔ یعنی وہ اپنے وقت کی قوم کی حالت پر دل گرفتہ ہیں۔

یہ ترانہ حب الوطنی کا شاہکار ہے جس میں شاعر نے ہندوستان کی خوبصورتی، اس کی عظمت، اس کی تہذیب اور اس کے اتحاد پر فخر کرتے ہوئے قوم کو بیداری اور محبت کا پیغام دیا ہے۔ اقبال چاہتے ہیں کہ تمام ہندوستانی مل کر اپنے ملک کو ایک بہتر جگہ بنائیں، نفرتیں مٹائیں اور اپنی تاریخی عظمت کو یاد رکھیں۔

مشکل الفاظ:

جماعت	گروہ، طبقہ	Group / Class / Congregation
ادارہ	وہ جگہ جو کسی مقصد کے لیے قائم کیا گیا ہو	Institution / Organization
اتحاد	میل جول، دوستی	Unity / Alliance
اجتماع	جلسہ، نشست	Gathering / Assembly
فعال	سرگرمی	Active / Energetic
گلستاں	چمن، باغ، خوبصورت جگہ	Garden / Flowered place
سنتری	پہرا دینے والا، محافظ	Guard / Watchman
پاسباں	پہرے دار	Protector / Sentinel
رشکِ جناں	جس پر جنت کو رشک ہو	Envied by paradise / Highly admired
شناخت	پہچان	Identity / Recognition
دل گرفتہ	غمگین، اداس	Sad / Heartbroken
حب الوطن	وطن کی محبت	Patriotism / Love for the country

مشقیں:

مشق 1: ذیل کے مصرعوں کو مکمل کیجیے۔

1۔ سارے جہاں سے...

2۔ .... درد نہاں ہمارا

3۔ مذہب نہیں سکھاتا..

4۔ کچھ بات ہے کہ ہستی.....................................

5۔ .... اس کی ہزاروں ندیاں

مشق 2: مندرجہ ذیل الفاظ کے معنی لکھیے۔

1۔ ادارہ ....

2۔ سنتری ....

3۔ حب الوطن ....

4۔ گلستاں ....

5۔ دل گرفتہ ....

مشق 3: خالی جگہ کو پُر کیجیے۔

1۔ ہم .... ہیں اس کی یہ گلستاں ہمارا

2۔ یونان و مصر و ....سب مٹ گئے جہاں سے

3۔ غربت میں ہوں اگر ہم رہتا ہے .... میں

4۔ اے .... گنگا وہ دن ہے یاد تجھ کو

5۔ .... کوئی محرم اپنا نہیں جہاں میں

13.3 ترانۂ مانو (پروفیسر سید عین الحسن)

13.3.1 پروفیسر سید عین الحسن کا تعارف:

پروفیسر سید عین الحسن اردو اور فارسی کے قادرالکلام اور خوش فکر شاعر، دیدہ ور محقق و نقاد، شیریں گفتار مقرر، مثالی استاد، ماہر تعلیم اور روشن خیال دانشور ہیں۔ وہ 5/ فروری 1957 کو اتر پردیش کے شہر الہ آباد (پریاگ راج) میں پیدا ہوئے۔ سید عین الحسن ایک مذہبی اور علمی خانوادے سے تعلق رکھتے ہیں جس میں بیشتر افراد صاحب ارشاد اور صاحب تصنیف و تالیف گزرے ہیں۔ ان کے والد محترم پروفیسر سید بدر الحسن بنارس ہندو یونیورسٹی میں شعبۂ عربی کے بانی صدر اور ڈین فیکلٹی آف آرٹس تھے۔ شعری و ادبی روایات پروفیسر سید عین الحسن کو وراثت میں ملی ہیں اور وہ اپنے وسیع علم، سماجی و تاریخی شعور اور تخلیقی ہنر مندی سے اس ورثے کو آگے بڑھا رہے ہیں۔

سید عین الحسن نے جواہر لعل نہرو یونیورسٹی (دہلی) سے ڈاکٹریٹ کی اور اسی یونیورسٹی کے شعبۂ فارسی سے وابستہ ہو گئے۔ وہ تعلیم و تدریس کا سینتیس سالہ طویل اور دیرینہ تجربہ رکھتے ہیں، جس کے دوران انہوں نے علم وادب، تحقیق و تنقید اور تصنیف و تالیف کے شعبے میں بے شمار کارنامے انجام دیے۔ ان کی رہنمائی میں 110 ریسرچ اسکالروں نے پی ایچ. ڈی. کی ڈگری حاصل کی۔ ان کی متعدد کتابیں اور تحقیقی مقالے شائع ہوئے ہیں۔ ان کے چند تصانیف کے نام یہ ہیں: دستنبو، ستون ھای شعر نو، ایشوز اینڈ تھیمس، نقد و بررسی، اجزائے ترکیبی، مرا ہوا چاند وغیرہ۔ انہوں نے 150 قومی اور بین الاقوامی سیمیناروں، کانفرنسوں اور سمپوزیموں میں شرکت کی اور عالمانہ خطبات پیش کیے۔ انہوں نے اپنے علم و تجربے سے دیگر جامعات کو بھی مستفید کیا۔ یونیورسٹی آف کشمیر، کاٹن کالج اسٹیٹ یونیورسٹی وغیرہ کے نصابِ تعلیم کی صورت گری میں انہوں نے اہم حصہ لیا۔

علاوہ ازیں پروفیسر سید عین الحسن نے جواہر لعل یونیورسٹی میں افغان ریسورس سنٹر کے قیام کے ذریعے ہند افغانستان تعلقات کے

فروغ میں بھی کلیدی رول ادا کیا۔

پروفیسر سید عین الحسن کی اعلیٰ علمی و ادبی اور تہذیبی و ثقافتی خدمات کے اعتراف کے طور پر کئی سرکاری اور غیر سرکاری اداروں نے انہیں متعدد انعامات و اعزازات سے سرفراز کیا۔ 2007 میں انہیں فل برائٹ پروفیسر شپ عطا کی گئی جس کے تحت وہ رٹجرس اسٹیٹ یونیورسٹی (Rutgers State University) نیوجرسی (امریکہ) میں 2008-2007 کے دوران فل برائٹ وزیٹنگ پروفیسر رہے۔ 2007 میں اسلامی جمہوریہ ایران کی وزارت ارشاد نے انہیں پوئٹ آف دی ایئر (Poet of the Year) کا اعزاز عطا کیا۔ 2015 میں انہیں اسلامک ایجوکیشن سنٹر گریٹر شکاگو (امریکہ) نے کارنامہ حیات ایوارڈ سے نوازا۔ 2017 میں عزت مآب صدر جمہوریہ ہند کی جانب سے سرٹیفکیٹ آف آنر کے اعزاز سے نوازا گیا۔ 2025 میں حکومت ہند کی جانب سے انہیں اعلیٰ ترین شہری اعزاز, پدم شری ایوارڈ سے سرفراز کیا گیا۔

پروفیسر سید عین الحسن نے جواہر لعل نہرو یونیورسٹی میں مختلف علمی و انتظامی عہدوں پر شاندار خدمات انجام دیں۔ 2021 میں انہیں ہندوستان کی ممتاز جامعہ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کے وائس چانسلر کے پروقار منصب پر فائز کیا گیا۔

ایک پختہ مشق پُر گو اور تازہ فکر شاعر کی حیثیت سے پروفیسر سید عین الحسن نے مختلف اصنافِ سخن مثلاً غزل، نظم، مرثیہ، سلام، منقبت وغیرہ میں داد سخن دی ہے۔ اس اکائی میں ہم ان کی جس شعری تخلیق کا مطالعہ کریں گے وہ "ترانہ" ہے۔ یہ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کا ترانہ ہے، جس میں پروفیسر سید عین الحسن نے نہ صرف مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کے مقاصد و اہداف کی بہترین ترجمانی کی ہے بلکہ تعلیم و تحقیق کی اعلیٰ منازل کے حصول کے لیے طلبا کے حوصلوں کو مہمیز بھی کیا ہے۔ فکر و تخیل کی پرواز، زبان و بیان کے حسن، خوش آہنگ الفاظ، قافیوں کی جھنکار اور بولتی ہوئی ردیفوں کی بدولت یہ ترانہ شعریت اور نغمگی کا دل کش امتزاج پیش کرتا ہے۔ آیئے اب ہم اس ترانے اور اس کے تفصیلی تجزیے کا مطالعہ کرتے ہیں۔

13.3.2 "ترانۂ مانو" کا متن:

یہ بابِ شہر علم ہے اردو زبان کا
آؤ سفر یہاں سے کریں آسمان کا

علم و کمال وفضل و شِعار و شعور تک
پھیلی ہے دل نواز مہک دور دور تک
ملتا یہاں نصاب ہے سارے جہان کا
یہ بابِ شہر علم ہے اردو زبان کا

ہر نقش رنگ و بو سے کرو اپنی گفتگو
آزاد درس گاہ کی ہے یہ بھی جستجو
سب فاصلہ مٹاتے چلو درمیان کا
یہ بابِ شہر علم ہے اردو زبان کا

غرب و جنوب سے ہو کہ شرق و شمال سے
آگے بڑھو خیال ملا دو خیال سے
چرچا ہو کائنات میں ہندوستان کا
یہ بابِ شہر علم ہے اردو زبان کا

فصلِ سدا بہار سے بستی بسی رہے
مل کر دعا کرو کہ یہ کھیتی ہری رہے
سایہ رہے سروں پہ کسی سائبان کا
یہ بابِ شہر علم ہے اردو زبان کا

آؤ سفر یہاں سے کریں آسمان کا
یہ بابِ شہر علم ہے اردو زبان کا

13.3.3 خلاصہ:

"ترانۂ مانو" مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدر آباد کا ترانہ ہے۔ اس ترانے کو مانو کے موجودہ شیخ الجامعہ (Vice Chancellor) پروفیسر سید عین الحسن نے لکھا ہے۔ یہ ترانہ اردو زبان کی عظمت، اس کی تعلیمی حیثیت اور اس کے تہذیبی کردار کو خراجِ تحسین پیش کرتا ہے۔ ساتھ ہی طلبہ میں حوصلہ اور امنگ بھی بھرتا ہے۔ شاعر اردو زبان کو علم و حکمت کا دروازہ قرار دیتا ہے۔ ایسا دروازہ جو سیکھنے، سمجھنے، سوچنے اور ترقی کرنے کی طرف کھلتا ہے۔ یہ ایک علامتی انداز ہے جس سے شاعر یہ پیغام دینا چاہتا ہے کہ اردو زبان صرف بات چیت کا ذریعہ نہیں بلکہ علم، شعور، تہذیب اور اخلاقیات کی تربیت گاہ بھی ہے۔

ترانے کے آغاز میں یہ کہا گیا ہے کہ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حقیقت میں "بابِ شہر علم" یعنی علم کے شہر میں داخل ہونے کا دروازہ ہے۔ یہ اردو زبان کا ایک اہم اور عظیم ادارہ ہے۔ اس کے بعد طلبا کو دعوت دی گئی ہے کہ آؤ! ہم اس زبان سے جُڑ کر علم کا سفر کریں

اور آسمان کی بلندیوں تک پہنچ جائیں۔ اس میں یہ پیغام ہے کہ اردو زبان کے ذریعے ہم نہ صرف علمی ترقی حاصل کر سکتے ہیں بلکہ فکر کی بلندیوں تک بھی رسائی کر سکتے ہیں۔ اردو زبان کی خوشبو یعنی اس کا علمی، ادبی اور اخلاقی اثر، دور دور تک پھیلا ہوا ہے۔ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی میں علم و فن کے کئی شعبے موجود ہیں۔ چاہے وہ سائنس ہو، میڈیکل سائنس ہو، انجینئرنگ ہو، فلسفہ ہو، قانون ہو، سماجیات، تاریخ ہو یا ادب۔ اردو زبان کا دامن اتنا بڑا ہے کہ دنیا بھر کے علوم وفنون کو سمیٹے ہوئے ہے۔

اس ترانے میں ایک اور اہم سچائی یہ ہے کہ اردو زبان اتحاد اور محبت کا پیغام دیتی ہے۔ اس ترانہ میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ سبھی لوگ، چاہے وہ کسی بھی علاقے، مذہب یا زبان سے تعلق رکھتے ہوں، اس زبان کے دامن میں آکر ایک ہو سکتے ہیں۔ اردو زبان فاصلے مٹاتی ہے، دلوں کو جوڑتی ہے اور اختلافات کو ختم کرتی ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد کی سیکولر شخصیت کی نسبت سے اردو یونیورسٹی ایک "آزاد درس گاہ" ہے، جہاں مذہب وملت، ذات پات، نسل اور قبیلے کی تفریق یا امتیاز کے بغیر، ہر کوئی تعلیم حاصل کر سکتا ہے۔

اردو یونیورسٹی کے ترانے میں حب الوطنی کا پیغام بھی ہے۔ شاعر چاہتا ہے کہ دنیا بھر میں ہندوستان کا چرچا ہو۔ یہ چرچا، اردو زبان، فلسفہ وفنون، علم وادب اور تہذیب وترقی کی بنیاد پر ہو۔ ہمیں علم کی روشنی سے دنیا کو روشن کرنا ہے تاکہ ہماری پہچان علم، شعور اور ادب سے ہو۔ آخر میں یہ دعا ہے کہ اردو زبان کی یہ بستی ہمیشہ سرسبز وشاداب رہے۔ یہ زبان زندہ، ترقی یافتہ اور مضبوط رہے۔ علم وفن اور تہذیب وثقافت کی اس بستی پر بہار ہمیشہ قائم رہے اور ہم سب اس کی چھاؤں میں علم، محبت اور انسانیت کے پھول کھلاتے رہیں۔

مشکل الفاظ:

فضل	مہربانی، عنایت	Kindness / Favor / Grace
شِعار	نشان، پہچان، طریقہ	Symbol / Motto / Sign
شعور	جاننا، سمجھ بوجھ	Awareness / Consciousness
دل نواز	دل کو خوشی دینے والا	Pleasing / Delightful
نقش	نشان، تصویر	Design / Pattern / Imprint
درس گاہ	مدرسہ، مکتب، تعلیمی ادارہ	School / Educational place
غرب وجنوب	پچھم اور دکھن	West and South
شرق وشمال	پورب اور اتر	East and North
کائنات	دنیا	Universe / World
خراجِ تحسین	کسی کے ہنر یا کمال کی تعریف	Tribute / Appreciation
سرسبز وشاداب	ہرا بھرا اور خوش حال	Lush and flourishing / Green and healthy

مشق 1: درج ذیل مصرعوں کو مکمل کیجیے۔

1۔ یہ بابِ شہر علم ہے.......................................

2۔ ہر نقش رنگ و بو.......................................

3۔ ملتا یہاں نصاب ہے.......................................

4۔ آؤ سفر یہاں سے.......................................

5۔ چرچا ہو کائنات.......................................

مشق 2: درج ذیل الفاظ کی ضد لکھیے۔

1۔ جنوب ....

2۔ مشرق ....

3۔ محبت ....

4۔ دن ....

5۔ آسانی ....

مشق 3: درج ذیل الفاظ کے معنی لکھیے۔

1۔ دل نواز ....

2۔ سیکولر ....

3۔ درس گاہ ....

4۔ خراجِ تحسین ....

5۔ سرسبز و شاداب ....

13.4 اکتسابی نتائج

اس اکائی کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ نے درج ذیل باتیں سیکھیں:

- ترانہ ایک ایسی نظم یا گیت کو کہتے ہیں، جو کسی قوم، جماعت، ادارے یا کسی خاص مقصد سے جڑے ہوئے جذبے، اتحاد، فخر اور جوش و خروش کو ابھارنے لیے لکھا جاتا ہے۔

- ترانے میں اکثر قومی وملی جذبات کی عکاسی کی جاتی ہے، جسے کسی محفل، اجتماع یا ادارے کے خاص پروگرام یا موقعے پر گایا جاتا ہے۔
- علامہ اقبال صرف ایک شاعر نہ تھے، بلکہ وہ ایک فکری انقلاب کے داعی بھی تھے۔انہوں نے مسلم اُمت کو بیدار کرنے کے لیے شاعری کو ذریعہ بنایا اور ان کی شاعری میں روحانی، اخلاقی، ملی اور سیاسی پیغامات نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔
- علامہ اقبال نے اپنی شاعری میں ترانوں کے ذریعے جہاں وطن سے محبت کا اظہار کیا، وہیں ملتِ اسلامیہ کی عظمت، اتحاد اور بیداری کی تلقین بھی کی۔ان کے ترانے صرف نغمے نہیں بلکہ قوموں کے ضمیر کو جگانے والی صدائیں ہیں۔
- اقبال نے اپنا مشہور ترانہ "سارے جہاں سے، اچھا ہندوستاں ہمارا" 1904 میں لکھا گیا۔یہ ترانہ اُس دور میں لکھا گیا جب برصغیر غلامی کی زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا۔
- ترانۂ ہندی ترانے نے عوام میں حب الوطنی کا جذبہ پیدا کیا۔اس میں ہندوستان کی خوبصورتی، اتحاد اور رواداری کی تصویر پیش کی گئی ہے۔
- علامہ اقبال اس ترانہ میں اپنے وطن ہندوستان سے گہری محبت اور فخر کا اظہار کرتے ہیں۔وہ کہتے ہیں کہ دنیا کے تمام ممالک میں سے ہماراہندوستان سب سے خوبصورت اور پیارا ہے۔
- پروفیسر سید عین الحسن اردو اور فارسی کے قادرالکلام اور خوش فکر شاعر، دیدہ ور محقق و نقاد، شیریں گفتار مقرر، مثالی استاد، ماہر تعلیم اور روشن خیال دانشور ہیں۔وہ 5/ فروری 1957 کو اتر پردیش کے شہر الہ آباد (پریاگ راج) میں پیدا ہوئے۔
- سید عین الحسن ایک مذہبی اور علمی خانوادے سے تعلق رکھتے ہیں جس میں بیشتر افراد صاحب ارشاد اور صاحب تصنیف و تالیف گزرے ہیں۔
- سید عین الحسن کے والد محترم پروفیسر سید بدرالحسن بنارس ہندو یونیورسٹی میں شعبۂ عربی کے بانی صدر اور ڈین فیکلٹی آف آرٹس تھے۔
- پروفیسر سید عین الحسن کی اعلیٰ علمی وادبی اور تہذیبی وثقافتی خدمات کے اعتراف کے طور پر کئی سرکاری اور غیر سرکاری اداروں نے انہیں متعدد انعامات واعزازات سے سرفراز کیا۔
- ایک پختہ مشق پُرگو اور تازہ فکر شاعر کی حیثیت سے پروفیسر سید عین الحسن عابدی نے مختلف اصنافِ سخن مثلاً غزل، نظم، مرثیہ، سلام، منقبت وغیرہ میں داد سخن دی ہے۔
- ”ترانۂ مانو“ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کا ترانہ ہے، جس میں پروفیسر سید عین الحسن نے نہ صرف مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کے مقاصد واہداف کی بہترین ترجمانی کی ہے بلکہ تعلیم و تحقیق کی اعلیٰ منازل کے حصول کے لیے طلبا کے حوصلوں کو مہمیز بھی کیا ہے۔
- ”ترانۂ مانو“ کے آغاز میں یہ کہا گیا ہے کہ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حقیقت میں " بابِ شہرِ علم "یعنی علم کے شہر میں داخل

ہونے کا دروازہ ہے۔ یہ اردو زبان کا ایک اہم اور عظیم ادارہ ہے۔

- ”ترانۂ مانو“ میں یہ پیغام ہے کہ اردو زبان کے ذریعے ہم نہ صرف علمی ترقی حاصل کر سکتے ہیں بلکہ فکر کی بلندیوں تک بھی رسائی کر سکتے ہیں۔ اردو زبان کی خوشبو یعنی اس کا علمی، ادبی اور اخلاقی اثر، دور دور تک پھیلا ہوا ہے۔
- اردو یونیورسٹی کے ترانے میں حب الوطنی کا پیغام بھی ہے۔

13.5 نمونہ امتحانی سوالات

13.5.1 معروضی سوالات:

1۔ علامہ اقبال کی پیدائش کس سنہ میں ہوئی؟

(a) 1865 (b) 1869 (c) 1970 (d) 1977

2۔ علامہ اقبال کے والد کا نام کیا تھا؟

(a) شیخ نور محمد (b) شیخ محمد نور (c) شیخ احمد علی (d) شیخ محمد علی

3۔ علامہ اقبال نے کہاں کی یونیورسٹی میں تعلیم حاصل نہیں کی ہے؟

(a) لاہور (b) دہلی (c) کیمبرج (d) جرمنی

4۔ علامہ اقبال کا انتقال کہاں ہوا؟

(a) سیالکوٹ (b) اسلام آباد (c) لاہور (d) حیدرآباد سندھ

5۔ علامہ اقبال کا انتقال کس سنہ میں ہوا؟

(a) 1938 (b) 1935 (c) 1940 (d) 1942

6۔ "ترانہ ہندی" کس نے لکھا؟

(a) علامہ اقبال (b) سید عین الحسن (c) جگن ناتھ آزاد (d) حفیظ جالندھری

7۔ سید عین الحسن کی پیدائش کہاں ہوئی؟

(a) بنارس (b) جون پور (c) الہ آباد (d) دہلی

8۔ سید عین الحسن کے والد کا کیا نام تھا؟

(a) سید بدر الحسن (b) سید نور الحسن (c) سید امیر الحسن (d) سید نظیر الحسن

9۔ ”ترانۂ مانو“ کس یونیورسٹی کا ترانا ہے؟

(a) علی گڑھ مسلم یونیورسٹی (b) دہلی یونیورسٹی (c) مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی (d) جامعہ ملیہ اسلامیہ

10۔ سید عین الحسن جواہر لعل یونیورسٹی کے کس شعبے سے وابستہ تھے؟

(a)اردو (b)فارسی (c)ترکی (d)ہندی

13.5.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات:

1۔ علامہ اقبال کا تعارف پیش کیجیے۔

2۔ پروفیسر عین الحسن عابدی کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟ لکھیے۔

3۔ "ترانۂ ہندی" ایک قومی ترانہ ہے۔" اس خیال کی وضاحت کیجیے۔

4۔ درج ذیل شعر کی تشریح کیجیے۔

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا
ہم بلبلیں ہیں اس کی یہ گلستاں ہمارا

5۔ درج ذیل شعر کی تشریح کیجیے۔

مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا
ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستاں ہمارا

13.5.3 طویل جوابات کے حامل سوالات:

1۔ "ترانۂ ہندی" کا خلاصہ اپنی زبان میں لکھیے۔

2۔ "ترانۂ مانو" کی خوبیوں کو بیان کیجیے۔

3۔ ذیل کے اشعار کی تشریح کیجیے۔

یہ بابِ شہر علم ہے اردو زبان کا
آؤ سفر یہاں سے کریں آسمان کا

علم و کمال وفضل و شِعار و شعور تک
پھیلی ہے دل نواز مہک دور دور تک
ملتا یہاں نصاب ہے سارے جہان کا
یہ بابِ شہر علم ہے اردو زبان کا

13.5.1 کے جوابات: 1-d 2-a 3-b 4-c 5-a
6-a 7-c 8-a 9-c 10-b

بلاک IV

اکائی 14: دوہا، ماہیا، قطعہ

اکائی کے اجزا

14.0		تمہید
14.1		مقاصد
14.2		دوہا
	14.2.1	دوہے کی تعریف
	14.2.2	منتخب دوہے
14.3		ماہیا
	14.3.1	ماہیا کی تعریف
	14.3.2	منتخب ماہیے
14.4		قطعہ
	14.4.1	قطعہ کی تعریف
	14.4.2	منتخب قطعات
14.5		اکتسابی نتائج
14.6		نمونہ امتحانی سوالات

14.0 تمہید

ادب کے دو بڑے زمرے ہیں۔(1) نثر (2) شاعری۔ان میں ہر ایک کی متعدد اصناف ہیں۔جہاں تک شاعری کا تعلق ہے مثنوی، غزل، قصیدہ، مرثیہ، رباعی وغیرہ اس کی اہم اصناف ہیں۔ لیکن ان کے علاوہ اردو شاعری کی بعض اور اصناف بھی ہیں۔ جن میں دوہا، ماہیا اور قطعات شامل ہیں۔

دوہا اور قطعہ شاعری کی قدیم ترین اصناف میں سے ہیں۔ اردو زبان میں جہاں دوہا سنسکرت اور پراکرت سے آیا، وہیں قطعہ عربی اور فارسی سے اردو زبان میں منتقل ہوا۔ اسی طرح ماہیا پنجابی زبان سے لیا گیا ہے۔ اس اکائی میں آپ دوہا، ماہیا اور قطعہ کی تعریف اور منتخب دوہے، ماہیے اور قطعات کا مطالعہ کریں گے۔

14.1 مقاصد

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- دوہا، ماہیا اور قطعہ کی تعریف بیان کر سکیں۔
- دوہا، ماہیا اور قطعات کس زبان سے اردو میں آئے ہیں؟ اس کی وضاحت کر سکیں۔
- دوہا، ماہیا اور قطعہ کی تشریح کر سکیں۔

14.2 دوہا

14.2.1 دوہے کی تعریف:

دوہا ہندی شاعری کی قدیم صنف ہے۔ یہ صنف پراکرت سے ہندی زبان میں آئی۔ اس کی شکل غزل کے مطلع سے مماثل ہوتی ہے۔ اس کے دو مصرعے ہوتے ہیں، جو چار حصوں میں تقسیم کیے جاتے ہیں۔ ہر مصرع کا پہلا جزو 13 ماتروں (یک حرفی آوازوں) پر مشتمل ہوتا ہے، پھر وقفہ ہوتا ہے اور وقفہ کے بعد 11 ماترائیں ہوتی ہیں۔ اس طرح ایک مصرع میں کل 24 ماترائیں ہوتی ہیں۔ اور مکمل دوہے میں 48 ماترائیں ہوتی ہیں۔ دوہا عروضی صنف سخن کہلاتا ہے۔ اس کا ہیئتی ڈھانچہ اسے باقی اصناف نظم سے ممتاز کرتا ہے۔

دوہا پراکرت دور ہی سے مقبول صنف کی حیثیت رکھتا ہے۔ کیشو داس اور سور داس کے دوہوں کی تعداد پچھہتر (75) ہزار کے قریب بیان کی جاتی ہے۔ ہندی زبان میں اس صنف کو فروغ دینے کا سہرا سادھو سرپا کوئی اور چندر بردائی کے سر جاتا ہے۔ جب کہ اردو زبان میں اس کی ابتدا بابا فرید الدین مسعود گنج شکر سے ہوتی ہے۔

قدیم زمانے سے سادھو، سنتوں، صوفیوں اور دھرم گروؤں نے دوہے کے ذریعہ اپنے مذہبی رجحان و عقائد اور مسلک و نظریہ کی تبلیغ کا کام لیا ہے۔ چونکہ دوہے عوامی زبان میں کہے جاتے تھے لہٰذا عوام تک اپنی بات صحیح طریقہ سے پہنچانے کے لیے اس صنف کا سہارا لیا گیا۔

14.2.2 منتخب دوہے:

یہاں مختلف شعرا کے چند دوہے اور ان کی تشریح پیش کی جارہی ہے تاکہ آپ ان کو پڑھنے کے بعد اس صنف سے اچھی طرح واقف ہو سکیں۔ اور دوہوں سے لطف اندوز ہو سکیں۔

کبیر داس کے منتخب دوہے:

(1)

جاکو راکھے سائیاں مار سکے نہ کوئے
بال نہ بانکا کر سکے جو جگ بیری ہوئے

کبیر داس اس دوہے میں کہتے ہیں کہ جن کی حفاظت خدا کرتا ہے اس کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا اگر چہ پوری دنیا اس کی دشمن ہو جائے۔

(2)

ایسی بانی بولیے ،من کا آپا کھوئے
اوروں کو سیتل کرے آپا سیتل ہوئے

انسان کو ہمیشہ غرور و تکبر سے دور رہتے ہوئے بات چیت کرنا چاہیے۔کیونکہ نرم لہجے میں بات کرنا خود انسان کو بھی سکون دیتا ہے اوراس سے دوسروں کو بھی سکون ملتا ہے۔

(3)

بولی تو انمول ہے ، جو کوئی جانے بول
ہر دے ترازو تول کر ، تب مکھ باہر کھول

اگر کسی کو بات چیت، گفتگو کرنے کا سلیقہ آتا ہے تو یہ بہت ہی قیمتی چیز ہے۔مگر انسان کو زبان کھولنے سے پہلے بہت غور و فکر کرنا چاہیے۔کبیر کہتے ہیں کہ بات کو دل کے ترازو میں تولنا چاہیے۔اگر دل اجازت دے تو پھر بولنا چاہیے۔

(4)

کٹل بچن سب سے برا،جا کرے تن چھار
سادھ بچن جل روپ ہے برسے امرت دھار

کڑوی بات بہت بری ہوتی ہے وہ انسان کے کلیجے کو چھلنی کر دیتی ہے۔نرم لہجے میں گفتگو کرنا پانی کی طرح ہے جیسے امرت کی دھارا برستی ہے۔

(5)

برچھا پھلے نہ آپ کو، ندی نہ پیوے نیر
پرسوارتھ کے کارنے سنتن دھرا شریر

درخت پھل دار ہو کر بھی اپنے پھل سے خود کو فائدہ نہیں پہنچاتا، نہ ہی دریا اپنا پانی خود پیتا ہے۔ اسی طرح صوفی اور سنت بھی دوسروں کی بھلائی کے لیے دنیا میں پیدا ہوتے ہیں۔

(6)

نیند نشانی موت کی اُٹھ کبیرا جاگ
اور رسائین چھوڑ کر تو نام رسائین لاگ

کبیر کہتے ہیں کہ نیند موت کی علامت ہے۔ کبیر اٹھ، بیدار ہو، دنیا کی تمام موہ مایا سے اپنے کو آزاد کر کے بھگوان (خدا) کی طرف دھیان لگا۔

(7)

ایک نام کو جان کر دوجا دیئے بھلائے
تیرتھ برت جب تپ نہیں ست گور چرن سمائے

کبیر اس دوہے میں کہتے ہیں کہ جب تم نے اپنے ایشور یا خدا کو ایک مان لیا ہے تو دوسرے تمام خداؤں کو بھلا دو۔ جب تم نے اس کو ایک مان کر اپنے آپ کو اس کے حوالے کر دیا ہے تو تیرتھ، برت، جپ تپ سب اسی کے لیے ہونا چاہیے دوسروں کے لیے نہیں۔

(8)

دُکھ میں سمرن سب کریں، سکھ میں کرے نہ کوئے
جو سُکھ میں سمرَن کرے، تو دُکھ کاہے کو ہوئے

ہر شخص اپنے مالک، پروردگار کو دکھ اور مصیبت میں یاد کرتا ہے۔ لیکن جب خوش حالی اور سکھ میں ہوتا ہے تو وہ اپنے مالک کو بھول جاتا ہے۔ اگر سکھ کے دنوں میں اس کو یاد رکھا جائے تو کبھی کوئی دکھ نہ ہو۔ اور ہمیشہ ہر غم سے آزاد رہے۔

(9)

مانگن مرن سمان ہے، مت کوئی مانگے بھیکھ
مانگن سے مرنا بھلا، یہ ست گور کی سیکھ

کسی کے آگے ہاتھ پھیلانا موت کو گلے لگانے کے برابر ہے۔ لہٰذا کوئی کسی سے بھیک نہ مانگے۔ بھیک مانگ کر اپنی عزت خاک میں ملانے سے بہتر ہے انسان مرنا پسند کرے۔ یہی پیغام رشی، منیوں نے دیا ہے۔

ندا فاضلی کے منتخب دوہے:

(1)

پھوٹی کرن اذان کی، جاگے پنچھی ڈھور

چڑیوں کی چہکار میں، کرے تلاوت بھور

ندا فاضلی اس دوہے میں صبح کا منظر بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب صبح کی اذان دی جاتی ہے تو سارے جانور اور پرندے جاگ جاتے ہیں اور ایسا لگتا ہے کہ چڑیوں کی چہکاریں صبح میں تلاوت کر رہی ہیں۔

(2)

عیسیٰ اللہ ایشور سارے منتر سیکھ

جانے کب کس نام سے ملے زیادہ بھیک

اس دوہے میں مذہبی تعصب اور فرقہ واریت پر طنز کرتے ہوئے یہ کہا گیا ہے کہ اے مانگنے والے فقیر ہر مذہب کے بڑی ہستی کا نام سیکھ لے تا کہ جس فرقے میں جائے اسی فرقے کے بڑے نام کی صدا لگا کر بھیک مانگ سکے۔

(3)

ساتوں دن بھگوان کے، کیا منگل کیا پیر

جس دن سوئے دیر تک بھوکا رہے فقیر

ہر دن اللہ کا بنایا ہوا ہے چاہے وہ منگل ہو یا پیر۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان جب کوشش کرتا ہے تو اس کو رزق ملتا ہے۔ چاہے کوئی دن ہو اگر گھر میں سویا رہے تو اسے کھانا نہیں ملتا بلکہ اس کے لیے کوشش کرنا چاہیے۔

(4)

سب کی پوجا ایک سی، الگ الگ ہر ریت

مسجد جائے مولوی، کوئل گائے گیت

مذہب کے نام پر انسانوں کو بانٹنا کسی طرح سے جائز نہیں ہے۔ سارے انسان ایک ہی پیدا کرنے والے کی مخلوق ہیں اگرچہ ان کی عبادت کا طریقہ الگ ہے۔ مولوی مسجد میں جا کر قرآن پڑھے یا پجاری مندر میں بھجن گائے۔ سب کو ایک دوسرے کا احترام کرنا چاہیے۔

(5)

چاہے گیتا باچیے یا پڑھیے قرآن
میرا تیرا پیار ہی، ہر پستک کا گیان

چاہے انسان قرآن کی تلاوت کرے یا گیتا کے اشلوک پڑھے۔ اگر اس کے اندر انسانیت نہیں پائی جاتی تو سب بیکار ہے۔ ان کتابوں سے جو چیز ہمیں سیکھنی چاہیے وہ ہے انسانیت۔ یہی پیغام تمام آسمانی کتابوں میں بیان ہوا ہے۔

(6)

گھر والے گھر پر لکھیں، ولیم ارجن خان
مٹی سے مٹی کہے سارے ایک سمان

اس دوہے میں ولیم، ارجن اور خان ترتیب وار عیسائیت، ہندو دھرم اور اسلام کی نمائندگی کرتے ہیں۔ انسانوں کا مذہب خواہ کوئی ہو سب کی حقیقت ایک ہے یعنی سب مٹی سے بنے ہیں اور مٹی کی ذات ایک ہوتی ہے اس لیے سارے انسان برابر ہیں۔

(7)

نقشہ لے کر ہاتھ میں، بچہ ہے حیران
کیسے دیمک کھا گئی اس کا ہندوستان

مذہب کے نام پر بغض و نفرت، قتل و غارت گری نے پیارے ملک ہندوستان کی شکل بگاڑ دی ہے۔ ہزاروں سال کی تہذیب، بھائی چارہ اور ایک دوسرے کے ساتھ نیک برتاؤ یہی اس ملک کی خصوصیت تھی۔ ہندوستان کا اصلی نقشہ محبت اور بھائی چارے سے بنا تھا لیکن نفرت کی دیمک نے اس نقشے کو بگاڑ دیا۔

(8)

میں رویا پردیس میں بھیگا ماں کا پیار
دکھ نے دکھ سے بات کی بن چٹھی بن تار

ماں کی ذات وہ واحد ذات ہے کہ جب اس کی اولاد کسی پریشانی یا دکھ میں ہوتی ہے تو ماں کو خود بخود اس کی خبر ہو جاتی ہے۔ اس کے لیے کسی خط و کتابت کی ضرورت نہیں ہوتی ہے۔ ماں کو اپنی اولاد سے جو قلبی لگاؤ ہوتا ہے وہ اسے پریشان کر دیتا ہے۔

مشکل الفاظ:

مماثل	مانند، مثل	Similar / Alike
جزو	حصہ	Part / Portion

صنف	قسم	Type / Category / Kind
رشد	کامیابی	Growth / Development / Success
رجحان	رجحان، میل	Trend / Inclination / Tendency
عوام	عوام	Public / People
بانی	بولی، بات	Founder / Creator
سیتل	نرمی	Softness / Tenderness
ہردے	دل	Heart / Mind
مکھ	منہ	Mouth / Face
برچھا	درخت	Tree / Plant
سمرن	یاد کرنا	Remembering / Remembrance
بھور	صبح	Morning
آکاش	آسمان	Sky / Heavens
حُب دنیا	دنیا کی محبت، طلب	Love of the world / Worldly desires
کٹل بچن	کڑوی بات	Bitter words / Harsh speech

مشقیں:

مشق 1: نیچے دیے گئے الفاظ کی مدد سے خالی جگہوں کو پُر کیجیے۔

دوہا، ہندی، زبان، چار، بیری، پراکرت، ابتدا، ہاتھ، ہندوستان

i. دوہا..........................شاعری کی قدیم صنف ہے۔

ii. دوہا صنف..........................سے ہندی زبان میں آئی۔

iii. بابا فرید الدین گنج شکر سے اردو زبان میں دوہے کی..........................ہوتی ہے۔

iv. جا کو راکھے سائیاں مار سکے نہ کوئے بال نہ بانکا کر سکے جو جگ..........................ہوئے۔

v. نقشہ لے کر..........................میں بچہ ہے حیران کیسے دیمک کھا گئی اس کا..........................

مشق2: درج ذیل دوہوں کی اپنے الفاظ میں تشریح کیجیے۔

گھر والے گھر پر لکھیں، ولیم ارجن خان
مٹی سے مٹی کہے سارے ایک سمان

....

....

سب کی پوجا ایک سی، الگ الگ ہر ریت
مسجد جائے مولوی، کوئل گائے گیت

بولی تو انمول ہے ، جو کوئی جانے بول
ہر دے ترازو تول کر ، تب مکھ باہر کھول

....

....

....

....

....

14.3 ماہیا

14.3.1 ماہیا کی تعریف:

ماہیا پنجابی زبان کی ایک صنف ہے، جس کا تعلق پنجابی لوک ادب سے ہے۔ماہیا پنجاب کے دیہاتوں میں بطور گیت گایا جاتا ہے۔ماہیا لفظ "ماہی" سے نکلا ہے جس کے معنی پنجابی میں محبوب کے ہیں۔ لیکن ماہیا سے مراد محبوب کو پکارنے کے ہیں۔

ماہیا کے بارے میں ایک رائے یہ بھی ہے کہ پنجابی زبان میں بھینس کو "مہیں" کہتے ہیں اور چرواہے کو ماہی کہا جاتا ہے۔ چرواہے اپنی دیہاتی زبان میں وقت گزاری کے لیے بانسری بجانے اور گیت گانے میں اپنے کو مشغول رکھتے تھے۔ لہٰذا اس صنف کو چرواہوں کے گیت کی نسبت سے ماہیا کہا جانے لگا۔ اس خیال کی تائید میں یہ بات کہی جاتی ہے کہ جب سوہنی اور مہیوال ایک دوسرے کو پانے کے لیے چرواہے بنے اور ایک دوسرے کو مخاطب کر کے جو گیت گائے اسے ماہیا کہا جانے لگا۔

ماہیا تین مصرعوں کی نظم ہوتی ہے جس کا پہلا اور تیسرا مصرع ہم قافیہ اور ہم وزن ہوتا ہے جب کہ درمیانی مصرعے میں دو حرف کم ہوتے ہیں۔یہی خصوصیت اسے ثلاثی سے جدا کرتی ہے۔ جس میں تینوں مصرعے برابر ہوتے ہیں۔

ماہیا کی سب بڑی خوبی اس کی نغمگی اور اس میں پائی جانے والی تڑپ ہے۔جو سننے والے کے احساسات وجذبات کو اپنی گرفت میں لے لیتی ہے۔ماہیے میں عوام کے احساسات اور جذبات کا براہ راست اظہار ملتا ہے۔پنجابی زبان میں اس صنف کی شاندار تاریخ ملتی ہے۔اردو میں اس کی ابتدا ہمت رائے شرما نے 1936 میں کی۔انہوں نے ابتدائی ماہیے فلم "خاموشی" کے لیے لکھے جو یہ ہیں۔

سرمست فضائیں ہیں
پیتم پریم بھری
پھاگن کی ہوائیں ہیں

اشکوں میں روانی ہے
آنسو پی پی کر
مدہوش جوانی ہے

اک بار تو مل ساجن
آکر دیکھ ذرا
ٹوٹا ہوا دل ساجن

اردو میں ماہیا نگاری کے فروغ میں ایک اہم نام چراغ حسن حسرت کا ہے۔حسرت کلکتہ سے نکلنے والے اخبار "نئی دنیا" میں کولمبس نام سے مزاحیہ کالم لکھا کرتے تھے۔1930 کے بعد وہ کلکتہ سے لاہور آ گئے۔لاہور آنے کے بعد وہ مختلف اخبارات سے منسلک رہے۔ 1937 کے قریب پنجابی ماہیا سے متاثر ہو کر چراغ حسن حسرت نے اردو میں ماہیا لکھنا شروع کیا۔یہ بات بھی مشہور ہے کہ مولانا چراغ حسن حسرتؔ نے اردو میں ماہیا نگاری کا تجربہ فلم باغبان 1937 میں کیا اور تین مصرعوں پر مشتمل ماہیا نما گیت لکھا۔جو درج ذیل ہیں:

(1)

راوی کا کنارہ ہو
ہر موج کے ہونٹوں پر
افسانہ ہمارا ہو

(2)

باغوں میں پڑے جھولے
تم بھول گئے ہم کو
ہم تم کو نہیں بھولے

(3)

ساون کا مہینہ ہے
ساجن سے جدا ہو کر
جینا کوئی جینا ہے

ماہیا فلم اور ریڈیو کے وسیلے سے اردو میں متعارف ہوا۔ لیکن درمیان میں غیر شعوری طور پر ماہیا نما گیت یا نظمیں بھی تخلیق ہوئیں اور ان کو ماہیا کہا جانے لگا۔

14.3.2 منتخب ماہیے:

دنیا کے جھمیلے ہیں
باہر سے بہت رونق
اندر سے اکیلے ہیں

تنہائی سے ڈرتے ہیں
دیواروں پہ کمرے کی
سائے سے ابھرتے ہیں

ٹھہرا ہوا پانی ہے
بوسیدہ عقائد ہیں
تہذیب پرانی ہے

آکاش پہ بدلی ہے
تھوڑا تو ٹھہر جاو

کیا جانے کی جلدی ہے

دیوار پہ کاں بولا
کس آس پہ گوری نے
دروازہ کھلا چھوڑا

(سیدہ حنا)

خوشیوں کی گھڑی آئی
آنکھ کے صحرا میں
یادوں کی جھڑی آئی
پیپل کی گھنی چھایا
گذرے زمانے کا
سایہ کوئی لہرایا

اک رُوح کا قصہ ہے
میرے بدن ہی کا
جو گم شدہ حصہ ہے

جنموں کی اُداسی ہے
جسم ہے آسُودہ
پَر رُوح تو پیاسی ہے

مسجد ہے نہ مندر ہے
دل یہ ہمارا تو
اک دکھ کا سمندر ہے

مل خاک نشینوں سے

چاند طلوع ہوتے

ہیں جن کی جبینوں سے

(حیدر قریشی)

مشکل الفاظ:

ثلاثی	جس میں تین مصرعے پائے جاتے ہیں	A form of poetry with three lines / Triplet
جزو	حصہ	Part / Portion
احساس	احساس	Sense / Feeling / Perception
جذبات	جذبات	Emotions / Feelings
ساجن	محبوب	Beloved / Lover
عقائد	عقیدہ کی جمع	Beliefs / Faiths
تہذیب	تہذیب	Civilization / Culture
آکاش	آسمان	Sky / Heavens
کاگ	کوا	Crow
صحرا	جنگل	Desert
قصہ	کہانی	Story / Tale
جنم	پیدائش، خلقت	Birth / Creation

مشقیں:

مشق 1: ذیل میں دیے گئے نامکمل ماہیے کو مکمل کیجیے۔

دنیا کے جھمیلے ہیں

....

اندر سے اکیلے ہیں

اک رُوح کا قصہ ہے

....................ہی کا

جو گم شدہ حصہ ہے

خوشیوں کی گھڑی آئی

آنکھ کے صحرا میں

یادوں کی........................

مشق 2: ایسے تین ماہیے لکھیے جن میں لفظ "آکاش، مندر، تہذیب" استعمال ہوئے ہیں۔

i. ....

ii. ....

iii. ....

14.4 قطعہ

14.4.1 قطعہ کی تعریف:

قطعہ عربی زبان کا لفظ ہے جس کے لغوی معنی ٹکڑے، حصے یا جز کے ہوتے ہیں۔ اردو شاعری کی اصطلاح میں قطعہ ایسی نظم کو کہتے ہیں جو دو یا دو سے زیادہ اشعار پر مشتمل ہو۔ قطعہ میں مطلع کا ہونا ضروری نہیں ہے۔ مگر ہر شعر کے دوسرے مصرعے میں قافیہ کی پابندی لازمی ہے۔

قطعہ کے لیے اوزان کی کوئی قید نہیں ہے۔ یہ لمبی اور چھوٹی بحر دونوں میں لکھے جاسکتے ہیں۔ لیکن قطعات کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے اشعار بے ربط نہیں ہوتے بلکہ آپس میں ایک زنجیر کی طرح ملے ہوتے ہیں۔ ان کے اشعار میں مطابقت ضروری ہے تاکہ مکمل معنی سمجھ میں آجائیں۔ قطعات عام طور سے اخلاقی درس یا نصیحتوں پر مشتمل ہوتے ہیں۔

دوسری اصناف سخن جیسے قصیدہ اور غزل کی طرح قطعہ نگاری کی ابتدا بھی عربی زبان سے ہوئی۔ عربی سے فارسی اور فارسی سے اردو میں یہ صنف متعارف ہوئی۔

باقاعد طور پر اردو میں قطعہ نگاری کا آغاز اردو کے پہلے صاحب دیوان شاعر محمد قلی قطب شاہ کے دورِ حکومت سے ہوتا ہے۔ جہاں مختلف شعرا نے اس فن میں طبع آزمائی کی۔ خود محمد قلی قطب شاہ کی کلیات میں مختلف موضوعات پر قطعات پائے جاتے ہیں۔

شمالی ہند میں بھی اردو شاعری کی دیگر اصناف سخن کے ساتھ صنف قطعہ نگاری کا فروغ ہوا۔ کلاسیکی شعرا شاہ حاتم، سوداؔ، قائمؔ، میرؔ، جراتؔ، مصحفیؔ، رنگینؔ، آتشؔ۔ غالبؔ، انیسؔ وغیرہ نے قطعات لکھ کر اس فن کو وسعت بخشی۔

سرسید احمد خاں کی تحریک کے زیر اثر لکھنے والوں میں حالی اور شبلیؔ اور بعد کے شعرا میں اسماعیل میرٹھی نے بچوں کے لیے سادہ اوراخلاق آموز قطعات لکھے تو اکبر الہ آبادی نے سیاسی، تہذیبی اور تمدنی مسائل کو اپنے مخصوص مزاحیہ انداز میں قطعات کی صورت میں لکھا۔ یہاں نمونے کے طور پر چند قطعات دیے جارہے ہیں جن کے مطالعہ سے آپ کو اس صنف کو سمجھنے میں آسانی ہوگی۔

14.4.2 منتخب قطعات:

(1)

جب لطف و کرم سے پیش آئے محبوب
اگلے رنجوں کو بھول جانا اچھا
جب مثل نسیم وہ گلے سے لگ جائے
مانند کلی کے پھول جانا اچھا

(2)

بے پردہ کل جو آئیں نظر چند بیبیاں
اکبر زمیں میں غیرت قومی سے گڑ گیا
پوچھا جو ان سے آپ کا پردہ وہ کیا ہوا
کہنے لگیں کہ عقل پر مردوں کی پڑ گیا

(3)

جو پوچھتا ہے کوئی سرخ کیوں ہیں آج آنکھیں
تو آنکھ مل کے میں کہتا ہوں رات سو نہ سکا
ہزار چاہوں مگر یہ نہ کہہ سکوں گا کبھی
کہ رات رونے خواہش تھی اور رو نہ سکا

زندگانی کا پاسدار ہے آج
شہر عظمت کا شہریار ہے آج
کل تک اک بلبلہ تھا پانی کا
آدمی بحر بے کنار ہے آج

تھک گئے ہیں قدم تو غم کیا ہے
راہ میں بھی ہیں خم تو غم کیا ہے
اے مسافراگر ترے دل میں
عزم ہے تازہ دم تو غم کیا ہے

یوں تری یاد مسکراتی ہے
فکر واحساس کے غباروں میں
جیسے کوئی بہار کا جھونکا
خشک صحرا کے ریگ زاروں میں

مشکل الفاظ:

حسرت ویاس	ناامیدی،مایوسی	Despair / Disappointment
پاس	لحاظ،احترام	Respect / Regard
زیست	زندگی	Life
حب	چاہت	Affection / Love
حمد	جس میں اللہ کی تعریف کی جائے	Praise of God
نعت	جس میں پیغمبر محمدؐ کی تعریف کی جائے	Praise of Prophet Muhammad
منقبت	جس میں اہل بیت اطہار اور اولیائے کرام کی مدح کی جائے	Praise of Ahl-e-Bait or saints
عزم	ارادہ	Determination / Resolve
آرزو	تمنا	Desire / Wish

مشقیں:

مشق 1: قطعہ کی تعریف دو جملوں میں بیان کیجیے۔

....

....

....

مشق 2: اپنا پسندیدہ قطعہ لکھیے۔

....

....

14.5 اکتسابی نتائج

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ نے درج ذیل باتیں سیکھیں:

- دوہا ہندی شاعری کی قدیم صنف ہے۔ یہ صنف پراکرت سے ہندی زبان میں آئی۔ وہاں سے اردو میں آئی۔
- اس کے دو مصرعے ہوتے ہیں، جو چار حصوں میں تقسیم کیے جاتے ہیں۔ ہر مصرع کا پہلا جز و 13 ماتروں (یک حرفی آوازوں) پر مشتمل ہوتا ہے، پھر وقفہ ہوتا ہے اور وقفہ کے بعد 11 ماترائیں ہوتی ہیں۔ اس طرح ایک مصرع میں کل 24 ماترائیں ہوتی ہیں۔ اور مکمل دوہا میں 48 ماترائیں ہوتی ہیں۔
- گیان چند جین نے دوہا کی تعریف اس طرح کی ہے: "یہ عروضی صنف ہے جو ایک شعر کے برابر ہوتی ہے۔ اس کے ہر مصرع میں 24 ماترائیں ہوتی ہیں۔ مصرع کے پہلے جز میں 13 ماترا۔ اس کے بعد وقفہ اور دوسرے جز میں 11 ماترا۔
- دوہا کے فروغ اور اس میں مختلف موضوعات کے ذریعہ تعلیم وہدایت کام لینے والوں میں سرہپا، چندر بردائی، بارہٹ، بابا فرید الدین مسعود گنج شکر، بوعلی قلندر، خسرو، کبیر، گرونانک، تلسی داس، کیشو داس، سور داس، بہاری لال، دیورت دیو کوی ھستی رام، ملک محمد جائسی، خان خاناں اور دیگر شعرا کے نام اہمیت کے حامل ہیں۔
- ماہیا پنجابی زبان کی ایک صنف ہے۔ جس کا تعلق پنجابی لوک ادب سے ہے۔ جو پنجاب کے دیہاتوں میں بطور گیت گایا جاتا ہے۔
- ماہیا لفظ "ماہی" سے نکلا ہے جس کے معنی پنجابی میں محبوب کے ہیں۔ لیکن ماہیا سے مراد محبوب کو پکارنے کے ہیں۔
- ماہیا تین مصرعوں کی ایک نظم ہوتی ہے جس کا پہلا اور تیسرا مصرع ہم قافیہ اور ہم وزن ہوتا ہے جب کہ درمیانی مصرع میں دو حرف کم ہوتے ہیں۔ یہی خصوصیت اسے ثلاثی سے جدا کرتی ہے۔ جس میں تینوں مصرعے برابر ہوتے ہیں۔
- پنجابی زبان میں اس صنف کی شاندار تاریخ ملتی ہے۔ اردو میں اس کی ابتدا ہمت رائے شرما نے 1936 میں کی۔ انہوں نے اپنے ابتدائی ماہیے فلم "خاموشی" کے لیے لکھے۔
- اردو میں ماہیا نگاری کے فروغ میں ایک اہم نام چراغ حسن حسرت کا ہے۔

- 1937 کے قریب پنجابی ماہیا سے متاثر ہو کر چراغ حسن حسرت نے اردو میں ماہیا لکھنا شروع کیا۔
- قطعہ عربی زبان کا لفظ ہے جس کے لغوی معنی ٹکڑے، حصے یا جز کے ہوتے ہیں۔
- اردو شاعری کی اصطلاح میں قطعہ ایسی نظم کو کہتے ہیں جو دو یا دو سے زیادہ اشعار پر مشتمل ہو۔ قطعہ میں مطلع کا ہونا ضروری نہیں ہے۔ مگر ہر شعر کے دوسرے مصرعے میں قافیہ کی پابندی لازم ہے۔
- اردو میں قطعہ نگاری کا آغاز اردو کے پہلے صاحب دیوان شاعر محمد قلی قطب شاہ کے دورِ حکومت سے ہوتا ہے۔ خود محمد قلی قطب شاہ کی کلیات میں مختلف موضوعات پر قطعات پائے جاتے ہیں ۔ انہوں نے حمد، نعت، منقبت، مدحت، مناظر فطرت، موسم، مذہبی و قومی تہوار، شاہی رسومات، کھیل تماشے، عشق و محبت وغیرہ پر قطعات لکھ کر اردو قطعہ نگاروں کو ہر طرح کے موضوعات پر طبع آزمائی کے لیے بنیاد فراہم کی۔
- سرسید تحریک سے متاثر شعرا میں حالی اور شبلی اور بعد کے شعرا جن میں اسماعیل میرٹھی، اکبر الہ آبادی، اقبال، شاد عظیم آبادی اور ریاض خیر آبادی وغیرہ نے اخلاق و حکمت، سیاست و فلسفہ جیسے موضوعات پر قطعات لکھے۔

14.6 نمونہ امتحانی سوالات

14.6.1 معروضی سوالات:

1۔ دوہے میں کتنے مصرعے ہوتے ہیں؟

(a) دو (b) چار (c) پانچ (d) سات

2۔ دوہے کے ہر ایک مصرعے میں کتنی ماترائیں ہوتی ہیں؟

(a) 20 (b) 24 (c) 30 (d) 10

3۔ کٹل بچن سے کیا مراد ہے؟

(a) میٹھی بات (b) سچی بات (c) جھوٹی بات (d) کڑوی بات

4۔ یہ دوہا "جا کو راکھے سائیاں مار سکے نہ کوئے" کس کا ہے؟

(a) امیر خسرو (b) کبیر (c) ملک محمد جائسی (d) تلسی داس

5۔ ماہیا کس زبان کا لفظ ہے؟

(a) اردو (b) فارسی (c) سندھی (d) پنجابی

6۔ اردو میں ماہیا نگاری کی ابتدا کس نے کی؟

(a) خسرو (b) ہمت رائے شرما (c) حیدر قریشی (d) ساحر لدھیانوی

7۔ چراغ حسن حسرت اپنا مزاحیہ کالم کس نام سے لکھا کرتے تھے؟

(a) تراشے (b) ہنسنا منع ہے (c) کولمبس (d) اپنی بات

8۔ "آکاش"(Sky) کی ضد(Opposite) کیا ہے؟

(a) زمین (b) دریا (c) چاند (d) سورج

9۔ قطعہ کے لغوی معنی کیا ہیں؟

(a) ٹکڑے (b) مکمل (c) نصف (d) نامکمل

10۔ قطعہ میں کم سے کم کتنے اشعار ہوتے ہیں؟

(a) پانچ (b) دو (c) تین (d) دس

14.6.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات:

1۔ نیچے دیے گئے دوہے کا مطلب لکھیے۔

جاکو راکھے سائیاں مار سکے نہ کوئے
بال نہ بانکا کرسکے جو جگ بیری ہوئے

2۔ کبیر داس کے کوئی دو، دوہے لکھیے۔

3۔ اردو میں ماہیا نگاری کے فروغ میں چراغ حسن حسرت کی خدمات کیا ہیں؟

4۔ قطعہ کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں لکھیے۔

5۔ اپنا پسندیدہ قطعہ لکھیں۔

14.6.3 طویل جوابات کے حامل سوالات:

1۔ دوہا کے بارے میں اپنے خیالات بیان کیجیے۔

2۔ ماہیا کی تعریف اور اس کی ابتدا کے بارے میں ایک نوٹ لکھیے۔

3۔ قطعہ کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟ لکھیے۔

14.6.1 کے جوابات: a-1 b-2 d-3 b-4 d-5

b-6 c-7 a-8 a-9 b-10

اکائی 15: پہیلی، کہہ مکرنی، دوسخنے

اکائی کے اجزا

15.0		تمہید
15.1		مقاصد
15.2		پہیلی
	15.2.1	پہیلی کی تعریف
	15.2.2	منتخب پہیلیاں
15.3		کہہ مکرنی
	15.3.1	کہہ مکرنی کی تعریف
	15.3.2	منتخب کہہ مکرنیاں
15.4		دوسخنے
	15.4.1	دوسخنے کی تعریف
	15.4.2	منتخب دوسخنے
15.5		اکتسابی نتائج
15.6		نمونہ امتحانی سوالات

15.0 تمہید

قدیم زمانے میں جب کہ ریڈیو، ٹیلی ویژن، موبائل اور انٹرنیٹ کی ایجاد نہیں ہوئی تھی۔ بچوں اور بڑوں کی تفریح، دل بہلائی اور وقت گزاری کے مشغلے کچھ اور تھے۔ اس زمانے میں بچوں کو کرکٹ کا کھیل بھی معلوم نہیں تھا۔ آنکھ مچولی، لنگوری یا کنچے کھیلتے۔ اور رات کے وقت بستر پر لیٹ کر دادی اماں سے کہانیاں سنتے۔ اور کہانی سنتے سنتے سو جاتے۔ کہانیاں سنانے کے علاوہ دادی اماں بچوں سے پہیلیاں بھی بجھاتی تھیں۔ خود بچے آپس میں پہیلیاں بجھاتے۔ بچوں کے علاوہ بڑی عمر کے لوگوں کو بھی کہانی سننے اور پہیلیاں بوجھنے کا شوق ہوتا تھا۔ گاؤں کے چوپال میں جہاں دنیا بھر کی باتیں ہوتیں وہیں قصے کہانیاں بھی سنائی جاتیں اور پہیلیاں بوجھنے کا بھی دور چلتا تھا۔ پہیلیوں سے ملتی جلتی کچھ اور

چیزیں بھی تھیں جن کا حل سننے والوں کو غور کر کے بتانا پڑتا تھا۔ جیسے دوسخنے، کہہ مکرنیاں وغیرہ۔ وقت بدلنے کے ساتھ یہ ساری روایتیں رفتہ رفتہ ہمارے سماج سے غائب ہو گئی ہیں۔ گیت کی طرح کہانی، پہیلیاں، دوسخنے، کہہ مکرنیاں وغیرہ عوامی ادب یا لوک ادب کا اہم حصہ ہیں۔ ان میں انسانی سماج، تہذیب، نفسیات اور انداز فکر کے مختلف پہلو پوشیدہ ہوتے ہیں۔ اس لیے آج کل لوک ادب کو بڑی اہمیت دی جا رہی ہے۔ اس اکائی میں ہم عوامی ادب کی اہم اصناف، پہیلی، کہہ مکرنی اور دوسخنے کا مطالعہ کریں گے۔

15.1 مقاصد

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- پہیلی، کہہ مکرنی اور دوسخنے کی تعریف بیان کر سکیں۔
- پہیلیاں، کہہ مکرنیاں اور دوسخنے کن موضوعات پر لکھے جاتے ہیں۔ اس کے بارے میں گفتگو کر سکیں۔
- ان اصناف کو صحیح تلفظ کے ساتھ پڑھ سکیں۔

15.2 پہیلی

15.2.1 پہیلی کی تعریف:

پہیلی سنسکرت زبان کا لفظ ہے جس کے معنی گول مول بات، مبہم و پوشیدہ بات، معما کے ہیں۔ اصطلاح میں ایسی بات یا مسئلہ جس کا جواب آسان نہ ہو اور جس کو حل کرنے کے لیے سے غور و فکر کرنا پڑے۔ اسے پہیلی کہتے ہیں۔

پہیلیاں اور ان سے ملتی جلتی تمام اصناف ایک طرح کی دماغی ورزش ہیں۔ کیونکہ ان کا جواب بوجھنے کے لیے ذہن کو تیزی سے حرکت میں لانا اور تیزی سے غور و فکر کر کے جلدی سے جواب سوچنا پڑتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس سے ذہنی قوتوں کی نشو و نما ہوتی ہے۔

پہیلی میں کسی شخص یا چیز کا نام نہ لے کر اس کی صفات کو بیان کیا جاتا ہے تاکہ سننے والا اپنے عقل و فہم کی مدد سے اس کی مراد کو سمجھ سکے۔ فارسی زبان میں اسے چیستان اور عربی میں معما کہتے ہیں۔

ہندوستان میں پہیلیوں کی روایت بہت قدیم ہے۔ قدیم مذہبی کتابوں جیسے رگ وید اور اپنشد میں بھی پہیلیاں ملتی ہیں۔ سنسکرت زبان میں بھی پہیلیاں پائی جاتی ہیں۔ لیکن اردو ادب میں عوامی ادب کی ایک روایت کے طور پر سب سے پہلے امیر خسروؔ نے پہیلیاں لکھنا شروع کیا۔ ان کی پہیلیاں آج بھی اتنی ہی مشہور ہیں جتنی ان کے زمانے میں تھیں۔ ان میں سادگی اور لطافت پائی جاتی ہے۔ امیر خسرو کے بعد بہت کم لوگوں نے پہیلی کی طرف توجہ دی۔

امیر خسرو کے بعد جن شعرا نے اس فن کی طرف توجہ دی ان میں انشا اللہ خان انشا، مرزا محمد رفیع سوداؔ اور حکیم آغا جان عیش وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔ موجودہ دور میں شان الحق حقی نے کثرت سے پہیلیاں لکھی ہیں۔

15.2.2 منتخب پہیلیاں:

ذیل میں امیر خسرو سے منسوب کچھ پہیلیاں دی گئی ہیں۔ انھیں غور سے پڑھیے اور ان کے جواب بوجھنے کی کوشش کیجیے۔ بعد میں دیا گیا جواب دیکھیے۔

(1)

فارسی بولی آئی نا
ترکی ڈھونڈی پائی نا
ہندی بولوں آرسی آئے
خسروؔ کہے کوئی نہ بتائے

جواب: آئینہ

(2)

جل کر بنے جل میں رہے
آنکھوں دیکھا خسرو کہے

جواب: کاجل

(3)

بالا تھا جب سب کو بھایا
بڑا ہوا کچھ کام نہ آیا
خسرو کہہ دیا اس کا ناؤں
ارتھ کرو نہیں چھاڑو گاؤں

جواب: دیا

(4)

دس ناری کا ایک ہی نر
بستی باہر وا کا گھر
پیٹھ سخت اور پیٹ نرم
منہ میٹھا تاثیر گرم

جواب: خربوزہ

(5)

ایک سمے اک پنچھی آئے
ٹک دیکھے اور پھر چھپ جائے
بوجھ کے اٹھیو قسم ہے تم پر
آگ بنا اجیارا دم پر

جواب: جگنو

(6)

آنا جانا اس کا بھائے
جس گھر جائے لکڑی کھائے

جواب: آری

(7)

ایک ناری کے دو بالک
دونوں ایک ہی رنگ
ایک پھرے ایک ٹھارا رہے
پھر بھی دونوں سنگ

جواب: چکی

(8)

چپکے چپکے سب کو گھورے
عیب گناوے سب کے پورے
جس تس سے روز آنکھ لڑائے
شرم تو اس کو آئی نہ آئے

جواب: آئینہ

(9)

ڈبکی کھا کر آئی نکل
دیکھ کے نیت جائے پھسل

دیکھنے میں تو پھول نہ پھل
کہنے کو ایک پھول اور پھل

جواب: گلاب جامن

مشکل الفاظ:

بالا	بچا	Child / Kid
ناؤں	نام	Name
آرسی	ہاتھ کے انگوٹھے میں پہننے کا ایک انگشتری نما زنانہ زیور جس میں نگینے کی جگہ منہ دیکھنے کا شیشہ جڑا ہوتا ہے	Ring-shaped finger ornament with mirror
ارتھ	مطلب	Meaning / Sense
بروا	بچہ، ننھا لڑکا	Child / Little boy
اچرج	عجیب	Strange / Amazing
لیکھا	لکھا ہوا	Written / Record
اپجے	اُگے	Sprouted / Grown
برہ	جدائی	Separation / Distance
واکے	اس کے	His / Her / Its
پھاٹت	پھٹتا ہے	Bursts / Splits
ہڑکے	ترسے، شدید طلب ہو	Longing / Desire
اپنا آپا	اپنا وجود، اپنی ذات	One's own self / existence
مبہم	وہ بات جس کا مطلب سمجھ میں نہ آئے	Ambiguous / Unclear
معمہ	crossword, puzzle, riddle	Puzzle / Riddle
اصطلاح	Term	Term / Expression

مشقیں:

مشق 1: پہیلی کسے کہتے ہیں؟ دو جملوں میں بیان کیجیے۔

....

....

....

مشق2: درج ذیل پہیلیوں کے جواب بتائیے۔

(الف) ایک ناری کے دو بالک دونوں ایک ہی رنگ
ایک پھرے ایک ٹھارا رہے پھر بھی دونوں سنگ

جواب: ....

(ب) جل کر بنے جل میں رہے
آنکھوں دیکھا خسرو کہے

جواب: ....

مشق3: سب سے پہلے کس شاعر نے پہیلیاں کہنا شروع کیا؟

جواب: ....

15.3 کہہ مکرنی

15.3.1 کہہ مکرنی کی تعریف:

کہہ مکرنی کا مطلب ہے کہی ہوئی بات سے مکر جانا۔ یہ شاعری کی قدیم صنف ہے جو عورتوں سے مخصوص ہے۔ اس لیے عورتوں کی زبان میں ہوتی ہے۔ اس میں دو عورتیں یا دو سہیلیاں بات کر رہی ہوتی ہیں۔ ایک سہیلی کی زبان سے جو بات سامنے آتی ہے اس کے دو معنی ہوتے ہیں۔ ایک سے اس کا محبوب مراد ہوتا ہے اور دوسرے سے کوئی اور چیز۔

اس صنف کی خاصیت یہ ہے کہ اس کا جواب بھی اس کے آخری مصرع میں ہوتا ہے۔ کہہ مکرنی چار مصرعوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ شروع کے تین مصرعوں سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ عورت اپنے محبوب، ساجن، شوہر وغیرہ کا ذکر کر رہی ہے لیکن چوتھے مصرعے میں اس شک کو دور کرکے کوئی اور چیز مراد لے لی جاتی ہے۔ گویا پہلے تین مصرعوں میں مخاطب کو مغالطے یا دھوکے میں رکھا جاتا ہے اور چوتھے مصرعے میں اس کی غلط فہمی دور کی جاتی ہے۔

کہہ مکرنی کے پہلے دو مصرعے ایک قافیے میں ہوتے ہیں۔ اور آخری دو مصرعے دوسرے قافیے میں۔ تیسرے مصرع کا قافیہ اس کہہ مکرنی کا کلیدی لفظ ہوتا ہے اور اسی مناسبت سے کہہ مکرنی کا حل اس کا ہم قافیہ لفظ ہوتا ہے۔ اس کی مثال ملاحظہ ہو:

آتا دیکھ تھامے ڈنڈے
ساتھ لیے دو دو مسٹنڈے
پردہ چھوڑ میں اوٹ میں ہولی
اے سکھی ساجن؟ نا سکھی ڈولی

اس میں پہلے کے دو مصرعے ہم قافیہ ہیں۔ تیسرے مصرعے میں ہولی کی رعایت سے اس پہیلی کا حل ڈولی بتایا گیا ہے۔ کہہ مکرنی کی ایجاد امیر خسروؔ نے کی۔ یہ ان کی پسندیدہ صنف تھی۔ انہوں نے کہہ مکرنیوں کو فروغ دیا، لیکن ان کے بعد یہ صنف ترک ہو گئی۔

15.3.2 منتخب کہہ مکرنیاں:

(1)

جب مورے مندر میں آوے
سوتے مجھ کو آن جگاوے
پڑھت پھرت وہ برہ کے اچھر
اے سکھی ساجن ؟نا سکھی مچھر

(2)

چھوٹا موٹا، ادھک سہانا
جو دیکھے سو ہوئے دوانا
کبھی باہر، کبھی اندر
کا سکھی ، ساجن؟ نا سکھی، بندر

(3)

ننگے پاؤں پھرن نہیں دیت
پاؤں سے مٹی لگن نہیں دیت
پاؤں کا چوما لیت پنوتا
اے سکھی ساجن؟ نا سکھی جوتا

(4)

رین پڑے جب گھر میں آوے
وا کا آنا موکو بھاوے
لیے پردہ میں گھر میں لیا
اے سکھی ساجن؟ نا سکھی دیا

(5)

سونپ کے اس کو اپنا آپا
ہول اٹھے ہیں من میں کیا کیا
ڈھلمل ڈگمگ اس کے بھاؤ
اے سکھی ساجن؟ نا سکھی ناؤ

(6)

سارے جہاں سے ڈرتا ہے
خود سے باتیں کرتا ہے
من کے اندر ہے بے کل
اے سکھی ساجن؟ نا سکھی پاگل

(10)

باغوں کی یہ شان بڑھائے
زلفوں زلفوں اڑتا جائے
اس کا اپنا ایک اصول
اے سکھی بھونرا؟ نا سکھی پھول

مشکل الفاظ:

برہ	جدائی	Separation
واکے	اس کے	His/Her/Its

پھاٹت	پھٹتا ہے	Bursts/Splits
ہڑکے	ترسے، شدید طلب ہو	Longing
اپنا آپا	اپنا وجود، اپنی ذات	One's self
جیا	جان، دل	Life, Heart
ادھک	زیادہ	More
پڑھت	پڑھتا ہے	Reads
پھرت	پھرتا ہے	Moves, Turns
سگری	ساری	Entire, Whole
ساجن	محبوب	Beloved
سکھی	سہیلی	Friend (female)
بھور	صبح	Morning
دوانا	دیوانہ، پاگل	Mad, Crazy
زلف	بال	Hair

مشقیں:

مشق 1: کہہ مکرنی کسے کہتے ہیں؟

....

....

مشق 2: امیر خسرو کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟

....

....

مشق 3: اپنی من پسند کہہ مکرنی لکھیے۔

....

....

15.4 دوسخنے

15.4.1 دوسخنے کی تعریف:

فارسی زبان میں سخن کے معنی بات، گفتگو کے ہیں۔اردو میں یہ اسی معنی میں استعمال ہوتا ہے۔شاعری کی اصطلاح میں "دوسخنے" اس صنف کو کہا جاتا ہے جس میں ایک سے زیادہ سوال مزاحیہ یا چٹکلے انداز میں پوچھے جاتے ہیں، جن کا ایک ہی جواب ہوتا ہے۔ لیکن اس کا سیاق وسباق مختلف ہوتا ہے۔ گویا یہ ذہنی آزمائش ہے جس میں دو بے جوڑ باتوں کا جواب ایک ہی ہوتا ہے، جیسے گوشت کیوں نہ کھایا، ڈوم کیوں نہ گایا – جواب: گلانہ تھا۔ (یعنی گوشت گلانہ تھا سخت تھا اس لیے نہیں کھایا۔ اسی طرح یہ بھی کہ ڈوم کا گلا خراب تھا ساتھ نہیں دے رہا تھا اس لیے نہیں گایا) ہندوستانی زبان میں اس صنف کی ایجاد امیر خسرو نے کی ہے۔ امیر خسرو کے دوسخنے خاص شہرت رکھتے ہیں۔ دوسخنے بھی ایک طرح کی پہیلیاں یا معمے ہوتے ہیں۔ اگرچہ ان کا کوئی وزن نہیں ہوتا ہے مگر قافیہ پایا جاتا ہے۔ اردو میں صرف امیر خسروؔ سے منسوب دوسخنے پائے جاتے ہیں۔

15.4.2 منتخب دوسخنے:

(1)

انار کیوں نہ چکھا
وزیر کیوں نہ رکھا
دانانہ تھا

(2)

دہی کیوں نہ جما
نوکر کیوں نہ رکھا
ضامن نہ تھا

(3)

سنبوسا کیوں نہ کھایا
جوتا کیوں نہ پہنا
تلانہ تھا

(4)

گھر کیوں اندھیارا

فقیر کیوں بڑبڑایا

دیا نہ تھا

(5)

گوشت کیوں نہ کھایا

ڈوم کیوں نہ گایا

گلا نہ تھا

(6)

پنڈت کیوں نہ نہایا

دھوبن کیوں ماری گئ

دھوتی نہ تھی

(7)

کھچڑی کیوں نہ پکائی

کبوتری کیوں نہ اڑائی

چھڑی نہ تھی

(8)

مسافر پیاسا کیوں

گدھا اُداسا کیوں

لوٹا نہ تھا

(9)

جوگی کیوں بھاگا

ڈھولکی کیوں نہ بجی

مڑھی نہ تھی

(10)

روٹی کیوں جلی

پان کیوں سڑا

پھیرا نہ تھا

(11)

دیوار کیوں ٹوٹی

راہ کیوں لوٹی

راج نہ تھا

(12)

دربار کیوں گئے

زمین پر کیوں بیٹھے

چوکی نہ تھی

(13)

پانی کیوں نہ بھرا

ہار کیوں نہ پہنا

گڑھا نہ تھا

(14)

کھانا کیوں نہ کھایا

جامہ کیوں نہ دھلوایا

میل نہ تھا

مشکل الفاظ:

مسجع نثر	وہ عبارت جس کے فقروں کے آخری الفاظ میں قافیہ ہو	Rhymed prose
معما	پہیلی، راز، بھید، پیچیدہ یا گھماو پھراو کی بات، ایسی	Puzzle, Riddle

بات جو جلدی سمجھ میں نہ آئے

وزیر	Minister	Minister
دانا	عقل مند	Wise, Intelligent
راہ	راستہ	Path, Way
جامہ	کپڑا	Garment, Cloth
بھاوے	تکلیف	Distress, Suffering

مشقیں:

مشق 1: دوسخنے کے بارے میں اپنے الفاظ میں لکھیے۔

....

....

مشق 2: ذیل میں دیے گئے دوسخنے کا جواب دیجیے۔

(1) پنڈت کیوں نہ نہایا دھوبن کیوں ماری گئ

جواب: ....

(2) سنبوسا کیوں نہ کھایا جوتا کیوں نہ پہنا

جواب: ....

(3) دربار کیوں گئے زمین پر کیوں بیٹھے

جواب: ....

15.5 اکتسابی نتائج

اس اکائی کے پڑھنے کے بعد آپ نے درج ذیل باتیں سیکھیں:

- پہیلی سنسکرت زبان کا لفظ ہے جس کے معنی گول مول بات، مبہم و پوشیدہ بات، معما کے ہیں۔
- جب کسی چیز کے بارے میں بیان کیا جائے اور اس کے دو معنی مراد ہوں اور جس کے حل کرنے میں غور و فکر کی ضرورت ہو اسے اصطلاح میں پہیلی کہتے ہیں۔
- ہندوستان میں پہیلیوں کی روایت بہت قدیم ہے۔ قدیم مذہبی کتابوں جیسے رگ وید اور اپنشد میں بھی پہیلیوں کا سراغ ملتا ہے۔ سنسکرت زبان میں بھی پہیلیاں پائی جاتی ہیں۔

- عوامی ادب میں سب سے پہلے امیر خسروؔ نے پہیلیاں لکھنا شروع کیا۔ ان کی پہیلیاں آج بھی اتنی ہی مشہور ہیں جتنی ان کے زمانے میں تھیں۔ ان میں سادگی اور لطافت پائی جاتی ہے۔
- امیر خسرو کے بعد جن شعرا نے اس فن کی طرف توجہ دی ان میں انشااللہ خان انشا، مرزا محمد رفیع سوداؔ اور حکیم آغا جان عیش وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔ موجودہ دور میں شان الحق حقی نے کثرت سے پہیلیاں لکھی ہیں۔
- کہہ مکرنی شاعری کی قدیم صنف ہے۔ جس کا مطلب ہے اپنی کہی ہوئی بات کا انکار کر دینا۔
- یہ صنف عورتوں سے مخصوص ہے۔ جس میں دو سہیلیاں آپس میں اپنی داستان سناتی ہیں۔ اور انداز گفتگو سے ایسا لگتا ہے کہ اپنے عاشق، محبوب، ساجن کی باتیں کر رہی ہیں لیکن جب دوسری سہیلی پوچھتی ہے تو وہ انکار کر دیتی ہے۔
- کہہ مکرنی کی خاصیت یہ ہے کہ اس کا جواب بھی اس کے آخری مصرع میں ہوتا ہے۔
- کہہ مکرنی چار مصرعوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ شروع کے تین مصرعوں سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ عورت اپنے محبوب، ساجن، شوہر وغیرہ کا ذکر کر رہی ہے لیکن چوتھے مصرعے میں اس شک کو دور کر کے کوئی اور چیز مراد لے لی جاتی ہے۔
- کہہ مکرنی کے پہلے دو مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں۔ تیسرے مصرع کا قافیہ اس کہہ مکرنی کا کلیدی لفظ ہوتا ہے اور اسی مناسبت سے کہہ مکرنی کا حل اس کا ہم قافیہ لفظ ہوتا ہے۔
- کہہ مکرنی کی ایجاد امیر خسروؔ نے کی۔ یہ ان کی پسندیدہ صنف تھی۔
- شاعری کی اصطلاح میں "دوسخنے" اسے کہا جاتا ہے جس میں ایک سے زیادہ سوال مزاحیہ یا چٹکلے کے انداز میں پوچھے جاتے ہیں، جن کا ایک ہی جواب ہوتا ہے۔
- ہندوستانی زبان میں اس صنف کی ایجاد امیر خسرو نے کی ہے۔ امیر خسرو کے دوسخنے خاص شہرت رکھتے ہیں۔
- دوسخنے بھی ایک طرح کی پہیلیاں یا معمے ہوتے ہیں۔ اگرچہ ان کا کوئی وزن نہیں ہوتا ہے مگر قافیہ پایا جاتا ہے۔
- اردو میں صرف امیر خسروؔ سے منسوب دوسخنے پائے جاتے ہیں۔

15.6 نمونہ امتحانی سوالات

15.6.1 معروضی سوالات:

1۔ لوک ادب کی صنف کا نام بتایئے؟

(a) داستان (b) پہیلی (c) ناول (d) ڈراما

2۔ پہیلی کس زبان کا لفظ ہے؟

(a) عربی (b) سنسکرت (c) فارسی (d) انگریزی

3۔ پہیلی کو فارسی میں کیا کہتے ہیں؟

(a) چیستان (b) سیتان (c) معما (d) داستان

4۔ اردو میں سب سے پہلے کس شاعر نے پہیلیاں لکھی؟

(a) کبیر (b) خسرو (c) حالیؔ (d) نظیرؔ

5۔ کہہ مکرنی کا کیا مطلب ہے؟

(a) کہی ہوئی بات سے مکر جانا (b) اپنی بات پر قائم رہنا (c) سچ بولنا (d) ٹال مٹول کرنا

6۔ کہہ مکرنی کتنے مصرعوں پر مشتمل ہوتی ہے؟

(a) تین (b) چار (c) پانچ (d) سات

7۔ کہہ مکرنی کی ایجاد کس نے کی؟

(a) ملاوجہی (b) کبیر (c) امیر خسرو (d) غالبؔ

8۔ فارسی میں سخن کے کیا معنی ہیں؟

(a) گفتگو، بات (b) قصہ (c) کہانی (d) شاعری

9۔ دوسخنے کی ایجاد کس نے کی؟

(a) امیر خسرو (b) سودا (c) ولی دکنی (d) حالی

10۔ بھاوے کے کیا معنی ہیں؟

(a) برا لگنا (b) اچھا لگنا (c) مذاق (d) تکلیف

15.6.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات:

1۔ پہیلیاں کسے کہتے ہیں؟ مختصر لفظوں میں لکھیے۔

2۔ پہیلیوں کی ابتدا کے بارے میں چند جملوں میں لکھیے۔

3۔ اپنی من پسند دو کہہ مکرنی لکھیے۔

4۔ کوئی دو پہیلیاں لکھیے۔

5۔ دوسخنے کی اقسام کو مع مثال تحریر کیجیے۔

15.6.3 طویل جوابات کے حامل سوالات:

1۔ امیر خسرو کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟ ان کی چند پہیلیاں بھی لکھیے۔

2۔ کہہ مکرنیوں کے بارے میں تفصیل سے لکھیے۔

3۔ دیے گئے دوسخنوں کے جواب لکھیے۔

(1)	سنبوسا کیوں نہ کھایا	جوتا کیوں نہ پہنا
(2)	گھر کیوں اندھیارا	فقیر کیوں بڑبڑایا
(3)	کھچڑی کیوں نہ پکائی	کبوتری کیوں نہ اڑائی
(4)	جوگی کیوں بھاگا	ڈھولکی کیوں نہ بجی

15.6.1 کے جوابات:

b۔1	b۔2	a۔3	b۔4	a۔5
b۔6	c۔7	a۔8	a۔9	d۔10

اکائی 16: پیروڈی

اکائی کے اجزا

16.0 تمہید

16.1 مقاصد

16.2 پیروڈی کی تعریف

16.3 منتخب پیروڈیاں

16.4 اکتسابی نتائج

16.5 مشکل الفاظ

16.6 مشقیں

16.7 نمونہ امتحانی سوالات

16.0 تمہید

پچھلی اکائی میں ہم نے پہیلی، کہہ مکرنی اور دوسخنے کے بارے میں معلومات حاصل کیں اور ان کا مطالعہ کیا۔ ہم نے دیکھا کہ یہ ساری اصناف اردو کے لوک ادب کا حصہ ہیں۔ ان سے جہاں ہندوستانی ثقافت کے کچھ اہم پہلو ہمارے سامنے آتے ہیں۔ وہیں ان کو بوجھنے اور ان کا حل تلاش کرنے سے ایک طرح کی ذہنی مسرت بھی حاصل ہوتی ہے۔ ادب میں مسرت اور خوش مزاجی کا ایک اہم وسیلہ طنز و مزاح بھی ہے۔ طنز و مزاح ادب کا ایک خاص طرز اظہار یا اسلوب ہے جس میں سماج کی کمزوریوں اور مختلف افراد کے ناہموار اور مضحکہ خیز رویوں کو اس طرح اجاگر کیا جاتا ہے کہ اس سے لطف بھی ملتا ہے ہنسی بھی آتی ہے اور خامیوں پر چوٹ بھی لگتی ہے۔ طنز و مزاح کا ایک اہم حربہ "پیروڈی" ہے۔ اس میں کسی سنجیدہ نثری یا شعری ادب پارے کی اس طرح نقل اتاری جاتی ہے کہ اس سے مزاح کا رنگ پیدا ہوتا ہے۔ اسے تحریف نگاری بھی کہتے ہیں۔

اس اکائی میں ہم پیروڈی کی تعریف اور اردو میں پیروڈی نگاری کے ارتقا کا مختصر جائزہ لیں گے۔ ساتھ ہی پیروڈی کے منتخب نمونوں کا مطالعہ بھی کریں گے تاکہ یہ معلوم ہو کہ پیروڈی نگاروں نے کس طرح سماجی مسائل پر اظہار خیال کیا ہے۔

16.1 مقاصد

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- پیروڈی کی تعریف بیان کر سکیں۔
- اردو میں پیروڈی کے ارتقا پر روشنی ڈال سکیں۔
- اردو کے اہم پیروڈی نگاروں پر گفتگو کر سکیں۔
- منتخب پیروڈی کے متن کا مطالعہ صحیح تلفظ کے ساتھ کر سکیں۔
- پیروڈیوں میں استعمال شدہ الفاظ کے معنی جان سکیں۔

16.2 پیروڈی کی تعریف

پیروڈی کے لغوی معنی نقل یا تحریف کے ہیں۔ یہ لفظ یونانی لفظ پیروڈیا(Parōidía)سے ماخوذ ہے، جس کا مطلب ہے "ایک گانے کے ساتھ گایا جانے والا دوسرا گانا"۔ جسے ہم نغمہ معکوس یا جوابی نغمہ کہہ سکتے ہیں۔

ادب کی اصطلاح میں پیروڈی سے مراد مزاح نگاری کی وہ صنف ہے جس میں کسی نثری یا شعری تخلیق کے اسلوب کی مزاحیہ نقل اتاری جاتی ہے اور اصل تحریر کے الفاظ وخیالات کو اس طرح بدل دیا جاتا ہے کہ پڑھ کر طبیعت میں گدگدی سی ہوتی ہے اور لطف آتا ہے۔
پیروڈی میں کبھی کبھی صرف ایک آدھ لفظ بدل کر اصل تحریر کو سنجیدہ سے مزاحیہ بنا دیا جاتا ہے جیسے عبد الحمید عدم کا شعر ہے:

شاید مجھے نکال کے پچھتا رہے ہیں آپ
محفل میں اس خیال سے پھر آگیا ہوں میں

پنڈت ہری چند اختر نے اس کی پیروڈی اس طرح کی ہے:

شاید مجھے نکال کے کچھ کھا رہے ہیں آپ
محفل میں اس خیال سے پھر آگیا ہوں میں

پیروڈی کی ابتدا قدیم یونان سے ہوتی ہے۔ قدیم یونان میں سنجیدہ ماحول کو خوشگوار بنانے کے لیے مزاحیہ پہلو لیے ہوئے جو گیت یا نغمہ گایا جاتا تھا اسے "پیروڈیا" کہا جاتا تھا۔ اس کی ابتدائی مثالوں میں یونان کے مشہور شاعر ہومر کے رزمیہ انداز کی نقالی کی گئی ہے۔ ہومر نے اپنی مشہور نظم "الیڈ" میں ٹروجن کی جنگ کے واقعات بیان کیے ہیں۔ اس نظم کو ایک نامعلوم شاعر نے "مینڈکوں اور چوہوں کی جنگ" کے عنوان سے پیروڈی کی ہے۔ اس کے بعد یورپ میں اس صنف کو کافی فروغ حاصل ہوا۔ کئی یورپی مصنفین نے پیروڈیاں تخلیق کیں۔ پیروڈی محض دل لگی اور ہنسی مذاق کے ارادے سے نہیں لکھی جاتی ہے بلکہ انسان کی طبیعت میں خوشی اور شگفتگی کی کیفیت پیدا کرنا

اس کا مقصد ہوتا ہے۔

عام طور پر پیروڈی کی دو قسمیں بیان کی جاتی ہیں۔(1) لفظی پیروڈی (2) معنوی پیروڈی۔ جس میں الفاظ کے الٹ پھیر سے مزاح پیدا ہو جائے اسے لفظی پیروڈی اور جس میں ادب پارے کے اصل الفاظ بدلنے کے ساتھ اس کی معنویت بھی تبدیل ہو جائے اسے معنوی پیروڈی کہتے ہیں۔

پیروڈی کا رشتہ سماج اور زندگی سے بھی ہے۔ جس کے ذریعہ انسانی معاشرے میں پائی جانے والی بے اعتدالیوں، کمیوں اور کوتاہیوں کی نشاندہی کرنا بھی شامل ہے۔ پیروڈی نگار اس کے ذریعہ اصلاح کا فریضہ بھی انجام دیتا ہے جس میں سیاسی و سماجی دونوں طرح کی اصلاحات شامل ہیں۔ اس ضمن میں مجید لاہوری اور سید محمد جعفری کی پیروڈیاں اس کی بہترین مثالیں ہیں۔

پیروڈی کے لیے ضروری ہے کہ پیروڈی نگار شعر وادب کا اچھا ذوق رکھتا ہو اور فنی اسلوب میں ماہرانہ بصیرت رکھتا ہو۔ ساتھ ہی جس ادب پارے کی پیروڈی کرتا ہے اس سے ہمدردانہ تعلقات ہونا چاہیے تاکہ توازن برقرار رہے۔ ذاتی بغض وعناد سے پرہیز کرے۔ تب ہی پیروڈی کا مقصد پورا ہوگا۔

اردو میں پیروڈی کے ابتدائی نقوش ہمیں اودھ پنچ کے شعرا کے کلام میں ملتے ہیں۔ چونکہ پیروڈی کا تعلق بھی طنز ومزاح سے ہے اور اردو میں طنز ومزاح کی اہمیت کو اودھ پنچ کے ذریعہ اجاگر کیا گیا تھا۔ لہٰذا اس صنف نے بھی اسی زمانہ میں فروغ پانا شروع کیا۔ اس وقت اسے تحریف نگاری کہا جاتا تھا۔ اودھ پنچ میں لکھنے والے تقریبا تمام شعرا نے اساتذہ کے کلام کی اچھی و کامیاب پیروڈیاں لکھیں۔ اودھ پنچ میں مرزا غالب اور نظیر اکبر آبادی کی غزلوں اور نظموں پر پیروڈی لکھی گئی۔ اکبر الہ آبادی جو طنز ومزاح کی تاریخ میں ایک اہم شاعر مانے جاتے ہیں۔ وہ بھی اپنی مزاحیہ تخلیقات "اودھ پنچ" میں چھپواتے تھے۔ اس دور کے لکھنے والوں میں رتن ناتھ سرشار، منشی سجاد حسین، تربھون ناتھ ہجرؔ، مرزا مچھو بیگ ستم ظریف وغیرہ نے کامیاب پیروڈی لکھنے کی قابل ستائش کوششیں کی ہیں۔

اردو میں پیروڈیاں بڑی تعداد میں لکھی گئی ہیں۔ آزادی کے بعد اس صنف کو کافی فروغ ہوا۔ اردو میں بہترین پیروڈی نگار پیدا ہوئے۔ جنھوں نے اس صنف میں طبع آزمائی شروع کی۔ کلاسیکی شعرا میں غالبؔ، میرؔ، نظیرؔ اور اقبال وغیرہ کے کلام کا شعری اور فنی نقطہ نظر سے مطالعہ ہونے لگا۔ جو لوگ پیروڈی لکھ رہے تھے ان کے سامنے عوام میں مقبول شعرا کا کلام تھا۔ لہٰذا بڑی تعداد میں شعرا نے ان کے کلام کی پیروڈیاں لکھیں۔

کلاسیکی شاعروں کے علاوہ ترقی پسند شعرا کے کلام نے بھی پیروڈی کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا۔ مختلف ذرائع سے ترقی پسند شعرا کی تخلیقات زبان زد عام ہو گئی تھیں۔ ساحر لدھیانوی، مخدوم محی الدین، فیض، ن م راشد، میراجی اور مجاز وغیرہ کی متعدد پیروڈیاں لکھی گئیں۔

آزادی کے بعد جن شعرا نے اردو پیروڈی میں نمایاں کارنامے انجام دیئے ہیں، ان میں عاشق محمد غوری، قاضی غلام محمد، صادق

مولیٰ، کنہیا لال کپور، راجہ مہدی علی خاں، سید محمد جعفری، دلاور فگار، فرقت کاکوروی، رضا نقوی واہیؔ، ضمیر جعفری، شوکت تھانوی، مجید لاہوری وغیرہ بہت مشہور ہوئے۔

16.3 منتخب پیروڈیاں

یہاں پر ہم منتخب شعرا کی پیروڈیاں اس کے اصل متن کے ساتھ پیش کریں گے تاکہ اس کے مطالعہ سے اندازہ ہو گا کہ کس طرح سلیس زبان میں اردو میں کامیاب پیروڈی لکھی گئی ہیں۔

اردو ادب میں کنہیا لال کپور کو عام طور سے ایک ادیب اور نثر نگار کی حیثیت سے پہچانا جاتا ہے، لیکن یہ بات بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ وہ ایک اچھے شاعر بھی تھے۔ دیگر اصناف شعر کے علاوہ اعلیٰ پایہ کی لفظی پیروڈیاں بھی لکھی ہیں۔ ان کی پیروڈی "لگائی" فیض احمد فیض کی مشہور نظم "تنہائی" پر لکھی ہے، جس میں انہوں نے الفاظ کے ردوبدل سے کامیابی کے ساتھ مزاح پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔

"لگائی" کی خوبی یہ ہے کہ اس کے پہلے مصرعہ ہی سے ذہن میں فیضؔ کی نظم "تنہائی" کا مکمل خاکہ ابھرنا شروع ہو جاتا ہے۔ ان کی پیروڈیوں میں فن اور فکر و عمل کا احساس بلندی پر نظر آتا ہے۔ ان کی تحریروں میں سماجی ناہمواریوں پر شدید طنز ملتا ہے۔ اس کے علاوہ کنہیا لال کپور نے شاعروں کے نام کی بھی پیروڈی کی ہے۔

فیض احمد فیضؔ کی نظم "تنہائی"	کنہیا لال کپور کی پیروڈی "لگائی"
پھر کوئی آیا دل زار نہیں کوئی نہیں	فون پھر آیا دل زار! نہیں فون نہیں
راہرو ہوگا کہیں اور چلا جائے گا	سائیکل ہو گا، کہیں اور چلا جائے گا
ڈھل چکی رات بکھرنے لگا تاروں کا غبار	ڈھل چکی رات اترنے لگا کھمبوں کا بخار
لڑکھڑانے لگے ایوانوں میں خوابیدہ چراغ	کمپنی باغ میں لنگڑانے لگے سرد چراغ
سو گئی راستہ تک تک کے ہر اک راہ گزار	تھک گیا رات کو چلا کے ہر اک چوکیدار
اجنبی خاک نے دھندلا دیئے قدموں کے سراغ	گل کرو دامن افسردہ کے بوسیدہ داغ
گل کرو شمعیں بڑھا دو مے و مینا و ایاغ	یاد آتا ہے مجھے سر مۂ دنبالہ دار
اپنے بے خواب کواڑوں کو مقفل کر لو	اپنے بے خواب گھروندے ہی کو واپس لوٹو
اب یہاں کوئی نہیں کوئی نہیں آئے گا	اب یہاں کوئی نہیں کوئی نہیں آئے گا

مسٹر دہلوی: مسٹر دہلوی ایک مزاحیہ شاعر تھے۔ انہوں نے نظیر اکبر آبادی کی نظم "روٹیاں" کی پیروڈی کی ہے۔ ذیل میں نظیرؔ کی نظم "روٹیاں" کے کچھ بند اور مسٹر دہلوی کی پیروڈی دی گئی ہے۔ جو انہوں نے "بیویاں" کے نام سے کی ہے۔

مسٹر دہلوی کی پیروڈی "بیویاں" جو نظیر اکبر آبادی کی نظم "روٹیاں" کی پیروڈی ہے۔ یہ خانگی موضوعات پر مشتمل ہے۔ اس میں انہوں نے بیویوں کا تذکرہ بہت بر ملا طور پر کیا ہے جس سے اس پیروڈی میں طنز کے بجائے مزاح کا پہلو واضح نظر آتا ہے۔ شادی کے بعد ایک شوہر کی جو حالت ہو جاتی ہے اس کا نقشہ کھینچنے میں مسٹر دہلوی کامیاب رہے ہیں۔ انہوں نے نظیر کی مخمس نظم کو مسدس بنا دیا ہے۔

نظیر اکبر آبادی کی نظم "روٹیاں"

جب آدمی کے پیٹ میں آتی ہیں روٹیاں
پھولی نہیں بدن میں سماتی ہیں روٹیاں
آنکھیں پری رخوں سے لڑاتی ہیں روٹیاں
سینے اپر بھی ہاتھ چلاتی ہیں روٹیاں
جتنے مزے ہیں سب یہ دکھاتی ہیں روٹیاں

روٹی سے جس کا ناک تلک پیٹ ہے بھرا
کرتا پرے ہے کیا وہ اچھل کود جا بہ جا
دیوار پھاند کر کوئی کوٹھا اچھل گیا
ٹھٹھا ہنسی شراب صنم ساقی اس سوا
سو سو طرح کی دھوم مچاتی ہیں روٹیاں

جس جا پہ ہانڈی چولہا توا اور تنور ہے
خالق کی قدرتوں کا اسی جا ظہور ہے
چولھے کے آگے آنچ جو جلتی حضور ہے
جتنے ہیں نور سب میں یہی خاص نور ہے
اس نور کے سبب نظر آتی ہیں روٹیاں

آوے توے تنور کا جس جا زباں پہ نام
یا چکی چولھے کے جہاں گل زار ہوں تمام
واں سر جھکا کے کیجے ڈنڈوت اور سلام
اس واسطے کہ خاص یہ روٹی کے ہیں مقام
پہلے انہیں مکانوں میں آتی ہیں روٹیاں

مسٹر دہلوی کی پیروڈی "بیویاں"

سسرال میں جو میکے سے آتی ہیں بیویاں
سو سو طرح سے دھوم مچاتی ہیں بیویاں
کھانے مزے مزے کے پکاتی ہیں بیویاں
جینے کا جو مزہ ہے چکھاتی ہیں بیویاں
کچھ دن تو خوب عیش کراتی ہیں بیویاں
پھر اس کے بعد خون رلاتی ہیں بیویاں

شادی شدہ حیات کی دیکھی یہ ابتدا
شوہر ہزار جان سے بیوی پہ ہے فدا
اس احمقانہ فعل کی پاتا ہے یہ سزا
رہتا ہے تاحیات وہ بیوی تلے دبا
چھنگلی پہ شوہروں کو نچاتی ہیں بیویاں
کھا یا چھٹی کا یاد دلاتی ہیں بیویاں

کہتی ہے بیوی اس کو مجازی ہے تو خدا
حاکم ہے تو سوامی ہے، سرتاج ہے مرا
پھر رفتہ رفتہ اس کا گھٹاتی ہے مرتبہ
کرتی ہے انتہا میں خصم کا لقب عطا
مردوں کو بوم ایسے بناتی ہیں بیویاں
سر پر چڑھا کے قدموں میں لاتی ہیں بیویاں

چھوڑے کسی نے بال ہیں بیوی کے واسطے
کچھ جمع کرتے مال ہیں بیوی کے واسطے

ان روٹیوں کے نور سے سب دل ہیں بور بور	کچھ رات دن نڈھال ہیں بیوی کے واسطے
آٹا نہیں ہے چھلنی سے چھن چھن گرے ہے نور	پالے یہ سب وبال ہیں بیوی کے واسطے
پیڑا ہر ایک اس کا ہے برفی و موتی چور	اتنے جتن سے گھر میں جو آتی ہیں بیویاں
ہرگز کسی طرح نہ بجھے پیٹ کا تنور	چودہ طبق میاں کو دکھاتی ہیں بیویاں
اس آگ کو مگر یہ بجھاتی ہیں روٹیاں	مسٹر نے مولوی سے کہا ضد نہ کیجیے
پوچھا کسی نے یہ کسی کامل فقیر سے	دیدار ٹیڈی گرل سے کچھ لطف لیجیے
یہ مہر و ماہ حق نے بنائے ہیں کاہے کے	بولے کہ یہ عمود و مثلث یہ زاویۓ
وہ سن کے بولا بابا خدا تجھ کو خیر دے	تہذیب شرق کے ہیں یہ دراصل چیتھڑے
ہم تو نہ چاند سمجھیں نہ سورج ہیں جانتے	ان چیتھڑوں کا دام بچھاتی ہیں بیویاں
بابا ہمیں تو یہ نظر آتی ہیں روٹیاں	ان ہی میں شوہروں کو پھنساتی ہیں بیویاں

قاضی غلام محمد: اختر شیرانی کی مشہور نظم "او دیس سے آنے والے بتا" کی پیروڈی اِسی عنوان سے قاضی غلام محمد نے کی ہے۔ قاضی غلام محمد کی مزاحیہ شاعری کا مجموعہ "حرف شیریں" ہے جس میں ان کی پیروڈیاں بھی شامل ہیں۔ ان کی پیروڈیوں میں تنوع پایا جاتا ہے۔ انہوں نے نظیر اکبر آبادی کی نظم "آدمی نامہ"، علامہ اقبال کی نظم "پیری اور مریدی"، جذبی کی نظم "موت" اور اختر شیرانی کی نظم "او دیس سے آنے والے بتا" کی بہترین پیروڈی کی ہے۔

قاضی غلام محمد نے اختر شیرانی کی مشہور نظم "او دیس سے آنے والے بتا" حد سے زیادہ پائی جانے والی رومانیت کو ہدف تنقید بنایا ہے۔ اگرچہ الفاظ کے الٹ پھیر سے ماحول کو مزاحیہ اور مضحکہ خیز بنانے کی کوشش کی ہے لیکن حقیقت میں اس پیروڈی کے ذریعہ شاعر، اسکالر، شوہر، لیڈر وغیرہ کو طنز کا نشانہ بنایا ہے۔ ساتھ ہی منظر نگاری کے بیان میں بھی رومانیت کا مذاق اڑایا ہے۔ ان پیروڈیوں خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ وہ سماج کے خاص اشخاص کو طنز و تنقید کا نشانہ بناتے ہیں۔ ان کی پیروڈی کا مطالعہ کیجیے۔

اختر شیرانی نظم "او دیس سے آنے والے بتا"	**قاضی غلام محمد کی پیروڈی "او دیس سے آنے والے بتا"**
او دیس سے آنے والا ہے بتا	کیا اب بھی وہاں ہر گنجا سر
او دیس سے آنے والے بتا	اسکالر سمجھا جاتا ہے
کس حال میں ہیں یاران وطن	کیا اب بھی وہاں کا ہر ایم اے

آوارۂ غربت کو بھی سنا
کس رنگ میں ہے کنعان وطن
وہ باغ وطن فردوس وطن
وہ سرو وطن ریحان وطن
او دیس سے آنے والے بتا
او دیس سے آنے والے بتا
کیا اب بھی وہاں کے باغوں میں
مستانہ ہوائیں آتی ہیں
کیا اب بھی وہاں کے پربت پر
گھنگھور گھٹائیں چھاتی ہیں
کیا اب بھی وہاں کی برکھائیں
ویسے ہی دلوں کو بھاتی ہیں
او دیس سے آنے والے بتا
او دیس سے آنے والے بتا
کیا اب بھی وطن میں ویسے ہی
سرمست نظارے ہوتے ہیں
کیا اب بھی سہانی راتوں کو
وہ چاند ستارے ہوتے ہیں
ہم کھیل جو کھیلا کرتے تھے
کیا اب وہی سارے ہوتے ہیں
او دیس سے آنے والے بتا
او دیس سے آنے والے بتا
کیا اب بھی شفق کے سایوں میں
دن رات کے دامن ملتے ہیں

غالب پر کچھ فرماتا ہے
اور جہل کی ظلمت میں کھو کر
اقبال سے بھی ٹکراتا ہے
او دیس سے آنے والے بتا
کیا شام کو اب بھی جاتے ہیں
احباب کنار دریا پر
بیوی کے کپڑے دھوتے ہیں
شاداب کنار دریا پر
اور پیار سے آکر جھانکتا ہے
مہتاب کنار دریا پر
او دیس سے آنے والے بتا
کیا اب بھی وہاں کا ہر شاعر
تنقید کا مارا ہے کہ نہیں
افلاس کی آنکھوں کا مارا
وہ راج دلارا ہے کہ نہیں
اور اہلِ دول کی نظروں میں
وہ اک گھسیارا ہے کہ نہیں
او دیس سے آنے والے بتا
کیا اب اندھیری راتوں میں
کلچر کی حجامت ہوتی ہے
سڑکوں پر تعارف سے پہلے
آپس میں محبت ہوتی ہے
بے شرم موٹاپا ہوتا ہے
شرمیلی نزاکت ہوتی ہے

کیا اب بھی چمن میں ویسے ہی
او دیس سے آنے والے بتا
خوش رنگ شگوفے کھلتے ہیں
کیا قوم کے غم میں اب بھی وہاں
برساتی ہوا کی لہروں سے
وہ جلسے اکثر ہوتے ہیں
بھیگے ہوئے پودے ہلتے ہیں
کیا اب بھی وہ فرصت کے شاکی
او دیس سے آنے والے بتا
موجود ڈنر پر ہوتے ہیں
او دیس سے آنے والے بتا
جو کاروں میں گھوما کرتے تھے
شاداب و شگفتہ پھولوں سے
کیا اب بھی وہ لیڈر ہوتے ہیں
معمور ہیں گل زار اب کہ نہیں
او دیس سے آنے والے بتا
بازار میں مالن لاتی ہے
آخر میں یہ حسرت ہے کہ بتا
پھولوں کے گندھے ہار اب کہ نہیں
ریحانہ کے کتنے بچے ہیں
اور شوق سے ٹوٹے پڑتے ہیں
ریحانہ کے وہ کس حال میں ہیں
نوعمر خریدار اب کہ نہیں
کیا اب بھی وہ پنشن پاتے ہیں
او دیس سے آنے والے بتا
کچھ بال تو تھے جب میں تھا وہاں
او دیس سے آنے والے بتا
کیا اب وہ مکمل گنجے ہیں

عاشق محمد غوری: عاشق محمد غوری کا نام ایک پیروڈی نگار کی حیثیت سے مشہور ہے۔ انہوں نے لفظی پیروڈیاں بہت ہی اچھی اور کامیاب لکھی ہیں۔ ان کی بہترین پیروڈیوں میں اختر شیرانی کی نظم ”او دیس سے آنے والے بتا“، اقبال کی ”ہمدردی“ اور صادق قریشی کی نظم سلمیٰ کی پیروڈی ”کتا“ قابل ذکر ہیں۔

عاشق محمد غوری نے اقبال کی نظم ”ہمدردی“ کی بہترین لفظی پیروڈی کی ہے۔ ساتھ ہی انہوں الو اور انسان کا مکالمہ نقل کر کے مزاح کے ساتھ ساتھ گرتی ہوئی انسانیت اور ہمدردی پر بھی طنز کیا ہے۔ ایک انسان جب مجبور و پریشان ہوتا ہے تو کس طرح ایک الّو ان کی مدد کو آتا ہے جب کہ ہمارے سماج میں جب بھی کسی کو ذلیل کرنا مقصود ہوتا ہے تو اسے الّو کہتے ہیں۔ انہوں نے اس پیروڈی کے ذریعہ یہ پیغام بھی دینے کی کوشش کی ہے کسی بھی چیز کو حقیر نہیں سمجھنا چاہیے۔ کیا معلوم کب وہ ہمارے کام آجائے۔

عاشق محمد غوری کی پیروڈی "ہمدردی"	**اقبال کی نظم "ہمدردی"**
گوشے میں کسی کھنڈر کے تنہا	ٹہنی پہ کسی شجر کی تنہا
ملا تھا کوئی اُداس بیٹھا	بلبل تھا کوئی اداس بیٹھا

کہتا تھا کہ رات سر پہ آئی
اڑنے چگنے میں دن گزارا
پہنچوں کس طرح آشیاں تک
ہر چیز پہ چھا گیا اندھیرا
سن کر بلبل کی آہ و زاری
جگنو کوئی پاس ہی سے بولا
حاضر ہوں مدد کو جان و دل سے
کیڑا ہوں اگرچہ میں ذرا سا
کیا غم ہے جو رات ہے اندھیری
میں راہ میں روشنی کروں گا
اللہ نے دی ہے مجھ کو مشعل
چمکا کے مجھے دیا بنایا
ہیں لوگ وہی جہاں میں اچھے
آتے ہیں جو کام دوسروں کے

کہتا تھا کہ رات سر پہ آئی
جوئیں چننے میں دن گزارا
پہنچوں کسی طرح اب مکاں تک
ہر چیز پہ چھا گیا اندھیرا
سن کے ملا کی آہ وزاری
الو کوئی پاس ہی سے بولا
حاضر ہوں مدد کو جان دل سے
احمق ہوں اگرچہ میں تمہی سا
کیا غم ہے جو رات ہے اندھیری
میں پیش یہ گھونسلہ کروں گا
اللہ نے مجھ کو دی ہے منزل
اک رات یہیں کرو بسیرا
الو ہیں وہی جہاں میں اچھے
آتے ہیں کام جو دوسروں کے

میر تقی میر کی غزل

الٹی ہو گئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا
دیکھا اس بیماری دل نے آخر کام تمام کیا
عہد جوانی رو رو کاٹا پیری میں لیں آنکھیں موند
یعنی رات بہت تھے جاگے صبح ہوئی آرام کیا
ناحق ہم مجبوروں پر یہ تہمت ہے مختاری کی
چاہتے ہیں سو آپ کریں ہیں ہم کو عبث بدنام کیا
کس کا کعبہ کیسا قبلہ کون حرم ہے کیا احرام
کوچے کے اس کے باشندوں نے سب کو یہیں سے سلام کیا

گوپی ناتھ امن کی پیروڈی

الٹے پھر گئے سارے ووٹر ،نوٹوں نے وہ کام کیا
آخر لالہ لکھی مل نے میرا کام تمام کیا
ناحق دلی والوں پر یہ تہمت ہے مختاری کی
چاہے سو سرکار کرے ہے ہم کو عبث بدنام کیا
یاں کے نظم ونسق میں ہم کو دخل جو ہے تو اتنا ہے
اس لیڈر کو سلام کیا،اس لیڈر کو پرنام کیا
بے کاروں کا شغل ہی کیا ہے پچیسی ہے یا شطرنج
کھٹ پٹ کھٹ پٹ، کھٹ پٹ کھٹ پٹ صبح سے لے تا شام کیا

یاں کے سپید و سیہ میں ہم کو دخل جو ہے سو اتنا ہے
رات کو رو رو صبح کیا یا دن کو جوں توں شام کیا
میرؔ کے دین و مذہب کو اب پوچھتے کیا ہو ان نے تو
قشقہ کھینچا دیر میں بیٹھا کب کا ترک اسلام کیا

دھوم مچایا شور مچایا ہاتھا پائی تک کر لی
ٹوٹ گئی صوبائی مجلس تب ہم نے آرام کیا
مندر سے بھی میرا تعلق اور کلب گھر سے بھی ربط
صبح وشام تو مالا پھیری رات کو شغل جام کیا

16.4 اکتسابی نتائج

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ نے درج ذیل باتیں سیکھیں:

- پیروڈی کے لغوی معنی نقل یا تحریف کے ہیں۔ اصطلاح میں کسی گیت کے جواب میں گائے جانے والے گیت کو پیروڈی کہا جاتا ہے۔
- پیروڈی کی ابتدا قدیم یونان سے ہوئی جہاں سب سے پہلے یونان کے مشہور شاعر ہومر کی نظم پر پیروڈی لکھی گئی۔
- اس صنف کو یورپ میں بہت فروغ ہوا، کئی یورپی مصنفین جن میں اریسٹوفینس (Aristophanes)، جیفری چاسر (Geoffrey Chaucer)، ولیم شیکسپیئر (William Shakespeare)، جان مارسٹن (John Marston)، وغیرہ نے پیروڈی لکھ کر اس صنف کو ارتقا بخشا۔
- اردو میں پیروڈی نگاری کے ابتدائی نقوش اودھ پنچ میں لکھنے والے مصنفین کی تخلیقات میں ملتے ہیں۔
- مرزا غالب اور نظیر اکبر آبادی کی بہترین غزلوں اور نظموں پر پیروڈی بھی اسی دور میں لکھی گئی ہے۔
- اکبر الہ آبادی کا تعلق بھی اخبار سے تھا جو طنز و مزاح کی تاریخ میں ایک اہم شاعر مانے جاتے ہیں۔ انہوں نے کامیاب پیروڈیاں تحریر کیں۔ جو ان کی کتاب گاندھی نامہ میں موجود ہیں۔
- اس دور کے لکھنے والوں میں رتن ناتھ سرشار، منشی سجاد حسین، تربھون ناتھ ہجرؔ، مرزا مچھو بیگ ستم ظریف وغیرہ نے کامیاب پیروڈی لکھنے کی قابل ستائش کوششیں کی ہیں۔
- آزادی کے بعد اس صنف کو کافی فروغ ہوا۔ بہترین پیروڈی نگار پیدا ہوئے۔ جنہوں نے اس صنف میں طبع آزمائی شروع کی۔ کلاسیکی شعرا میں غالبؔ، میرؔ، نظیرؔ اور اقبال وغیرہ کے کلام پر پیروڈی لکھی گئیں۔
- ساحر لدھیانوی، مخدوم محی الدین، فیض، ن م راشد، میراجی اور مجاز وغیرہ کی متعدد پیروڈیاں لکھی گئیں۔
- عاشق محمد غوری، قاضی غلام محمد، صادق مولیٰ، کنہیا لال کپور، راجہ مہدی علی خاں، سید محمد جعفری، دلاور فگار، فرقت کاکوروی، رضا نقوی واہیؔ، ضمیر جعفری، شوکت تھانوی، مجید لاہوری وغیرہ نے آزادی کے بعد پیروڈی کے فن کو ایک نئی جہت سے روشناس کرایا۔
- کنہیا لال کپور کو عام طور سے ایک ادیب اور نثر نگار کی حیثیت سے جانا جاتا ہے لیکن یہ بات بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ وہ ایک بہترین شاعر بھی تھے۔ دیگر اصناف شعر کے علاوہ انہوں نے کامیاب پیروڈی بھی لکھی ہے۔

- کنہیالال کپور نے فیض احمد فیض کی نظم "تنہائی" کی پیروڈی "لگائی" نام سے تحریر کی ہے۔
- نظیر اکبر آبادی کی مشہور زمانہ نظم "روٹیاں" کی پیروڈی مسٹر دہلوی نے "بیویاں" کے عنوان سے لکھی ہے جو ایک اچھی پیروڈی ہے۔
- "او دیس سے آنے والے بتا" اختر شیرانی کی نظم ہے۔اس نظم کی پیروڈی قاضی غلام محمد نے اسی نام سے لکھی ہے۔
- علامہ اقبال اردو ادب کی تاریخ میں حکیم امت، فلسفی، مصلح قوم،شاعر،سیاست دان اور عالم کی حیثیت سے پہچانے جاتے ہیں۔انہوں نے تمام موضوعات پر طبع آزمائی کی۔ان کی ایک نظم ہے "ہمدردی"۔اس نظم کی پیروڈی عاشق محمد غوری نے اسی نام سے کی ہے۔

16.5 مشکل الفاظ

تحریف	کسی چیز کی ہیئت یا حالت بدل دینا، کسی بات کو کچھ کا کچھ کر دینا، الفاظ، حرف یا بیان وغیرہ کا بدل دینا	Distortion, Alteration
نقالی	اصل چیز کے مقابلے میں کوئی چیز لانا، کسی چیز کی نقل کرنا	Imitation, Copying
ظرافت	خوش طبعی، دل لگی، مذاق	Wit, Humor
ماخوذ	لیا گیا، اخذ کیا گیا	Derived, Taken
معکوس	اُلٹا، برعکس	Opposite, Reverse
دلِ زار	پریشان دل	Distressed heart
راہرو	راستہ چلنے والا، مسافر	Traveler, Wayfarer
ایوان	محل	Palace, Hall
خوابیدہ	سویا ہوا	Asleep
مقفل	بند، تالا لگا ہوا	Locked
افسردہ	غمگین	Sad, Depressed
ڈنڈوت	سجدہ کرنا، ماتھا ٹیکنا، تعظیم کرنا	Prostration, Bowing
قند	میٹھا، شکر	Sugar, Sweet
کاوہ لگانا	ایڑ دینا	To spur, Prod
خون رلانا	پریشان کر دینا	To trouble, Disturb

بُوم	الو	Owl
وبال	مصیبت	Calamity, Misfortune
دام	جال	Trap, Net
یارانِ وطن	وطن والے، دوست یار	Compatriots, Countrymen
سرمست	متوالا، سرشار	Intoxicated, Overjoyed
سمے	وقت	Time
افلاس	غربت	Poverty
اہلِ دول	مالدار، دولت والا	Wealthy, Affluent

16.6 مشقیں

مشق 1: نیچے دیے گئے اشعار کو مکمل کیجیے۔

i. ڈھل چکی رات بکھرنے لگا..................... کا غبار — لڑکھڑانے................. ایوانوں میں خوابیدہ چراغ

ii. آخر میں یہ................. ہے کہ بتا — ریحانہ کے کتنے........................ ہیں

iii. کیا شام کو اب بھی........................ ہیں — احباب...................... دریا پر

iv. بیوی کے...................... دھوتے ہیں — شاداب کنار دریا پر

مشق 2: مندرجہ ذیل الفاظ کے معنی لکھیے۔

i. دیدار ....

ii. افلاس ....

iii. پربت ....

iv. احباب ....

v. اہلِ دول ....

مشق 3: پیروڈی کی تعریف اپنے الفاظ میں بیان کیجیے۔

پیروڈی: ....

....

....

16.7 نمونہ امتحانی سوالات

16.7.1 معروضی سوالات:

1۔ پیروڈی کی کتنی قسمیں ہیں؟

(a) دو (b) چار (c) پانچ (d) سات

2۔ پیروڈی لفظ کس زبان سے ماخوذ ہے؟

(a) عربی (b) یونانی (c) فارسی (d) انگریزی

3۔ ہومر کہاں کا شاعر تھا؟

(a) انگلینڈ (b) روم (c) فرانس (d) یونان

4۔ منشی سجاد حسین کا تعلق کس اخبار سے تھا؟

(a) جام جم (b) اودھ پنچ (c) صلائے عام (d) اردو اخبار

5۔ تنہائی کس کی نظم ہے؟

(a) فیض (b) اکبر (c) مخدوم (d) نظیر

6۔ کنہیالال کپور نے پیروڈی لگائی کس شاعر کی نظم پر لکھی؟

(a) غالب (b) فیض (c) مخدوم (d) اقبال

7۔ نظیر اکبر آبادی کی کون سی نظم اس اکائی میں شامل ہے؟

(a) آدمی نامہ (b) بنجارہ نامہ (c) روٹیاں (d) کوئی نہیں

8۔ "اودیس سے آنے والے بتا" کی پیروڈی کس نام سے لکھی گئی؟

(a) اسی نام سے (b) دوسرے نام سے (c) وطن نام سے (d) ہمدردی

9۔ افلاس کے معنی کیا ہیں؟

(a) غربت (b) مالداری (c) ایمان داری (d) جہالت

10۔ قاضی غلام محمد کی پیروڈی کا نام بتایئے؟

(a) اجنبی (b) بیویاں (c) دریا (d) آسمان

16.7.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات:

1۔ پیروڈی کی تعریف بیان کیجیے۔

2۔ پیروڈی کی اقسام پر چند جملے تحریر کیجیے۔

3۔ عاشق محمد غوری نے اپنی پیروڈی ہمدردی میں کس پر طنز کیا ہے۔

4۔ پیروڈی "بیویاں" میں سے اپنے من پسند اشعار لکھیے۔

5۔ مندرجہ ذیل الفاظ کے معنی لکھ کر انہیں جملوں میں استعمال کیجیے۔

دلِ زار، مقفل، خوابیدہ، افسردہ

16.7.3 طویل جوابات کے حامل سوالات:

1۔ پیروڈی کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟ تفصیل سے لکھیے۔

2۔ کنہیالال کپور کی پیروڈی "لگائی" کس شاعر کی نظم پر ہے۔ اس میں شاعر نے اصل نظم کو کس طرح الٹ پلٹ کیا ہے؟

3۔ اودیس سے آنے والے بتا کی پیروڈی میں شاعر نے کس پر طنز کیا ہے؟ اپنے الفاظ میں لکھیے۔

16.7.1 کے جوابات: 1-a 2-b 3-d 4-b 5-a

6-b 7-c 8-a 9-a 10-b

نمونۂ امتحانی پرچہ

نشانات : ۷۰ Marks: 70 وقت: 3 گھنٹے Time :3hours

ہدایات :

یہ پرچۂ سوالات تین حصوں پر مشتمل ہے: حصہ اول، حصہ دوم، حصہ سوم۔تمام حصوں سے سوالوں کا جواب دینا لازمی ہیں۔

1۔ حصہ اول میں 10لازمی سوالات ہیں، جو کہ معروضی سوالات/خالی جگہ پُر کرنا/مختصر جواب والے سوالات ہیں۔ہر سوال کا جواب لازمی ہے۔ہر سوال کے لیے 1نمبر مختص ہے۔ **(1x10= 10Marks)**

2۔ حصہ دوم میں آٹھ سوالات ہیں، ان میں سے طالب علم کو کوئی پانچ سوالوں کے جواب دینے ہیں۔ہر سوال کے لیے 6نمبرات مختص ہیں۔ **(5x6=30 Marks)**

3۔ حصہ سوم میں پانچ سوالات ہیں، ان میں سے طالب علم کو کوئی تین سوالوں کے جواب دینے ہیں۔ہر سوال کے لیے 10نمبرات مختص ہیں۔ **(3x10=30 Marks)**

حصہ اول

سوال 1۔

(i) مثنوی کس زبان کا لفظ ہے؟

(a) اردو (b) ترکی (c) عربی (d) فارسی

(ii) مثنوی "دریائے عشق" کے مصنف کون ہیں؟

(a) محمد حسن (b) میر تقی میر (c) مولانا حالی (d) دیاشنکر نسیم

(iii) سودا کا اصل نام کیا تھا؟

(a) مرزا محمد رفیع (b) مرزا محمد شفیع (c) محمد ابراہیم (d) مرزا قمر الدین

(iv) میر انیس کہاں پیدا ہوئے؟

(a) بدایوں (b) فیض آباد (c) آگرہ (d) علی گڑھ

(v) غزل کا پہلا شعر کیا کہلاتا ہے؟

(a) مقطع (b) حسن غزل (c) حسن مطلع (d) مطلع

(vi) مرزا غالب کی وفات کس سنہ میں ہوئی؟

(a) 1869 (b) 1874 (c) 1880 (d) 1890

(vii) نظم "روٹیاں" کس نے لکھی ہے؟

(a) نذیر احمد (b) نظیر اکبر آبادی (c) علامہ اقبال (d) مولانا حالی

(viii) مخدوم محی الدین کی پیدائش کہاں ہوئی؟

(a) دہلی (b) کلکتہ (c) حیدرآباد (d) لکھنؤ

(ix) "ترانۂ مانو" کس نے لکھا ہے؟

(a) علامہ اقبال (b) سید عین الحسن (c) اسماعیل میرٹھی (d) حفیظ جالندھری

(x) دوہے میں کتنے مصرعے ہوتے ہیں؟

(a) دو (b) چار (c) پانچ (d) سات

حصہ دوم

2۔ مرثیے کی تعرف بیان کیجیے۔

3۔ ذوق کا تعارف پیش کیجیے۔

4۔ غزل کے بارے میں اپنی معلومات کا اظہار کیجیے۔

5۔ ترانہ پر ایک نوٹ لکھیے۔

6۔ حیدر علی آتش کے حالات زندگی بیان کیجیے۔

7۔ نظم کی تعریف بیان کیجیے۔

8۔ نظم "مناجات" کا خلاصہ لکھیے۔

9۔ دوہا کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کیجیے۔

حصہ سوم

10۔ مثنوی "گلزار نسیم" کا خلاصہ لکھیے۔

11۔ کربلائی اور شخصی مرثیے کے فرق کو واضح کیجیے۔

12۔ نظم "روٹیاں" میں روٹی کی اہمیت کس طرح بیان کی گئی ہے؟ لکھیے۔

13۔ زبیر رضوی کی گیت نگاری کی خصوصیات بیان کیجیے۔

14۔ پیروڈی کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟ تفصیل سے لکھیے۔

اہم نکات

اہم نکات